جلد اول

سیرت و شخصیت

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب

سابق مہتمم دار العلوم وقف دیوبند

مؤلف

مولانا محمد اسامہ صدیقی نانوتوی



ناشر

حجۃ الاسلام اکیڈمی

دار العلوم وقف دیوبند



بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿قل إنی لن یجیرنی من اللہ أحد ولن أجد من دونہ ملتحداً، الا بلٰغا من اللہ ورسالاتہ﴾

(سورۃ الجن: ۲۳)

سیرت وشخصیت

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب

سابق مہتمم دار العلوم وقف دیوبند

جلد اول

مؤلف

مولانا محمد اسامہ صدیقی نانوتوی

ناشر

حجۃ الاسلام اکیڈمی

دار العلوم وقف دیوبند

سیرت وشخصیت

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب

سابق مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

جلد اول

تالیف: مولانا محمد اسامہ صدیقی نانوتوی

طبع اول: ۱۴۳۹ھ-۲۰۱۸ء

ISBN:978-93-84775-09-4

باهتمام: حجۃ الاسلام اکیڈمی، دارالعلوم وقف دیوبند، سہارنپور، یوپی، الہند

Composed by: Mansor Azim Usmani

Hujjat al-Islam Academy
Aljamia Al-Islamia Darululoom Waqf Deoband
Eidgah road, P.O. 247554, Deoband
Distt. Saharanpur U.P. INDIA
Tel: +91-1336-222352, Mob: +91-9897076726
Email: hujjatulislamacademy2013@gmail.com
hujjatulislamacademy@dud.edu.in
Website: http://www.dud.edu.in
Pritnted at: Al Huda Printer, Delhi

بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت خطیب الاسلام کا پسندیدہ شعر

مشیت میں مجال دم زدن توبہ معاذ اللہ
جسے یوسف بناتے ہیں اسے رکھتے ہیں زنداں میں

(مجالس خطیب الاسلام)

فہرست مضامین......جلد اوّل

باب اول

باب دوم

باب سوم

باب چہارم

﴿مقدمہ﴾

از:

جانشین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

اس عالم آب گل کی صفحۂ ہستی پر نہ جانے کتنی ہی ایسی نابغہ روزگار ہستیاں جلوہ افروز ہوئیں جن کو ذات حق جل مجدہ اپنے بیکراں خزائن رحمت اور انسان کے لئے ناقابل تصور وخیال اپنی شان کے مطابق وسعت عطا سے بے شمار محیرالعقول خوبیوں اور بے حساب اوصاف حمیدہ سے مزین فرما کر بنی نوع انسانی کی اصلاح ورہنمائی کے لئے دنیا میں بھیجتے ہیں، جس کو مختصر الفاظ میں بایں طور بھی اگر تعبیر کیا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ اللہ تعالی کی عطائے خاص سے ودیعت شدہ اوصاف وکمالات کے سبب یہ طبقہ بنی نوع انسانی کے لئے اپنے متنوع اور ہمہ جہت علوم ومصارف کے نقطۂ نظر سے وحدت میں کثرت کی مثال اور مصداق کی عملی شہادت ہے، جس کو ایک طرف اپنے عہد ومعاصرین کے درمیان درجہ عبقریت پر فائز کردیا جاتا ہے جہاں ایک طرف اس عبقریت سے پیدا ہونے والی انفرادیت ان حضرات کو عمومیت کے گرد وغبار سے ہمیشہ محفوظ ومامون رکھتی ہے تو وہیں دوسری طرف سنت اللہ کے مطابق تسلسل فیض کے نقطہ نظر سے پیش رونسل کے اخلاف صالحین کے لئے نمونہ عمل اور راہنمائے نقش حیات کا مرتبہ عطا فرما دیا جاتا ہے، اور حق تعالی کی جانب سے ان شخصیات کی معنوی تزئین کاری کے بنیادی واساسی اجزائے ترکیبی علم وعمل، ورع وتقوی، عزم وہمت، تعمق فکر، تحریک عمل، شعور وآگہی میں پختگی، بلندی اخلاق وکردار، کو ان کے بود وباش، نشست وبرخاست رفتا وگفتار اور طرز معاشرت سمیت تمام چھوٹے بڑے اہم وغیر اہم ایک ایک فعل وعمل سے مربوط کر کے اس میں ایسی مقناطیسی دل آویزی اور کشش ودل کشی عطا کردی جاتی ہے گویا کہ شخصیت کا خاکہ تصور

وخیال بھی میں ان اجزائے لاینفک کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا ہے اور یہی صفات حمیدہ ان شخصیات کو مرجع خلائق بنادیتی ہیں، اور یہی وہ حق تعالی کی منتخب وچنیدہ ہستیاں ہیں جو کہ بتوفیق حق جل مجدہ پیش رونسل کے خوش بخت وخوش قسمت صالح اخلاف کے لئے تمثیلا راہ حیات کے نہ جانے کتنے ایسے چراغوں کو روشن کرجاتی ہیں جس کی معنوی روشنی میں سلیم الفکر اخلاف نہ صرف منزل مقصود کا پتہ ہی پالیتے ہیں بلکہ اس مشعل حیات کی بہمہ رنگ روشنیوں میں اپنے اپنے عہود وقرون سے ہم آہنگ تقاضوں کے مطابق نئے رنگ بھرتے ہوئے اپنے سے اگلی نسل کو منتقل کرکے رخصت ہوجاتے ہیں، علی رؤس الاشہاد یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ربّ کائنات کی حکمت تخلیق عالم کے عین مطابق بنی نوع انسان کی یہ منتخب وچنیدہ شخصیات علوم وفنون ومعارف اور شعور آگہی کے ان گنت مجالات میں حسب توفیق عطائے حق از زمیں تا ثریا کے مصداق عروج وکمال کی انتہائی قابل رشک اور لائق تقلید بلندیوں پر پہنچادئے جاتے ہیں اور اپنے پیچھے علوم ومعارف کے بیش بہا خزینے اور نہایت قیمتی تجربات کا ایک بحر ذخّار چھوڑ جاتے ہیں جو کہ بعد میں آنے والوں کے لئے اگلی تعمیر کی بنیاد واساس کا درجہ رکھتے ہیں اور یہی تسلسل بنی نوع انسان کے تدریجی ارتقا کا عنوان ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی ایک تجرباتی اور مشاہداتی حقیقت ہے کہ دنیا کے کسی بھی میدان عمل کے نقطۂ عروج اور مقام کمال کا راستہ گل پوش وادیوں سے ہوکر نہیں گذرتا ہے بلکہ ہمیشہ سنگلاخ ودل خراش اور انتہائی حوصلہ شکن راہوں کا مرہون منت ہوتا ہے جس گذر کر انسان کو عزم آہنی صبر واستقامت اور فکر وعمل کو استحکام ودوام کی دولت حاصل ہوتی ہے گویا کہ اس دنیا میں بزبان قرآن کریم خلق الموت والحیٰوۃ لیبلوکم ایّکم احسن عملا کی کامیاب وکامران، عملی ومشاہداتی تفسیر کا نمونہ ہوتے ہیں، چنانچہ اس حقیقت پسندانہ تجزیہ کے تناظر میں جب کسی محقق ومدقق کی بصیرت افروز اور حقیقت کی متلاشی نگاہیں تاریخ کے دبیز پردوں میں مستور اور ورائے حجاب افراد واشخاص کی سربستہ صلاحیتوں کا منصفانہ جائزہ لیتی ہیں اور بتوفیق حق منصۂ شہود پر لائی جاتی ہیں تو وہ راز حقیقت بھی آشکارا ہوجاتا ہے جس سے کہ پیش رونسلوں میں تحریک عمل کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور ان کے فکر وخیال میں تموج اور طبیعت ومزاج میں انقلابی کیفیت کو جلا میسر آتی ہے۔

ان تمہیدی حقائق کے علی الرغم اس حقیقت واقعہ سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا ہے کہ قحط الرجال کے اس افسوس ناک عہد رواں میں جب کوئی ایسی شخصیت ہم سے جدا ہوتی ہے جس کا

بابرکت وجود مسعود کسی ایک گروہ یا کسی ایک جماعت یا طبقے کے لئے مختص نہیں ہوتا بلکہ آج کے درپیش چند در چند اور نت نئے مسائل وافکار سے پریشان حال اور ہدایت ورہنمائی کی متلاشی اور روز کے نت نئے مسائل سے نبرد آزما امت کے سامنے پیدا ہونے والے سوالات کے جوابات کو حاصل کرنے کے نقطۂ نظر سے متجسس وحساس افراد کے لئے مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہو تو ایسے میں غم والم اور فکر و ہموم کا دو چند ہو جانا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے، نہ جانے حادثات کی سرعت رفتار بڑھ گئی ہے یا ایک حادثے سے دوسرے حادثے کے مابین وقفے کی کمی سے اس احساس میں اضافہ ہو گیا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں صادق المصدوق نبی کریم علیہ الصلواۃ والسلام کی دنیا کے اخیر عہد سے تعلق رکھنے والی پیش گوئیوں کے دور کا آغاز ہو چکا ہو اور اسی حساسیت کے زیر اثر، عہد رواں کی رفتار ومزاج کو دیکھتے ہوئے گمان ہو چلا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ کہیں اسی دور کی طرف تو نہیں تھا، جیسا کہ انہی احادیث میں ایک اہم ترین حدیث پاک کے الفاظ بھی مشیر ہیں ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من الناس ولکن یقبض العلم بقبض العلماحتی اذا لم یترک عالما اتخذ االناس رؤسا جہالا فسلوا افاً فتوا بغیر علم فضلّو واضلّو ا۔ اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں سے یک بارگی ختم نہیں کریں گے بلکہ اہل علم کی وفات سے رفتہ رفتہ علم کو ختم کر دیں گے، چنانچہ جب ایک بھی عالم کا وجود نہیں رہے گا تو لوگ جہلا کو اپنا امیر اور راہنما بنالیں گے اوران سے مسائل دریافت کریں گے، اور وہ اپنے ناقص علم اور جاہلانہ معلومات کے مطابق مسائل بتا کر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے، اہل علم کی وفات کے پے در پے حادثات سے حدیث مذکور کے یہ الفاظ فکر ونظر اور قلب و دماغ میں ہلچل اور ارتعاش کی سی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں کہ کہیں اس حرماں نصیب دور کی شہادت ہمارے حصے میں تو نہیں آرہی ہے ؟ گرد وپیش کے حوصلہ شکن احوال وحوادث کی واقعاتی شہادتیں اس خیال کے فکری نقوش کو مزید گہرا کردینے کے لئے کافی ہیں، تاہم ولا تیئسوا من روح اللہ گردش احوال پر حوصلہ شکنی کا کیسا ہی غلبہ کیوں نہ ہو ایک مومن کے لئے یہ یقین ہی تقویت کے لئے کافی ہے کہ ذات حق جلّ مجدہ نبی رحمت علیہ السلام کی امت کو کسی بھی دور میں بے سہارا نہیں چھوڑیں گے بے شک عمومی سطح پر ہماری بداعمالیوں اور ایمان وعقائد میں کمزوری کے سبب ہمارے فکر وخیال پر گرد وغبار آ گیا ہے لیکن سنت اللہ کے مطابق ان شا اللہ پھر کسی اولی العزم مجدد وقت کے ذریعہ باران رحمت برسے گا اور فکر و ہموم کا یہ گرد وغبار ایک مرتبہ پھر صاف ہوگا، کیوں کہ ذات حق جلّ مجدہ کی سنت ثابتہ کے تسلسل کی معنوی تاثیرات

وبرکات کے سبب کوئی عہد وقرن ابرار وصالحین سے خالی نہیں ہوتا ہے اور پھر کسی شخصیت کا اللہ کے احکامات کا نقیب ومنّاد کی حیثیت سے منصہ شہود پر ظہور ہوتا ہے کو من وعن نہیں بلکہ اپنے عہد کے تقاضوں سے ہم آہنگ فکر ومزاج کے فرق سے بنیادی طور پر رخصت پذیر راہنما شخصیت کا نعم البدل قرار دیا جاسکتا ہے کیوں کہ یہ ایک نا قابل تردید تجرباتی ومشاہداتی حقیقت ہے کہ رخصت پذیر شخصیت کی اپنی فردیت وانفرادیت کی ہیئت ترکیبی کے عناصر میں من وعن خوبیاں وخامیاں مالہ وماعلیہ سمیت کسی دوسری شخصیت میں منتقل نہیں ہوتی ہیں کیوں کہ ہر دور کی شخصیات کے مابہ الامتیازات اوصاف کے تفاوت سے ہی ارتقائے انسانی مربوط ہے تاہم مشبہ بہ کے طور پر کسی شخصیت کے کسی پہلو یا جھلک کا دوسرے میں پایا جانا نہ ناممکن ہے اور نہ ہی بعید ہے، اور اس حکمت حق جلّ مجدہ کے ظاہری پہلو سے یہ حقیقت بھی منکشف وعیاں ہوتی ہے کہ افراد واشخاص کی فردیت اور اس کے مخصوص مابہ الامتیازات و خصوصیات کا تعلق اپنے ہی دور کے فکر ومزاج اور طریقۂ رد وقبول کی صلاحیتوں سے مربوط ہوتا ہے کیوں کہ گردش احوال سے زمانوں کے مزاج میں زاویۂ فکر ونظر میں انداز غور وفکر میں استدلات میں اصطلاحات میں طریقۂ فہم وتفہیم غرض کہ بہرطور بہمہ نوع صلاحیتوں کے استعمال میں تغیر واقع ہوجاتا ہے گویا کہ مرور زمانہ سے تبدیل ہونے والے اسی فکری وعملی تغیرات کو بنی نوع انسانی کے تدریج ارتقا کی کی خشت اساس بھی قرار دیا جاسکتا ہے، البتہ گردش احوال اور مرور زمانہ بنیادی واساسی اصولوں پر نہ اثر انداز ہوا ہے نہ ہوسکتا ہے۔

حق تعالیٰ نے اس دنیا کو اسباب کے تابع کیا ہے، چنانچہ اسلاف کے جانے کے بعد اخلاف پر ذمہ داریوں کے احساس میں اضافہ اسی ارتقائی تسلسل سے منسلک ہے، بلاشبہ خوش نصیب وخوش بخت ہیں وہ اخلاف صالحین جن کے دلوں میں جن کی نظروں میں بڑوں کی تعظیم بایں طور جاگزیں ہو کہ وہ مقاصد کی عظمت وجلالت کا ادراک کرتے ہوئے اپنی تمام علمی وفکری قوتوں کو مجتمع کرکے اس کی تکمیل کو مقصد حیات قرار دیتے ہیں۔

اگرچہ نظری طور پر موت کسی مومن کے لئے حادثہ نہیں ہے بلکہ ایسا ہی ہے جیسے دن کے بعد رات کا آجانا یا رات کے سیاہ پردے سے دن کے نور کا پھیل جانا لیکن بہر کیف وبہرطور موت ایک ایسی حقیقت اور ایک ایسی عالمگیر سچائی ہے کہ روئے زمین پر از آدم تا آخر دم کوئی ایسا نہ گذرا ہے اور نہ گذرے گا جو کہ اس حقیقت کی صداقت سے انحراف کی جرأت کرسکے زیر فلک بروئے آسماں کسی

بھی مخلوق کو موت سے رستگاری حاصل نہیں ہے، دوام و بقا اور ہمیشگی صرف اور صرف خدائے بزرگ و برتر کو روا ہے اس کے علاوہ تمام مخلوقات عالم میں کسی کو دوام حاصل نہیں ہے ہر چیز عدم سے عطائی وجود تک اور اس سے گذر کر پھر عدم کی طرف رواں دواں ہے، حرکت جمود کی طرف گامزن ہے، زندگی موت کے سائے تلے لمحہ بہ لمحہ لحظہ بہ لحظہ گرم سفر ہے بشمول انسان کے تمام مخلوقات عالم کوئی بزبان حال تو کوئی بزبان قال اس امر رب کا اشتہار ہے کہ ہر شے کو کسی نہ کسی دن فنا ہونا ہے، کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام کسی کو مہلت کم ملتی ہے تو کسی کو زیادہ، مگر اس دنیا میں کامیاب انسان وہ ہی سمجھا گیا جو موت کو بھی اپنے لئے بایں طور خوشگوار مرحلہ بنالے کہ موت بھی اس کو فنا نہ کر سکے اور اس دنیا سے جانے کے بعد بھی وہ کسی نہ کسی صورت میں ہمارے قلوب واذہان میں، افکار وخیالات میں اپنے علوم ومعارف کی شکل میں، اپنے قلم کی شکل میں، اپنی خدمات کی صورت میں یا تلامیذہ کی صورت میں زندہ و تابندہ رہے، جس سے کہ بعد میں بھی قوم اس سے مستفید ہوتی رہے، علی سبیل المثال امام غزالی پانچ صدیوں سے شہر طاؤس کی خاک تلے آسودۂ رحمت ہیں لیکن بارگاہ رب العزت میں ان کی قبولیت ومقبولیت کے منجانب حق جلّ مجدہ اس دنیا میں اعلان واشتہار کے طور پر ان کے بیش بہا علوم ومعارف کے فیض کو بقا کی دولت سے سرفراز فرمادیا گیا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ اس دنیا میں بقا کی ظاہری صورت صرف علم ہی ہے، جس سے کہ اہل علم کی ایک ایسی جماعت ہر دور میں تیار ہوتی رہتی ہے جو اپنے استاذ کو اپنے محسن کو اپنے مربی کو لازوال بنادیتی ہے۔

عہد رواں کی ایسی ہی ایک لازوال ہستی خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب قدس اللہ سرہ سابق مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند تھے جن کی ہمہ جہت علمی، تعلیمی، انتظامی اور ملّی خدمات کا دورانیہ ستّر سال اور حیات مستعار کا دورانیہ چورانوے سالوں کو محیط ہے جو کہ مورخہ ۲۶ / رجب المرجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۴/ اپریل ۲۰۱۸ء کو وقت موعود آجانے پر ستر سالہ علمی وتعلیمی خدمات کے حاصل نتیجہ پر ہزارہا ہزار صالح تلامیذہ پر مشتمل جماعت کو امانت علم اور تربیت عمل کی دولت سونپ کر خالق حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون. و انا ان شاء اللہ بکم لاحقون نسئل اللہ لنا ولکم العافیۃ.

حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ کی علمی، تعلیمی، انتظامی اور ملّی خدمات کا طویل ترین دورانیہ اور اس طول طویل دورانیہ کے حقائق علم وعمل کے تذکرۂ جلیل کو چند صفحات میں تو کیا چند باقاعدہ کتابوں

میں بھی سمیٹنا ممکن نظر نہیں آرہا تھا، جب کہ کسی عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے جرأت آغاز کو علمی وعملی دنیا میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اور از روئے حدیث رسول علیہ الصلوۃ والسلام **من لم یشکر الناس لم یشکر الله،** جس نے بندہ خدا کا شکر نہیں ادا کیا اس نے خدا کا بھی شکر ادا نہیں کیا، لہذا اس عظیم الشان کام کے آغاز پر سب سے پہلے موجب شکر ودعا ہیں برادر مکرم ومحترم جناب حضرت مولانا محمد زکریا صاحب صدیقی نانوتوی مدظلہ رکن مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند کے صاحبزادگان عزیزم مولانا محمد اسامہ نانوتوی سلّمہٗ جنہوں نے اپنی سعادت مندانہ طبیعت ومزاج کے زیر اثر حضرت والد مکرم رحمہ اللہ کی حیات میں ہی ان کی اجازت سے ان کی سوانح حیات کی ترتیب کے کام کا آغاز کر دیا تھا اور ان کی خوش بختی وخوش نصیبی کی یہ جہت لائق ذکر ہے حضرت خطیب الاسلام کی زیر نظر سوانح میں تاریخی حقائق و واقعات کو حضرت رحمہ اللہ علیہ کی زبانی سند وتصدیق حاصل ہے، عزیزم سلّمہٗ نے بالالتزام اس کا اہتمام کیا کہ وقفے وقفے سے حضرت رحمہ اللہ کی خدمت حاضر ہوتے اور اگر طبیعت میں نشاط پاتے تو تیار کردہ نوٹس کے جوابات کو ریکارڈ کر لیتے تھے ان کے اس عمل سے سوانح حیات میں مندرج حقائق وواقعات کی تاریخی اہمیت مستند ہوگئی ہے، اسی طرح لائق شکر وسپاس ہیں ان کے برادر مکرم عزیزم مولانا محمد اویس نانوتوی سلّمہٗ، جن کو حق تعالی نے ٹھوس علمی صلاحیت کے ساتھ عربی زبان وبیان اور تحریر وتقریر کے بہترین ذوق سے سرفراز فرمایا ہے، آج جب کہ بہمہ نوع قحط الرجال کا دور ہے بقول شخصے کہ پرانے بادہ کش اٹھتے جاتے ہیں ایک چراغ بجھتا ہے تو ظلمتوں کے سائے مزید گہرے اور طویل نظر آنے لگتے ہیں بالخصوص ہندوستان میں عربی زبان وادب کے حوالے سے افرادی تیاری روبہ زوال ہے ایسے میں بالخاص کسی نوجوان عالم دین کی اس طرف توجہ اور دلچسپی کا پایا جانا یقیناً امید کے چراغ کو روشن رکھنے کے مترادف ہے، عزیزم موصوف سلمہٗ زیر نظر سوانح کو عربی زبان میں منتقل کئے جانے جیسے لائق تحسین ستائش کام میں مصروف عمل ہیں، کیوں کہ خاندانی قرابت کے تعلق سے عزیزان سلّمہما راقم السطور کے بھانجے بھی ہوتے ہیں، لہٰذا بلحاظ حق قرابت وانسیت بھی راقم السطور بہر لمحہ ولحظہ دعا گو ہے کہ برادر مکرم جناب حضرت مولانا زکریا صاحب نانوتوی کے زیر سایہ عزیزان سلّمہما کی علمی وعملی صلاحیتوں کو حق تعالیٰ دن دونی اور رات چوگنی ترقی کے مصداق فروغ و مقبولیت عطا فرمائیں نیز مقام عزّت وعظمت کی سربلندیوں کو ان کے لئے مقدر فرمادیں اور ان کی ان تاریخ ساز علمی کاوشوں کو شرف قبولیت سے سرفراز فرمادیں۔

دارالعلوم وقف دیوبند کے شعبہ ریسرچ وتحقیق حجۃ الاسلام اکیڈمی کے قیام کے منجملہ دیگر بلند پایہ علمی وتعلیمی وتحقیقی مقاصد کے بطورمحرک اس کا بنیادی واساسی مقصد اکابرین امّت کی بالعموم اور تحریک دارالعلوم دیوبند سے وابستہ اکابرین کی علمی، تعلیمی، ملّی، انتظامی ہمہ جہت جہود وکاوشوں، ایثارو قربانیوں کی قرارواقعی اہمیت کوعہدرواں کے ریسرچ وتحقیق کے جدید اصولوں کے تحت مستند اہل علم کی زیرنگرانی منقیٰ ومصفیٰ اورمجلّٰی کرکے دوررواں کے اسلوب تفہیم کے مطابق اعلیٰ اورمعیاری انداز میں منصۂ شہود پرلانا نیز مستند وپیشہ ورمترجمین کی خدمات حاصل کرکے ان بلند پایہ علوم ومعارف پر مشتمل بے حدقیمتی سرمائے کوعربی وانگریزی کےعلاوہ دنیا کی دیگراہم ترین زبانوں میں منتقل کرنااکیڈمی کے ہمہ جہت مقاصد کا ایک اہم ترین حصہ ہے، اور بحمداللہ وبفضلہٖ گذشتہ پانچ سالوں میں حجۃ الاسلام اکیڈمی اپنے مقاصدواہداف کےتعلق سے باوقارحسن کارکردگی کی بنیادپرملکی اوربین الاقوامی سطح مقام پرعظمت کی سربلندیوں میں اپنی ایک منفرد شناخت پیدا کرنے کےساتھ بہمہ نوع علمی وتعلیمی دوائرو اجتماعیات کی طرف سے نیز ایشیا، افریقہ، یوروپ، امریکہ اور جزیرۃ العرب کےاہل علم ودانش اور باوقارعلمی شخصیات کی جانب سے موصول ہونے والے تأثرات کو بلا شبہ حجۃ الاسلام اکیڈمی کی باعظمت حسن کاکردگی کی سندکا درجہ حاصل ہے، یقیناً ناسپاسی ہوگی اگراکیڈمی کےاس پورے ترقیاتی منظرنامے کےروح رواں عزیزم مولاناڈاکٹرمحمد شکیب قاسمی سلّمہٗ ڈائریکٹرحجۃ الاسلام اکیڈمی واستاذ دارالعلوم وقف دیوبندکی شبانہ روزکوششوں کاوشوں اورجہود وجذبۂ ایثارکاذکرنہ کیا جائے جوکہ اپنے بڑوں کی زیرنگرانی اپنی جواں سال مخلص ومحنت کش جماعت کوساتھ لےکراکیڈمی کے بلند پایہ اہداف کی تکمیل کی جانب شبانہ روزمحنتوں کےساتھ گرم سفراوربہتر ازبہتر کی بنیادپرتعمق فکرونظرکےساتھ نت نئ ترقیات کی راہوں کی تلاش میں ہمہ وقت سرگرداں ومصروف عمل ہیں، دعاگوہوں کہ ذات حق جل مجدہٗ اپنے خاص لطف وکرم سے دارالعلوم وقف دیوبندکی باعظمت وبابرکت سرپرستی کے زیرسایہ عزیزم موصوف سلّمہٗ اوران کی جماعت کے جملہ مخلص اراکین کی تمام مخلصانہ جہود کوشرف قبولیت سے سرفرازفرماتے ہوئے ادارے کے لئے نفع بخش اوران کے لئے دین ودنیا میں باعزت سربلندی کا ذریعہ بنائیں۔آمین یاربّ العالمین

علم والے علم کا دریا بہا کر چل دیئے
واعظانِ قوم سوتوں کو جگا کر چل دیئے
کچھ سخن ور تھے سحر اپنا دکھا کر چل دیئے
کچھ مسیحا تھے کہ مردوں کو جگا کر چل دیئے

محمد سفیان قاسمی
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند
۲۵؍شوال المکرّم ۱۴۳۹ھ

﴿تقریظ﴾

مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتوی

رکن مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند

الحمد رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیا والمرسلین، وعلیٰ آله وصحبه ومن تبعهم باحسان إلی یوم الدین. وبعد

جب سے یہ کائنات قائم ہے، اسی دن سے معرکہ حق وباطل مسلسل ہوتا چلا آرہا ہے، اہل باطل سب شیطان کے چیلے اور حزب الشیطان ہیں، جبکہ اہل حق اہل صدق وصفا سب حزب اللہ ہیں۔ تخلیق آدم سے لے کر آج تک دنیا میں باطل نے طرح طرح سے سر اٹھایا اور زمین میں نت نئے طریقوں سے فساد مچایا، اور شیطان نے اہل باطل کو وہ تدبیریں سمجھائیں جو دیکھنے میں بڑی ہی طاقتور اور خوبصورت اور ذہن ودماغ کو موہ لینے والی، اور آنکھوں کو خیرہ کردینے والی ہوتی ہیں، لیکن اندر سے نہایت کمزور اور بے جان، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

﴿كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ (سورۃ الانعام: ۱۱۲)

کہ شیطان بھی اپنے چیلوں کو ایسی چالیں بتلاتا ہے، جو دیکھنے میں بڑے ہی دل کو موہ لینے والی اور جاذب نظر، لیکن بالکل دھوکہ اور سب بے جان ہوتی ہیں، اسی لئے باطل شروع میں بہت طاقتور بن کر ابھرتا ہے، لیکن اندر سے اس کی بنیادیں کھوکھلی ہوتی ہیں، اسی لئے جیسے ہی اس کا مقابلہ وحی الٰہی پر چلنے والے اہل حق سے ہوتا ہے تو بکھر کر پاش پاش ہوجاتا ہے۔ فرعون، ہامان، شداد، قوم لوط، نمرود، قوم ثمود، قوم عاد اور پھر جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف ریشہ دوانیاں کرنے والے کفار ومشرکین اور منافقین سب کے سب ابتداء میں بڑے طاقتور نظر آئے، لیکن پھر جیسے ہی ان طواغیت کا مقابلہ ان

اہل حق سے ہوا جن کے پاس وحی الٰہی کی روشنی تھی، تو سب کے سب بکھر گئے، اور حق کو فتح ہوئی، یہی سلسلہ پھر جناب رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی چلتا رہا، اور آج بھی جاری ہے۔ لیکن انجام کار جیت ہمیشہ اہل حق کی ہوتی ہے، جس کے لئے وارثان انبیاء علیہم السلام سے ہر دور اور ہر زمانے میں محنتیں اور مجاہدے کرائے جاتے ہیں، اور ان کے ساتھ انتہائی صبر آزما حالات پیش آتے ہیں، لیکن نتیجہ وہ نکلتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾(سورۃ الانبیاء: ۱۸)

ہندستان میں اگر چہ اسلام اور مسلمانوں کی آمد قرن اول ہی میں ہوگئی تھی، اور یہاں کے لوگ بھی ان صاحب ایمان با کردار لوگوں سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے، اور پھر صوفیائے کرام نے آ کر عمومی طور پر یہاں اسلام کی دعوت دی، جس کے نتیجے میں لاکھوں لوگوں نے اسلام قبول کر لیا، پھر تقریباً آٹھ سو سال یہاں مسلمانوں کی حکومت رہی، اور مسلمانوں کے دور حکومت کا خاتمہ مغلوں کی حکومت پر بارہویں صدی ہجری میں ہوگیا، یہی وہ صدی ہے جس میں حجۃ الاسلام، امام العلماء والمحدثین حضرت شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی رحمہ اللہ پیدا ہوئے، جو اپنے سینے میں دعوتی تڑپ رکھنے والا دل رکھتے تھے، بلکہ فاروقی النسب ہونے کی وجہ دینی حمیت اور غیرت انکو ورثہ میں ملی تھی۔ انہوں نے بتوفیق من اللہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت زار کا جائزہ لیا، جہاں مغلیہ سلطنت آپسی رنجشوں اور والیان حکومت کی رنگینوں کی وجہ سے روبہ زوال تھی، یہی وجہ ہے ان کے زمانے میں گیارہ مغل بادشاہ تخت نشین ہوئے، جس کی وجہ سے مسلمان حکومت کمزور ہوگئی، ان تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں اعلائے کلمۃ الحق کے دو میدان کار منتخب کئے، نمبر ایک یہ کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو قرآن وحدیث سے وابستہ کرنے کی کوششیں فرمائیں دوسری طرف انہوں نے مسلمانوں کے سامنے اس خلافت کے خدوخال واضح کرنے کے لئے ایک پروگرام بنایا، جو خلافت علی منہاج النبوۃ ہو، اس پروگرام کو انہوں نے ایک کتابی شکل دی، جس کا نام ''حجۃ اللہ البالغۃ'' رکھا، اگر چہ ضمناً اس مشہور زمانہ کتاب میں اسرار شریعت بھی بیان فرمائے، پھر اس پروگرام کے نفاذ کے لئے انہوں نے ایک اہم قدم اٹھایا اور احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان آنے کی دعوت دی، اور ان کے سامنے وہ جامع پروگرام پیش فرمایا، احمد شاہ ابدالی شاہ افغانستان نے اس پروگرام کو سمجھ کر ہندستان آنا منظور کر لیا، وہ ہندوستان آئے بھی اور انہوں نے ایک

مضبوط حکومت کی بنیاد بھی ڈالی، اور پانی پت میں مرہٹوں کو شکست فاش دی، اور یہ امید ہونے لگی کہ اس جامع پروگرام کا نفاذ ممکن ہو جائے گا، لیکن افغانستان میں یورشوں کے چلتے ان کو واپس جانا پڑا، اور جو فتنہ پرداز دب کر بیٹھ گئے تھے، انہوں نے سر اٹھالیا، ادھر انگریز بھی آہستہ آہستہ ملک کے مختلف حصوں پر قابض ہوتا جا رہا تھا، ان ہی حالات میں حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی کا انتقال ہو گیا۔ شاہ صاحب کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادگان اور ان کے شاگردوں نے اعلائے کلمۃ الحق کے لئے اس جامع پروگرام کی تنفیذ کے لئے کوششیں تیز کردیں، اور پھر ان ناگفتہ بہ حالات کی وجہ سے شاہ صاحب کے جانشین اور بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ دیا کہ ہندوستان اب دارالحرب ہے، جس کی پاداش میں ان کو دہلی سے شہر بدر ہونا پڑا، ان کو زہر دیا گیا جس کی وجہ سے وہ نابینا ہو گئے، لیکن انہوں نے اپنے والد کی اس فکر کو عام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور انہوں نے اس کے لئے ایک عظیم شخصیت کو تیار کیا جس کا نام سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تھا، انہوں نے اور ان کے رفقاء جناب شاہ اسماعیل شہیدؒ، مولانا عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ و دیگر علمائے کرام نے ایک ایمانی جماعت بنائی اور پھر اسی فکر کو عام کرنے کے لئے سید احمد شہید اور ان کے رفقائے کرام نے ملک کا دورہ کیا، اور لوگوں سے جہاد پر بیعت لی، لیکن پھر ۱۸۳۱ء میں وہ بھی اپنے رفقاء کے ساتھ بالاکوٹ میں شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد باطل اور اسلام دشمن طاقتوں خاص کر انگریزوں نے سر اٹھالیا، اور آہستہ آہستہ ہندوستان پر قابض ہو گئے، بالاکوٹ کے جہاد میں جو لوگ بچ گئے تھے، ان کو ابھی وہی اعلائے کلمۃ الحق کی دھن سوار تھی، اور وہ اپنی مقدور بھر کوششیں اس کے لئے کر رہے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں ان سرفروشوں نے ایک مرتبہ پھر مغربی طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے علم جہاد بلند کیا اور تھانہ بھون میں ایک لشکر حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ کی قیادت میں جمع ہوا اور شاملی کی طرف انگریزوں سے جہاد کے لئے نکلا، لیکن ظاہر ہے کہ اس وقت انگریز ہندوستان پر قابض ہو گیا تھا، اور اپنے ساتھ مادیت والحادیت کے ایسے طوفان لایا تھا کہ اگر اس وقت یہی ولی اللہی فکر رکھنے والی جماعت حقہ موجود نہ ہوتی تو ہندوستان میں اندلس کی تاریخ دہرائی جانا بالکل یقینی ہو چکا تھا، اگرچہ یہ جماعت حقہ جہاد شاملی سے کئی عظیم ہستیوں کی شہادت کے بعد لوٹی تھی، لیکن باقی رہنے والے افراد کے ذہنوں میں مادیت والحادیت اور کفر کے خلاف ایسے جذبات موجزن ہو چکے تھے کہ ان کو اعلائے کلمۃ الحق کی راہ سے کوئی چیز ہٹا نہیں سکتی تھی۔ میدان جہاد سے لوٹنے کے بعد حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد

قاسم النانوتوی اوران کے رفقانے حالات کا جائزہ لینے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اب اس وقت میدان جہاد میں تو باطل طاقتوں سے مقابلہ فی الحال ممکن نہیں، البتہ ایک ایسا اسلامی مرکز بنادیا جائے جہاں سے ایسے افراد تیار ہوں جو دل میں اعلائے کلمۃ الحق کا جذبہ اور ولولہ رکھتے ہوں چنانچہ من جانب اللہ ان پرآشوب حالات میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ کے دل میں یہ بات القا ہوئی کہ اس کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا جائے، ایک ایسا ادارہ بنایا جائے جہاں علمائے ربانیین تیا کئے جائیں، جس پر علم کا پردہ ڈالا جائے، لیکن اصل مقصد وہی تھا کہ یہاں سے اسلام کی ہمہ گیر دعوتی فکر رکھنے والے افراد پیدا ہوں، اس کے لئے انہوں نے نہ صرف دارالعلوم قائم کیا بلکہ ملک کے دوسرے علاقوں میں بھی اسلامی مدارس قائم فرمائے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ احیائے فکر اسلامی اور دعوت دین کا انتظام فرما کر بہت جلد دنیا سے رخصت ہوگئے، لیکن انہوں نے اپنے شاگردوں کی ایک ایسی خداترس جماعت تیار کردی جو اپنے دلوں میں اسی طرح سرفروشی کا جذبہ رکھتے تھے۔ جن میں سرفہرست نام حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہ کا ہے۔ جن کے اخلاص وللّٰہیت، جذبہ جہاد اور اعلائے کلمۃ الحق کی شبانہ روز کوششوں سے یہ فکر قاسمی بفضل اللہ عام ہوئی، پھر اسی فکر قاسمی کی نشرواشاعت، اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جذبوں کو زندہ رکھنے کا کام، دعوت دین، نفاذ شریعت، فکر ولی اللہی کی ترجمانی کا شرف الحمدللہ ان لاکھوں فضلائے دارالعلوم دیوبند کے حصے میں آیا جو پوری دنیا میں دعوت دین اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے کام کررہے ہیں، جن میں سب سے نمایاں نام حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ کے حفید مکرم جناب مولانا قاری محمد طیب صاحب کا ہے، جنہوں نے اپنی گفتار وکردار اور فضل وکمال، اخلاص وللّٰہیت سے دنیا کے کونے کونے میں لوگوں کو اس عظیم الشان دعوتی واسلامی عمل کے لئے کھڑا کردیا، پھر ان کے بعد ان کی جانشینی کا شرف حضرت خطیب الاسلام نوراللہ مرقدہ کو من جانب اللہ عطا ہوا۔ انہوں نے بھی حیات مستعار کا ایک ایک لمحہ اس مخصوص منہج حق کو سیکھنے اور اس کی ترویج واشاعت میں لگادیا، اور فکر اسلامی کی ایسی دلنشین وسچی ترجمانی کی جو آج کے نئے اور مغرب زدہ ذہنوں کو اپیل کرتی ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں زمانہ طالبعلمی ہی سے میرا حضرت حکیم الاسلام اور حضرت خطیب الاسلام کی طرف ایک طرح کا خاص قلبی میلان تھا، غالباً اس میلان کی وجہ بچپن کی وہ یادیں تھیں جب حضرت حکیم الاسلام اوران کے ساتھ اکثر وبیشتر حضرت خطیب الاسلام میرے والد حضرت مولانا عبدالسلام صدیقی نانوتویؒ کے پاس حیدرآباد تشریف لاتے، والد صاحب کا قیام خیرت آباد میں تھا اور خیرت آباد کی جامع

مسجد میں امام وخطیب تھے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب حیدرآباد تشریف لاتے تو خیرت آباد میں بھی تشریف لاتے، اس وقت میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ آپ کی تشریف آوری پر گھر میں بڑا اہتمام ہوتا، اور میں اپنے والد اور حضرت حکیم الاسلام کے سامنے خدمت کے لئے مستعد رہتا۔ اسی وقت سے میرے قلب میں ایک خاص محبت پیدا ہوگئی تھی اور حضرت حکیم الاسلام بھی مجھ پر اسی وقت سے بڑی شفقت فرماتے تھے۔ مگر اس علاقہ ومحبت میں استحکام جب پیدا ہوا جب میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا۔ ان حضرات کی دارالعلوم دیوبند میں تقریباً روزانہ زیارت ہوتی اور ہفتہ میں ایک دو مرتبہ حضرت حکیم الاسلام کی خدمت میں بھی چلا جاتا، حضرت اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود میرے تمام احوال اور خاندان والوں کی خیر وعافیت دریافت فرماتے، اسی دوران حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک ربط خاص پیدا ہوگیا اور آپ سے اکثر وبیشتر ملاقات احاطہ مولسری میں اس وقت ہو جاتی جب آپ درس دینے کے لئے کسی بھی درسگاہ جا رہے ہوتے، یا درس سے فارغ ہوکر گھر واپس جاتے۔ جب میں موقوف علیہ میں پہنچا تو مجھ کو باقاعدہ حضرت خطیب الاسلام سے شرف تلمذ حاصل ہوا اور حضرت سے علم کلام کی مشہور کتاب 'شرح عقائد' پڑھنے کا موقع میسر آیا، حضرت خطیب الاسلام کا شرح عقائد کا درس بہت مشہور تھا، میں نے سال بھر حضرت سے استفادہ کیا، حضرت کے درس کی خصوصیت یہ تھی کہ حضرت درس کا آغاز عموماً تمہید سے فرماتے، یعنی درس کی تمہید باندھتے، وہ تمہید اس قدر جامع ہوتی کہ اس تمہید کو سمجھنے کے بعد درس بہت آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاتا اور مشکل مقامات پر بھی کسی طرح کا غموض یا پیچیدگی باقی نہ رہتی۔ اسی وجہ سے طلباء میں یہ بات مشہور تھی کہ حضرت کی تمہیدات کو جس نے سمجھ لیا اس کے لئے شرح عقائد کا سمجھنا ایک معمولی بات ہے۔

زندگی بھر آپ نے میرے ساتھ بڑی شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا، اکثر وبیشتر جب دیوبند جانا ہوتا تو حضرت کی خدمت میں مزاج پرسی کے لئے حاضری ہوتی تو حضرت سب اہل خانہ کی خیریت دریافت فرماتے، اور نانوتہ تشریف آوری کی درخواست پر کبھی انکار نہ فرماتے اور پروگرام کی ڈائری میں تاریخ مقرر فرما کر مقررہ تاریخ درج فرما دیتے، خاص طور پر آم کے موسم میں حضرت کی تشریف آوری ہم سب گھر والوں کے لئے، اہل محلّہ، بلکہ پورے قصبہ والوں کے لئے باعث برکت ہوتی، حضرت کی تشریف آوری پر راقم کے غریب خانہ پر اہل خاندان اور دیگر اہل محلّہ جمع ہو جاتے اور حضرت سے ملاقات کرتے دعاؤں کی گزارش کرتے، اس موقع پر ہمارے یہاں ایک تقریب اور عید کا سا سماں ہوتا۔

میری یہ خواہش تھی کہ حضرت خطیب الاسلام کی سوانح عمری ان کی حیات مبارکہ ہی میں منظر عام پر آجائے، لیکن باوجود کوشش کے یہ ممکن نہ ہوسکا۔ قدر الله ماشاء فعل

عزیزم مولوی محمد اسامہ صدیقی سلمہ نے مواد جمع کرنے اور پھر اس کو ترتیب دینے کا کام حضرت کی اجازت کے بعد ان کی حیات ہی میں شروع کر دیا تھا، پھر حضرت کے وصال کے بعد مسلسل یہ مبارک کام میرے کرم فرما جانشین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی دامت برکاتہم کی مسلسل سرپرستی اور مسلسل حوصلہ افزائی سے پایہ تکمیل کو پہنچا، فکر ولی اللہی اور حکمت قاسمیہ کی ترویج واشاعت، دعوت دین، تعلیم کتاب وسنت، تزکیہ نفوس اور اصلاح امت کے عظیم میدانوں میں جو کام مولانا سے اللہ تعالیٰ لے رہے ہیں اس کو دیکھ کر بلا تامل یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اللہ نے آپ کے گھرانے کو ہندستان میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے قبول فرمالیا ہے۔ اللہ آپ کی عمر اور اقبال میں برکت عطا فرمائے۔ کتاب کی اشاعت کے جملہ مراحل کی تکمیل میں اور مسلسل علمی مواد فراہم کرنے میں جو مسلسل جدوجہد حجۃ الاسلام اکیڈمی کے ڈائریکٹر جواں سال عالم دین مولانا محمد شکیب قاسمی نے کی ہیں وہ ان ہی کا حصہ ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ان کی ان عظیم الشان علمی ودعوتی کوششوں میں خوب خوب برکت عطا فرمائے۔ اور جو مقاصد اکیڈمی نے روز اول سے طے کئے ہیں ان کو پورا فرمائے۔

حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ ہی کا فیض ہے کہ عزیزم مولوی محمد اسامہ سلمہ کو آپ کی سوانح عمری لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی، جنہوں نے رات دن ایک کر کے یہ سوانح عمری تالیف کی ہے، جو نہ صرف حضرت خطیب الاسلام کا تعارف ہے بلکہ جماعت حق اہل دیوبند کا بھی تعارف ہے، اللہ تعالیٰ قبولیت عطا فرما کر حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ کے لئے بلندی درجات کا اور مجھ ناکارہ کے لئے مغفرت کا ذریعہ اور عزیزم سلمہ کے لئے دنیا وآخرت میں کامیابیوں وکامرانیوں کا ذریعہ بنائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنامولانا وسندنا محمد وآلہٖ وصحبہ وازواجہ وأهل بیته اجمعین

برحمتک یا ارحم الراحمین

ڈاکٹر محمد زکریا صدیقی

محمد زکریا صدیقی

۲۵ رشوال المکرم ۱۴۳۹ھ

﴿عرض ناشر﴾

آج کے پرآشوب اور انحطاط پذیر دور پرفتن میں جبکہ حق وصداقت کے علمبردار علمائے صادقین قابل فکر وتشویش سرعت رفتار کے ساتھ عالم آخرت کے لئے رخت سفر باندھ کر رخصت ہورہے ہیں اور آسودگی باطن کی تشنگی کو غذا فراہم کرنے والی مجالس رفتہ رفتہ سونی ہوتی جارہی ہیں، اہل باطن کے ملفوظات وواقعات اور ان کی پرخلوص دینی وروحانی خدمات کے تذکرے، علمی کارنامے اور شخصیات سازی میں ان کے مؤثر ترین کردار کے بیانات ایثار واخلاص اور قربانیوں ومجاہدات اور سرفروشانہ جہد وکاوشوں کو بیان کرنے والے رفتہ رفتہ ناپید ہوتے جارہے ہیں جو کہ نسلوں میں اصلاح احوال، اور تحریک عمل کے جذبے کو بیدار رکھنے کا ایک مؤثر ترین ذریعہ سمجھا جاتا تھا، عہد حاضر میں اس پہلو کی تشنہ کامی کے اثرات فکر و مزاج پر بھی مرتب ہورہے ہیں، چنانچہ اس جہت کی تشنگی کو کسی نہ کسی درجہ میں روحانی آسودگی فراہم کرنے کے لئے اہل حق کی سیرت وسوانح معاون ومدد ہی نہیں بلکہ کافی حد تک شخصیت وکردار سازی میں ایک مؤثر وسیلہ ثابت ہوتی ہیں، بقول حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب قدس سرہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند مذہبی مقتدر شخصیات کی سیرت وسوانح کو محفوظ کرنے کا یہ مقصد نہیں ہوتا ہے کہ شخصیات زندہ رہیں بلکہ منجانب حق جل مجدہ ان کے ذریعہ جو خدمات سرانجام دلائی جاتی ہیں وہی دراصل آنے والی نسلوں کو علم وارتقاء کی بنیادیں فراہم کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں لہٰذا اگر غور کیا جائے تو تمام عالم میں بظاہر اسباب یہی اصول ارتقاء علی حسب حال ہر میدان عمل میں کارفرما نظر آئے گا۔

جد محترم خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نوراللہ مرقدہ سابق مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کی علمی، تعلیمی انتظامی واجتماعی اور ملی وعائلی خدمات کا دورانیہ اپنی ہمہ جہت وسعت وخدمت کے اعتبار سے یقیناً جزئی تفصیلی ذکر کا متقاضی تھا لیکن اس صورت میں یہ سوانح کئی جلدوں پر محیط ہوجاتی جبکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس وقت زیادہ اہمیت اس نقطۂ فکر کو حاصل ہے کہ عہد حاضر کے اختصار پسندانہ فکر و مزاج کو بایں طور ملحوظ رکھا جائے کہ مقصد سیرت وسوانح یعنی شخصیت کے امتیازی اوصاف وکمالات اس

طور پر منضبط ہوکر منصۂ شہود پر آ جائیں کہ آنے والی نسلوں میں تعمیر شخصیت اور کردار سازی کے تعلق سے بنیاد واساس فراہم کرنے میں معاون ثابت ہوسکے اور تحریک فکر وعمل کو جلا بخشنے کا ذریعہ ثابت ہوں۔

بلا شبہ لائق شکر وسپاس ہیں برادر مکرم جناب مولانا محمد اسامہ صدیقی نانوتوی جن کو ذات حق جل مجدہ نے سیرت وسوانح کے مذکورہ دائرۂ اصول میں رہتے ہوئے سیرت وسوانح کی مقصدیت کو عہد حاضر کے مانوس فہم کے ساتھ بہترین اسلوب و بیان میں ضبط تحریر کرنے کی خداداد صلاحیت سے وافر حصہ عطاء فرمایا اور حضرت خطیب الاسلامؒ سے اپنی قرابت وقربت اور انس ومحبت اور عقیدت مندانہ تعلق کو علمی جہت فراہم کرتے ہوئے حضرتؒ کی زیر نظر سیرت وسوانح مرتب کی ہے، حق تعالی موصوف محترم کے ایثار واخلاص پر مبنی اس خدمت کو عوامی سطح پر مقبولیت عطاء فرما کر موصوف محترم کو سرفرازی سے نوازیں۔ آمین

دارالعلوم وقف دیوبند کے شعبۂ ریسرچ وتحقیق حجۃ الاسلام اکیڈمی کے بلند پایہ مقصد قیام کی منجملۂ دیگر ایک اہم جہت یہ بھی ہے کہ جہاں طلباء میں ایک طرف ذوق تحقیق پیدا کرنے کے ساتھ تعمیر وتطہیر فکر کو مقصدی نقطۂ نظر سے شخصیت سازی کا محور بنانا ہے وہیں بدرجۂ اسباب اکابر واسلاف کی سرفروشانہ ومجاہدانہ حیات وخدمات کو آج کے فکر وفہم سے مطابقت کے ساتھ منظر نامے پر لانا بھی دراصل اپنے اہداف سے تعلق رکھنے والا ایک اہم اور قابل ذکر حصہ ہے تاکہ اکابر واسلاف کی بامقصد حیات وخدمات اور ان کے مجاہدانہ کارناموں اور صدیوں پر مرتب ہونے والے ان کے اثرات سے آنے والی نسلوں کو متعارف کرایا جاسکے اس تعلق سے رائج الوقت اسلوب بیان کی کلیدی حیثیت واہمیت اہل علم وفکر حضرات سے مخفی ومستور نہیں ہے، حضرت خطیب الاسلامؒ کی زیر نظر سوانح کی نشر واشاعت دراصل اکیڈمی کے بامقصد اہداف کی سمت ایک قدم ہے، اس بامقصد وبابرکت کام میں حصہ داری کو ہم جملہ خدام اکیڈمی جہاں ایک طرف سعادت اخروی پر محمول کرنے میں حق بجانب ہیں وہیں اسی کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں اسباب قبولیت کے ظہور اور طلب خیر الامور کے لئے دست بہ دعاء ہیں، حق تعالیٰ اس کار خیر میں بہر طور شرکاء کی کوششوں وکاوشوں کو شرف قبولیت سے سرفراز فرماتے ہوئے دارین میں بہترین جزاء عطا فرمائیں۔ وما توفیقی الا باللہ

محمد شکیب قاسمی

ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی

دارالعلوم وقف دیوبند

مؤرخہ: یکم ذیقعدہ ۱۴۳۹ھ

حرفِ آغاز

کائنات میں سنت اللہ یہ رہی ہے کہ انسانی برے اعمال کے نتیجے میں جب کبھی ظلمات کی سیاہ چادریں پھیلی ہیں اور تاریکیوں نے نور سے خالی جگہ گھیری ہے، تو اللہ نے وقفے وقفے سے اپنی کتابوں وصحیفوں اسی طرح اپنے برگزیدہ بندوں کو پیدا فرما کر ان ظلمات کے ختم کرنے کا سامان مہیا فرمایا ہے۔ اس دعوے کی سچائی پر پوری انسانی تاریخ گواہ ہے، کیونکہ اندھیرے پھیلتے نہیں ہیں بلکہ جب نور نہیں پھیلتا تو پھر اندھیرے اس کی جگہ لیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک ماچس کی تلی کا نور چہار جانب پھیلے ہوئے اندھیروں کو کافور کر دیتا ہے، اسی طرح جب بھی گرمی کی شدت نقطۂ عروج کو پہنچتی ہے تو باران رحمت کا نزول ہوتا ہے، اسی سنت جاریہ کے مطابق انسانیت کے مردہ قلوب واذھان کو زندگی وتابندگی ملتی رہی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے بعد چونکہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور دین مقدس اور شریعت مطہرہ کی تکمیل ہو چکی ہے اس لئے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم الانبیاء والمرسلین بنا کر یہ اعلان کر دیا گیا کہ اب تک جو اصلاح وتزکیہ نفوس کا اور فتنہ و فساد ختم کرنے کا کام اللہ تعالیٰ وقفے وقفے سے انبیاء علیہم الاسلام کو مبعوث فرما کر کرتے تھے اب وہی سارے کام، جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی امت کو نوازنے کے لئے امت محمدیہ کے افراد خاص کر وارثان انبیاء یعنی علمائے کرام، صلحائے عظام، مجددین امت اپنے اپنے وقت اور زمانے اسی طرح اپنے اپنے گرد وپیش کے ماحول کو سامنے رکھ کر نہ صرف انجام دیں گے، بلکہ اس کے مقابلے میں جو ایذائیں پہنچیں گی ان کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے اور خود بھی صبر کریں گے اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرتے رہیں گے، جیسا کہ انبیاء کرام تخلیق آدم علیہ اسلام سے لے کر جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت مبارکہ تک کرتے آئے ہیں۔ لیکن یہ کام وہی انجام دے سکیں گے جن کے بھاگ جاگے ہوں، اور جن میں اعلیٰ درجے کی قوت برداشت ہوگی۔ ارشاد عالی ہے:

﴿ومایلقها الا الذین صبروا، وما یلقها الا ذو حظ عظیم﴾ (سورۃ فصلت: ۳۹)

ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس شریعت کو فتنہ پردازوں کے فتنوں سے، مبتدعین کی بدعتوں اور شکوک وشبہات اور تلبسات پیدا کرنے والوں کی تلبسات سے محفوظ رکھیں، مزید برآں افکار و خیالات کی بے اعتدالی، عقیدہ کا فساد اور رہ ورسم کی بندشوں سے اور دل دماغ میں پیدا ہونے والے گمراہ کن خیالات کو نبوی طریقہ پر اس طرح دور کریں کہ وہی دل دماغ، بصیرت افروز نگاہ اور نظر ثاقب اور رشد وھدایت کا منبع فیاض جائیں۔ان ہی عظیم ترین حضرات اور بزرگ ہستیوں کو تاریخ اسلام میں مصلحین، مجددین اور وارثین نبوت کہا جاتا ہے جن کے متعلق حدیث میں آیا:

''إنَّ اللهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الأمة عَلَىّ رأسِ كُلِّ مأة سنةٍ مَنْ يُجدِّدُ لها دِيْنَهَا'' (رواه أبوداؤد)

کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر سو سال کے سرے پر ایسے بندے پیدا کرے گا جو دین کی تجدید کرتے رہیں گے۔ان ہی مقدس ہستیوں کے بارے میں ایک جگہ حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''تکمیل انسانیت کے لئے اللہ رب العزت کا وہ فطری نظام کہ جو تدریجی رفتار سے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام کے مقدس واسطوں سے آتا رہا اور انسان کی ترقی پذیر فطرت کے ساتھ مراحل ارتقا طے کرتا رہا ہے، یہاں تک کہ خاتم الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نبوت کے ساتھ انسانیت نے بھی علمی فکری اور عملی ترقی کے جملہ مراحل طے کر لئے اور اب وہ اس قابل ہوگئی تھی کہ تکمیل انسانیت کے تمام جز وکل پر محیط اس نظام کامل کا تحمل کر سکے کہ جس کا بے نہایت سرچشمۂ علم صرف ''قرآن کریم'' ہے اور منبع فکر وعمل صرف سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جس کے حتمی معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم سے تعلق میں اضمحلال کا نتیجہ فقدان علم ہے۔اور سنت رسول اللہ سے ارتباط میں ضعف وکمزوری کا ثمرہ فکر سلیم اور علم صالح سے محرومی کے سوا کچھ نہیں ہے۔اس لئے ختم نبوت کے عقلی اور فطری تقاضے کے مطابق بلا فصل ہر دور میں عاملین علوم قرآن اور عاملین سنت رسول اللہ کی معتد بہ تعداد سے ہمیشہ باقی رہنے والی یہ امت محمدیہ نہ ماضی میں کبھی محروم رہی اور نہ انشاء اللہ مستقبل میں کبھی محروم ہوگی۔اس لئے بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ ملت اسلامیہ کا سب سے قیمتی سرمایہ ''درحقیقت یہی سراپا علم وعمل شخصیات ہیں کہ جو عملاً کتاب وسنت کی علمی مرادات کی صحیح ترجمان بنتی رہی ہیں۔''[1]

حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ کے مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ امت اسلامیہ میں امت مسلمہ کا منصور من اللہ طبقہ ہمیشہ رہا اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا، انشاء اللہ العزیز۔

[1] خطبات خطیب الاسلام، جلد اول صفحہ ۱۴۵۔۱۴۶

حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ بھی اس طائفہ منصورہ کی ان عظیم ترین مقدس اور بزرگ ہستیوں میں سے ہیں جن کو تاریخ اسلام میں مصلحین وورثین نبوت کہا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک عظیم مفکر، عظیم داعی، عظیم خطیب، عظیم انسان تھے، ان کی عظمت نسبی بھی تھی اور ذاتی بھی۔ ان میں اعتدال، توازن، توسع، کشادگی وکشادہ نظری، وزہد وتقوع و پاکبازی و نیک نیتی، سنت نبوی کا اتباع، تواضع ونرم خوئی، خوش گفتاری، سنجیدگی، خوش خلقی، وملنساری، منکر المزاجی کے ساتھ ساتھ کریمانہ اخلاق، مؤمنانہ اوصاف، دلبرانہ گفتار، ظریفانہ مزاج اور قلندرانہ شان کا ایک حسین مرقع اور وارثین انبیاء کا ایک مثالی کردار تھا۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک سنت الٰہیہ اس کائنات میں جاری ہے کہ رب کریم نے موت کے بلا استثنا قانون ہی میں بقائے انسانیت کے لئے یہ سامان بھی یہاں فرما دیا ہے کہ اس عالم فانی میں ہر آنے والا ان تمام صلاحیتوں سے بھر پور بہرہ مند کر کے بھیجا جاتا ہے جو اس کے اپنے دور حیات ہی کے لئے سب سے زیادہ موزوں، نافع اور مفید ہوتی ہیں۔ اس سنت الٰہیہ کے مطابق رخصت ہونے والی شخصیت کا رنج والم اپنی تمام تر شدتوں کے باوجود زیادہ ان کی ذات وخدمات سے انس واستفادہ کی وابستگی کے ختم ہو جانے کا ہوتا ہے، مگر حق تعالیٰ شانہ وقت کی تبدیلی سے پیدا شدہ حالات کی کمی کو کسی دوسری شخصیت کو معرض وجود میں لا کر پوری فرما دیتے ہیں اور اسی اعتبار سے اللہ رب العزت انسانی قلوب میں یہ بات راسخ فرما دیتے ہیں کہ اس دور کے لئے کسی ایسے ہی جدید صلاحیتوں کی حامل شخصیت کی انسانیت ضرورت مند تھی، خود حضرت خطیب الاسلام فرماتے ہیں:

''اور اس کے نتیجے میں (یعنی پیدا شدہ نئے تقاضوں کی تکمیل، نئی شخصیت کی نجی صلاحیتوں کے ذریعہ رب کائنات پوری فرما کر انسانی قلوب میں یہ رسوخ پیدا فرما دیتے ہیں کہ اس زمانے میں ایسی ہی شخصیت کی امت کو ضرورت تھی) جانے والی شخصیت کی خدمات کی قدردانی کے شعور کے ساتھ نئے آنے والے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کامل، دانا اور فہیم افراد ملت کے قلوب میں راسخ ہو جاتا ہے، اور مستقبل سے ناامیدی کے اندھیرے امید کی روشنیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور پھر یہ روشنیاں خواص امت سے وابستہ عوام کے لئے یاس وناامیدی سے حفاظت کا ذریعہ بن کر ان میں حوصلوں اور امنگوں کی تخلیق کا وسیلہ بن جاتی ہیں۔ اس کے برخلاف خواص سے ناوابستہ وہ طبقات کہ جو نئے آنے والے کی جانچ کا معیار، جانے والے کے افکار واعمال کو قرار دیتے ہیں، جن سے نئ

شخصیت کی قدرتی عدم مطابقت کو دیکھ کر خود بھی یاس و ناامیدی سے دوچار ہوجاتے ہیں، اور اپنے ہمنواؤں کو بھی اس سے دوچار کردیتے ہیں، جس کو انسانیت پر ظلم عظیم کے علاوہ کوئی دوسرا عنوان نہیں دیا جاسکتا، اس لئے اس غیر فطری طریقہ کے برخلاف کسی برگزیدہ شخصیت کی برگزیدگی وعظمت کو ناپنے اور جانچنے کے لئے کمال علم، کمال عمل اور کمال اخلاق کے علاوہ نہ کوئی معقول ومستند مزید معیار ہے اور نہ ہوسکتا ہے''۔[۱]

مذکورہ بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین فطرت ''اسلام'' اپنے عالمگیر نظام کے تحت۔ ان معاییر کی عظمت واہمیت کو عظیم تر بنادیتا ہے کہ کسی بھی فرد بشر کے بارے میں دعوی برگزیدگی اگر سامنے آئے تو اس کو ان مذکورہ بالا معقول ومنقول معاییر پر، ماوتو کے امتیاز کے بغیر جانچنے پرکھنے کا حق، ہر انسان کو ہے۔ پھر ان مذکوہ معیاروں پر کھرا اترنے والی شخصیات کو عزت واحترام کے ناقابل فراموش مقام پر فائز قرار دیا جاتا ہے۔

حضور سرور کائنات ﷺ کے قرن مبارک سے لے کر علم وعمل، حسن اخلاق اور دعوتی عالمگیر، ذہن اور مزاج رکھنے والی شخصیات اور عنداللہ وعندالناس مقبولیت عامہ وتامہ کے لئے منزل من اللہ معاییر پر کھرے اترنے والے افراد اس امت محمدیہ (علی صاحبہا ألف ألف تحیۃ وسلام) میں ہر دور میں آتے رہے، اور زمانے ووقت کے لحاظ سے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ مکمل کیے ہوئے دین قیم ودین برحق کے قرآنی اصولوں کو اتباع نبوی ﷺ کی مکمل رورعایت کے ساتھ واضح اور منقح کرتے رہے، اور اپنے اعلیٰ ترین کرداروں، ریاضتوں، مجاہدوں، الوالعزمی اور صبر استقامت سے دین اسلام کا ہر زمانے میں قابل عمل ہونا نمایاں کرتے رہے، اور ان کی پاکیزہ ومقدس زندگیوں، جہد مسلسل اور سخت سے سخت حالات میں ثبات علی الحق کے نمونوں کو دیکھ کر لاکھوں لاکھ بندگان خدا صراط مستقیم پر چل کر کامیابیاں حاصل کرچکے ہیں اور کرر ہے ہیں، اور کرتے رہیں گے۔

امت کے ان افراد کی مبارک زندگیاں حضور اکرم ﷺ کے نور نبوت سے فیض حاصل کرتی رہی ہیں اور ان پر حضور ﷺ کی زندگی کے اسرار حسب استطاعت کھلتے رہے، یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے رنگ جداگانہ ہیں، کوئی کسی نبوی رنگ میں ظاہر ہوتا ہے اور کوئی کسی نبوی رنگ میں علامہ بوصیری اپنے مشہور زمانہ قصیدہ بردہ میں کہتے ہیں:

[۱] خطبات خطیب الاسلام ج۱، ص۴۲۰۔

وكـلـهـم مـن رسـول الـلـه مـلـتـمـس
غـرفـا مـن الـبـحـر أو رشـفـا مـن الـديـم
وواقـفـون لـديـه عـنـد حـدهـم
مـن نـقـطـة الـعـلـم أو مـن شـكـلـة الـحـكـم

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو تمام کے تمام عدول ہیں، اور مینارۂ نور ہیں، کیونکہ آفتاب رسالت کی کرنیں ان کے صاف وشفاف قلوب پر پڑی ہیں، تو ان کے قلوب ایسے جگمگائے کہ انہوں نے پورے عالم کو نور ہدایت اور نور نبوت سے روشن کر دیا، پھر ان کے قلوب مطہرہ کا عکس جن پر پڑا ان کے قلوب بھی حسب استطاعت منور ہوتے چلے گئے، امام حسن بصری، امام احمد بن حنبل، امام اوزاعی، شیخ عبدالقادر جیلانی، امام غزالی، شاہ ولی اللہ دہلوی، حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا تھانوی، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہم اللہ وہ حضرات ہیں کہ جن کا فیض پورے عالم میں پھیلا اور پھیل رہا ہے۔

الحمد للہ ایسے افراد ہر زمانے میں آتے رہے اور آتے رہیں گے، لیکن چودہ صدیوں پر محیط عظیم الشان اسلامی تاریخ مجید میں کچھ خاندان ایسے بھی آئے ہیں، کہ جن کے یہاں سلسلۂ رشد وہدایت نسلا بعد نسل چلا آرہا ہے، اور یکے بعد دیگرے عبقری شخصیات، ایک سے بڑھ کر ایک اصحاب علم و فضل کئی کئی پشتوں تک آتے رہے، اور رسول اللہ ﷺ کے عالمینی پیغام کو دنیا تک پہنچانے، علوم نبویہ کو منقح اور واضح کرنے میں کارہائے نمایاں انجام دیتے رہتے ہیں، اور ان کو اوران کے لازوال علمی ودعوتی اور دینی کارناموں کو امت میں تلقی بالقبول حاصل ہوا، ان علمی ودینی خاندانوں میں مثال کے طور پر ابن مندہ خاندان، سبکی خاندان، ہمارے ملک ہندوستان میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان، اور پھر حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا خانوادہ جو امت مین اور اہل علم کے حلقوں میں خانوادۂ قاسمی کے مبارک نام سے متعارف ہے، خانوادۂ قاسمی کے سرخیل حجۃ الاسلام الامام الاکبر محمد قاسم النانوتویؒ، بانی دارالعلوم دیوبند نے اسلامی تاریخ کے جس نازک موڑ پر امت کی دست گیری فرمائی ہے وہ وعالم اسلام میں کسی ذی ہوش سے مخفی نہیں اور برصغیر میں زبان زد خاص و عام ہے کہ ان کی حیات مبارکہ اور دعوت اسلام کے لئے کارہائے نمایاں ﴿إن ابراهيم كان أمة قانتا لله حنيفا﴾ (سورۃ النحل: ۱۲۰) کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کا عالمینی فیض جہاں ان کی عنداللہ وعندالناس مقبولیت پر شاہد عدل ہے، وہیں اس علمی ودعوتی ودینی سلسلے کے ان کے صلبی اولاد میں مسلسل انتقال اور تواتر کے ساتھ جاری رہنے کو بھی عنداللہ مقبولت عامہ وتامہ کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے، کہ الحمد للہ وہی علمی ودعوتی ودینی سلسلہ، جذبہ نافعیت چھٹی صلبی پشت میں اسی آب وتاب کے ساتھ جاری وساری ہے۔ اللہم زد فزد، کہ حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ کے بعد ان کے صاحبزادہ گرامی جناب مولانا حافظ احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد گرامی کی عالمینی دعوتی فکر کو عام کرنے اور دارالعلوم کو شاہ ولی اللہی نہج پر ترقی دینے میں اپنی زندگی صرف فرمادی، پھر ان کے بعد ان کے عظیم الشان، صاحب علم وفضل صاحبزادے حضرت حکیم الاسلام نے فکر نانوتوی کی ایسی دلنشین ترجمانی فرمائی کہ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد دارالعلوم دیوبند پورے برصغیر کے مسلمانوں کے لئے علمی اور دعوتی قبلہ کی حیثیت اختیار کر گیا، اور امت اسلامیہ ہندیہ نے اس کو دینی راہ نمائی کے لئے بطور مرکز تسلیم کیا۔ ان کے بعد ان کی قائم مقامی وجانشینی کا شرف حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ کے حصے میں آیا، جنہوں نے فکر قاسمی کے مطابق دینی، علمی اور بے شمار دعوتی کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کی عالمی پیمانے پر مقبولیت، محض شہرت ونسبی شرافت اور خاندان قاسمی کے ایک فرد فرید ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ الحمد للہ یہ تفضیل اور امتیاز ''کمال علم''، ''کمال عمل'' اور ''کمال اخلاق'' کے اصول ثلاثہ پر مبنی ہے۔

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے عالمی سطح پر ''کمال علم'' کے اولین معیار پر پورا اترنے کے بارے میں تمام اسلامی مکاتب فکر کے ارباب علم نہ صرف متفق الرائے ہی ہیں بلکہ حضرت کے علمی تبحر کے معترف بھی ہیں۔ آپ کے تبحر علمی کے قائل اور معترف ذمہ داران مدارس اور ایک مخصوص علماء ہی کا طبقہ نہیں بلکہ دانشوران قوم وملت میں بھی یہ بات زبان زد ہے کہ حضرت جس مجلس میں موجود ہوتے اس علمی مجلس کا سہرہ آپ ہی کے سر بندھتا۔ بقول شاعر:

عزت و اکرام سے اسٹیج پر آتے تھے وہ
ہوتے تھے علمی مجالس کے وہی تو سر براہ
بندۂ مؤمن تھے سچے خوبیوں سے متصف
ان کی شخصیت کے تھے اپنے پرائے معترف

حضرت کے علمی تبحر کے سلسلہ میں آپ ہی کے ہمعصر مفسر قرآن حضرت مولانا سید اخلاق حسین قاسمیؒ "خطبات خطیب الاسلام" کی تقریظ میں تحریر فرماتے ہیں: "مولانا (خطیب الاسلام) موصوف نے عربی نصاب قدیم کے مسئلہ پر نئی دہلی کے ایک مشترک اجتماع میں جو نہایت معتدل اور معقول تقریر کی اور درس نظامی کے اندر ترمیم کے حامی جدید دانش ور حضرات کے شبہات کا معقول جواب دیا وہ ہم سب شرکاء قدیم علوم کے لئے باعث اطمینان ومسرت ثابت ہوا۔ یہ اجتماع جناب محمد یونس سلیم نے دہلی میں طلب کیا تھا جب وہ بہار کے گورنر تھے۔ مولانا کی تقریر کے بعد پھر ہم شرکاء (اخلاق حسین قاسمی قاضی مجاہد الاسلام مرحوم، مفتی عبدالرحمان صاحب وغیرہ) نے مولانا کے بیان کی تائید کرنے پر اکتفا کیا"۔[1]

مذکورہ بلا اقتباس سے معلوم ہوا کہ حضرت جس علمی مجلس میں تشریف فرما ہوتے اس مجلس کا سہرہ حضرت ہی کے سر بندھتا اور حضرت کی گفتگو علماء اور دانشوران قوم ملت کے لئے حرف آخر کا درجہ رکھتی۔

ایسے ہی حضرت خطیب الاسلام کے یہاں کمال علم کے ساتھ کمال عمل پر خود حضرت کی اتباع سنت پر مبنی زندگی، جذبۂ نافعیت اور حضرت کی زندگی کا لمحہ لمحہ شاھد ہے کہ اخلاص عمل للّٰہیت وتقویٰ حضرت کا مزاج جذبہ نافعیت سے سرشار، شر کی جگہوں پر سے خیر نکالنے کی عادت، اپنی زبان، اپنی آنکھ اور کان کی حفاظت اور ان کا غلط استعمال سے اجتناب یہ وہ باتیں ہیں جو آپ کے کمال عمل پر شاھد ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ حضرت کے مزاج میں جو انتظام اور نظم وضبط تھا وہ شرعی اصولوں کی روشنی میں تھا جس کا مطلب ہے کہ اصل مقصود شریعت کی پیروی تھی۔

تیسرا اصول کمال علم، کمال عمل کے ساتھ کمال اخلاق ہے۔ کمال اخلاق کے معیار پر حضرت کی ذات گرامی تک ھر کس وناکس کی بے تکلف رسائی اور اپنے اپنے مقصد ومدعا میں ہر ایک کو کامیاب کرنے کی اسی جدو جہد کو ہر آنے والا یہ سمجھ کر رخصت ہوتا تھا کہ حضرت میرے لئے اپنے تمام اوقات اور تمام تر کوششوں کو صرف فرما کر مجھے کامیابی سے سرفراز کرنے کے لئے کوشاں ہیں، اسی طرح ہر ایک کے جذبات کا احترام حضرت کے کمال اخلاق کی دلیل ہے۔

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت خطیب الاسلام کو اپنے چشمۂ فیضان سے جو محاسن عطا فرمائے تھے ان کے ہوتے ہوئے کسی شخص کا خود بین وخود پسند بن جانا ایک معمولی بات ہے، مگر ایک صاحب

[1] خطبات خطیب الاسلام تقریظ مولانا اخلاق حسین قاسمی۔ ۱۷۔۱۸

کمال (کمال علم، کمال عمل اور کمال اخلاق کا حامل) کا سب سے بڑا کمال ہی یہ ہوتا ہے کہ اسے جتنی عزت وسرفرازی نصیب ہوتی ہے اس میں اتنی ہی تواضع وفروتنی بڑھتی چلی جاتی۔ اسے جتنا علوم مرتبت وبلند مقام حاصل ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو خوف وخشیت کی وجہ سے اتنی ہی سرافگندگی پر مجبور پاتا ہے، چنانچہ حضرت خطیب الاسلام ایک جگہ تقریر کے آغاز میں تمہیداً گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''میرا کمال ہی یہ ہے کہ مجھ میں کوئی کمال نہیں ہے۔''

علم وعمل اور حسن خلق، ان تینوں کے مجموعے کو اگر مجسم ومشکل کر کے ایک حسین اور مزین تصویر بنائی جائے تو اس زمانے کے صاحب علم وفضل باعمل وبااخلاق انسان کے ذہن میں جو سراپا ابھر کر آئے گا وہ حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ ہی کا سراپا ابھر کر آئے گا۔

بہر حال حضرت خطیب الاسلام تمام اہل علم وفضل اور تمام ہی مکاتب فکر کے درمیان ایک مسلمہ اور معترف بہا شخصیت کے مالک تھے جن پر درگاہ حق سے نسبا ونسبۃ علوم ومعارف کے دروازے کھولے گئے تھے۔

عاجز نے حضرت ہی کی زندگی میں حضرت سے اجازت لے کر سوانح حیات اس خیال سے مرتب کرنا شروع کی تھی کہ سوانحی ادب صاحب سوانح ہی کی زندگی میں لکھا جائے تو تشفی بخش بھی ہوتا ہے اور مواد کی ضحالت سے بھی محفوظ رہتا ہے، اور کسی حد تک لکھنے والا شخصیت کے خدوخال کو واضح کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔، اور ہر بات رتبہ استناد کو پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے حضرت کی سوانح کا آغاز زندگی ہی میں کر دیا تھا، کتاب کا خطہ تیار کر کے حضرت کے سامنے پیش کیا، حضرت نے اس خطہ کو دیکھا اور اظہار اطمینان فرما کر اظہار خوشی بھی فرمایا۔ سوانح مرتب کرنے کے لئے اور آپ کی حیات مبارکہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضری کا شرف بار بار ملتا رہا اور حسب ضرورت حضرت کے حالات زندگی کی بابت حضرت ہی سے معلومات کرتا رہا، جس کی وجہ سے حضرت کے وصال کے بعد مواد کی اس ضحالت کا سامنا نہیں کرنا پڑا جو عموماً سوانح نگاروں کو صاحب سوانح کی وفات کے بعد کرنا پڑتا ہے۔

اس کے باوجود حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت اس قدر جامع اور ہمہ گیر ہے کہ جس پہلو پر بھی لکھا گیا اس میں احساس تشنگی باقی رہا۔ مثال کے طور پر حضرت کے ''دعوتی اسفار''، قیام دارالعلوم وقف دیوبند وغیرہ ایسے موضوعات ہیں جن پر مستقل کتابیں درکار ہیں، اس لئے کہ ہر سفر میں حضرت

کے اس قدر متنوع دینی ودعوتی تجربات ہیں کہ اگر ان کو قلمبند کر دیا جائے تو بہت سارے علوم اور بے شمار دعوتی تجربات کا گنج ہائے گراں مایہ مل جائے اور نہ جانے کتنے لوگوں کی زندگیوں میں چراغ روشن ہو جائیں۔

حضرت خطیب الاسلام کی سوانح کا آغاز اس امید پر کیا تھا کہ یہ کتاب حضرت کی زندگی ہی میں شائع ہو جائے گی مگر یہ عالم آرزوئیں، تمنائیں اور تمام خواہشات کے پوری ہونے کی جا نہیں ہے، بقول ایک عربی شاعر:

ما كل ما يتمنى المرء يدركه
تجري الرياح بما لا تشتهي السفن

میری یہ آرزو پوری نہ ہو سکی اور اس سے قبل ہی حضرت خطیب الاسلام کا وقت موعود آ پہنچا۔

﴿إذا جاء اجلهم لايستاخرون ساعة ولايستقدمون﴾(سورۃ الاعراف: ۳۴)،

اس سوانح میں اپنی بساط بھر کوشش کے باوجود حضرت کی حیات مبارکہ کے بے شمار گوشے ابھی ایسے باقی ہیں جن کا تذکرہ نہیں ہو سکا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہمہ گیر اور موسوعی تھی، بہت سی باتوں کا خود صاحب تالیف تذکرہ نہیں کر پاتا اور ایسی موسوعی شخصیت کے بہت سارے گوشے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا مؤلف اور سوانح لکھنے والوں کو ادراک نہیں ہوتا، اور ہزاروں واقعات ایسے ہوتے ہیں جو معلوم نہیں ہو پاتے کیونکہ جہاں بھی حضرت تشریف لے گئے ہر جگہ اور ہر مقام کے انفرادی واجتماعی الگ الگ تجربات ہیں، برصغیر کے جو بھی مشہور شہر اور قصبات حتی کہ گاؤں دیہات میں ان میں حضرت اصلاح معاشرہ دعوت دین اور تعلیمی مراکز کے قیام کے لئے تشریف لے گئے اس لئے ہر شہر اور قصبہ کے لوگوں کی الگ الگ یادیں حضرت کی حیات مبارکہ سے وابستہ ہیں، ہندوستان کے بڑے بڑے دینی وعصری اداروں کے سابق وموجودہ ذمہ داران کی حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی ذات بابرکات سے الگ الگ یادیں اور داستانیں ہیں، ان تمام جگہوں پر آپ نے علم کے جو موتی بکھیرے ہیں جن کا اگر احاطہ کیا جائے تو اہم تجربات، بے شمار معلومات اور مختلف قسم کے علوم کا خزانہ سامنے آئے گا۔ میری گذارش ہے ان سبھی حضرات سے کہ جن کے پاس حضرت کے متعلق اہم معلومات، تجربات ہوں تو وہ حجۃ الاسلام اکیڈمی کو بطور علمی امانت ارسال فرما دیں تا کہ

کتاب کے اگلے ایڈیشنوں میں شامل کیا جاسکے۔ بہر حال، سوانحی ادب اس لئے لکھا جاتا ہے تاکہ آئندہ آنے والے لوگ اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقف ہوں، اور ان کے کارناموں کی روشنی میں اپنے لئے اعلائے کلمۃ الحق کے کام کرنے کا لائحہ عمل تیار کرسکیں۔ اسی طرح سوانحی ادب کی غرض وغایت یہ بھی ہوتی ہے کہ کسی بھی صاحب سوانح کا تذکرہ کرنے سے اس پورے عہد کا بھی مقدور بھر تذکرہ ہوجاتا ہے، اور ضمناً بہت ساری شخصیات کا تذکرہ بھی ہوجاتا ہے۔ لیکن حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت کے تذکرے سے نہ صرف مذکورہ بالا فائدے حاصل ہوئے ہیں، بلکہ نوجوان علمائے کرام کے لئے ولی اللہی فکر اور حکمت قاسمیہ کو سمجھنے اور ان کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے اس کامیاب تجربہ کے مطابق ہندوستان میں خصوصا اور تمام عالم میں اعلائے کلمۃ الحق، دعوت دین، تعلیم وتربیت، تدریس ومعلمیت، نفاذ شریعت مطہرہ، حفاظت دین، دفاع عن الحق، دینی وتعلیمی مراکز کے قیام اور مشکل ترین حالات میں اپنے موقف پر ثبات، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کے میدانوں میں کام کرنے کی راہیں وا ہوتی ہیں۔

حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ کی سوانح دو جلدوں پر مشتمل ہے، جن میں سات ابواب ہیں۔ جلد اول میں چار ابواب جبکہ جلد دوم میں تین ابواب ہیں، جن کی تفصیلات کچھ اس طرح ہیں۔

باب اول میں حضرت کے خاندان، وطن اصلی نانوتہ، وطن مالوف دیوبند، ولادت، ابتدائی حالات، ابتدائی تعلیم، اعلیٰ تعلیم کا حصول، حضرت تھانوی سے شرف تلمذ، حضرت کی عبقری وموسوعی شخصیت میں کارفرما عوامل واسباب کا تفصیلی بیان ہے۔

دوسرے باب میں تقسیم ہند کے پرآشوب حالات اور خانوادۂ قاسمی پر اس کے اثرات، دارالعلوم میں منصب تدریس پر فائز، تدریسی خصوصیات، حضرت کے ہم عصر علمائے کرام اور نامور تلامذہ کا تذکرہ ہے۔

باب سوم حضرت کی خانگی زندگی، صاحبزادگان، برادران، خواہران اور حضرت کے اعلیٰ امتیازی اوصاف کا تذکرہ ہے اسی طرح حضرت کے خدام اور رفقائے سفر کا بھی تذکرہ ہے۔

باب چہارم میں حضرت کے شیوخ، اصلاحی تعلق، اصلاحی خدمات، تزکیہ نفس اور خلفائے کرام کا تذکرہ ہے اور چند ملفوظات کا ذکر ہے۔

باب پنجم میں حسب استطاعت حضرت کے علمی، تعلیمی، تصنیفی، دعوتی، ادارجاتی اور اصلاحی کارناموں اوراعلائے کلمۃ الحق کے لئے مسلسل کوششوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

باب ششم میں احقر کے ساتھ حضرت کے چند یادگار لمحات، ایوارڈس اور سپاس نامے وغیرہ، علالت اور آخری ایام اور پھر وصال کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔

باب ہفتم میں وہ منظوم ومنثور تعزیت نامے دیے گئے ہیں جو حضرت کے انتقال پر مختلف ملی، سماجی، علمی، دینی اور سیاسی جماعتوں کی طرف سے موصول ہوئے۔

اس سوانح کی تالیف میں حضرت کے ان بہت سے تلامذہ نے میرا بڑا علمی تعاون فرمایا جن سے میری ملاقات دعوتی اسفار کے درمیان ہوئی۔ جنہوں نے حضرت کے تدریس کے انداز، حضرت کا مزاج اور آپ کی مختلف علوم سے طبعی مناسبت، آپ کے یہاں وقت کی پابندی، آپ کے حلم وتواضع کی وجہ سے تشنگان علوم نبوت کو استفادہ میں آسانی اور اپنے سے مستفیدین کے لئے غایت درجہ خیر خواہی جیسی صفات کا تذکرہ کیا ہے، یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس کتاب میں قدم بقدم مرحلہ بمرحلہ جانشین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند نے میری نہ صرف غایت درجہ وقتاً فوقتاً حوصلہ افزائی بلکہ اپنی مخصوص دعاؤں سے نوازا۔ اس ناچیز نے آپ سے حضرت کے متعلق جو بھی معلوم کیا بڑی خندہ پیشانی سے مواد کی فراہمی کا انتظام فرمایا۔

ماہ شعبان ۱۴۳۹ھ میں راقم بھائی جان کی معیت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوانح خطیب الاسلام پر ''مقدمہ'' لکھنے کی درخواست کی تو میری اس درخواست کا حد درجہ خیال فرما کر بڑی خندہ پیشانی سے قبول فرمالیا اور پھر حسب وعدہ اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس سوانح پر ایک وقیع وعلمی مقدمہ تحریر فرمایا۔ فجزاه الله عنا أحسن الجزاء.

اس ''سوانح'' کی تالیف میں عزیزم ڈاکٹر مولانا محمد شکیب قاسمی صاحب استاذ دارالعلوم وقف دیوبند، روح روان وڈائرکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی نے نہ صرف اپنے علمی وقیمتی مشوروں سے ممنون فرمایا بلکہ مواد کی فراہمی کے ساتھ ساتھ اس کی نشر واشاعت کے لئے حجۃ الاسلام اکیڈمی کو زیر بار فرما کر کتاب کو عمدہ طباعت سے آراستہ فرمایا ان کی مسلسل شبانہ روز کی کوششوں ہی کا ثمرہ ہے کہ ''حجۃ الاسلام اکیڈمی'' گذشتہ پانچ سال کے انتہائی قلیل عرصہ میں تیز رفتاری سے اپنے علمی مقاصد کی طرف گامزن ہے اور جس مستعدی اور لگن اور شوق سے وہ اوران کے رفقائے کار دینی، تعلیمی، دعوتی

اور اصلاحی کاموں میں مصروف ہیں وہ اکیڈمی کے روشن مستقبل کی غماز ہے، ان کی دن ورات محنت شوق اور لگن کو دیکھ کر ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب سابق صدر جمہوریۂ ہند کا ایک مقولہ راقم کو یاد آتا ہے، وہ فرماتے تھے:

''ادارے وسائل کی کثرت اور سرمائے کی فراہمی سے نہیں بنتے بلکہ ادارے ارمانوں سے بنتے ہیں، اور جب ارمان ختم ہوجاتے ہیں تو عمارتیں کھنڈرات میں تبدیل ہوجایا کرتی ہیں۔''

اس طرح ناسپاسی ہوگی اگر میں خانوادہ قاسمی کے بڑے اور روایات کے امین محترم جناب ماموں اعظم قاسمی صاحب پروفیسر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ وصاحبزادہ حضرت حکیم الاسلام کا تذکرہ نہ کروں، جنہوں نے حضرت خطیب الاسلام کے تعلق سے راقم کو وہ مواد فراہم کیا جو صرف وہی فراہم کرسکتے تھے، اب شاید ہمارے پاس ان کے علاوہ حضرت خطیب الاسلام کی ابتدائی حیات سے متعلق اتنا مستند ذریعہ نہیں جو ہم سب کو حضرت کے بچپن، زمانہ طالبعلمی اور فراغت کے بعد ایام تدریس اور ان کے گھریلو معاملات اور معمولات کے بارے میں تفصیلات بتا سکے، اللہ رب العزت ان کے سائے کو ہمارے سروں پر قائم رکھے اور زندگی میں برکت عطا فرما کر عمر مدید عطا فرمائے۔

اسی طرح خانوادۂ قاسمی کے تمام ہی افراد کا ممنون ومشکور ہوں۔ خاص طور پر محترم جناب عدنان قاسمی صاحب، محترم جناب حافظ عاصم قاسمی صاحب دامت برکاتہم کہ انہوں نے موقع بموقعہ مواد کی فراہمی میں علمی تعاون فرما کر حوصلہ افزائی فرمائی، میں نے درخواست کی حضرت کی صاحبزادی محترمہ عظمیٰ ناھید قاسمی صاحبہ سے اور حضرت خطیب الاسلام کی ہمشیرزادی محترمہ شہناز کنول صاحبہ سے کہ حضرت کے متعلق اپنے تاثرات تحریر فرمادیں اس عاجز کی درخواست پر انہوں نے بھی اپنے اپنے تأثرات قلمبند فرما کر ارسال فرمائے جن سے حضرت کی زندگی کے بڑے اہم پہلو سامنے آئے۔

میں مشکور ہوں برادر مکرم میرے بھائی جان جناب مولانا محمد اویس صدیقی نانوتوی، استاذ شعبہ تعلیم وتربیت جامعہ ملیہ اسلامیہ کا جنہوں نے حضرت کی سوانح میں اپنا بھرپور علمی تعاون فرمایا اور مفید ترین مشوروں سے نوازا۔ ان حضرات کے علاوہ میں اپنے مخدوم مکرم محترم جناب حضرت مولانا شاھد صاحب مدظلہ العالی خادم خاص حضرت خطیب الاسلام رحمتہ اللہ علیہ کا بھی بہت مشکور ہوں جنہوں

نے حضرت ہی کی زندگی سے میرا قدم بقدم موقعہ بموقعہ علمی تعاون فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرما کر ان کے لئے دنیاوی واخروی کامیابیوں کا ذریعہ بنائے۔

میں اپنے درسی ساتھی محترم جناب مولانا صغیر صاحب، شعبۂ تعلیمات دارالعلوم دیوبند کا بھی ممنوں ہوں کہ انہوں نے حضرت کے تعلیمی ریکارڈ کے سلسلہ میں میرا علمی تعاون فرمایا۔ اسی طرح میں محترم جناب حافظ اقبال صاحب، خلیفہ ومجاز حضرت خطیب الاسلام ورکن مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند کا بھی بیحد مشکور ہوں جنہوں نے حضرت تعلیمی ودعوتی اسفار کے متعلق بڑی اہم معلومات فراہم کیں، اور اس عاجز کی حوصلہ افزائی فرمائی، اللہ تعالیٰ ان سبھی حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اخیر میں میں عزیزم منصر سلمہ کے حق میں بارگاہ خداوندی میں دعا گو ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی ٹائپنگ میں بڑی محنت کی اور اس کتاب کو حضرت خطیب الاسلام کی نسبت سے اپنی سعادت سمجھ کر تمام مراحل کو بحسن وخوبی پورا فرمایا جگہ جگہ مواد سے متعلق مفید مشورے بھی دئے۔ اللہ رب العزت عزیزم سلمہ کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اور ان کے لئے دنیوی واخروی کامیابیوں وکامرانیوں کا ذریعہ بنائے۔

اس سوانح میں حضرت کے متعلق وہ باتیں واقعاتی یا معلوماتی شکل میں پیش کی گئیں جن تک میری رسائی مستند حوالوں کے ذریعہ ہوئی، باقی بہت سی باتیں حضرت کے تعلق سے تشنۂ بیاں ہیں۔ اگر ان معلومات تک میری رسائی مستند حوالوں سے ہوئی تو انشاء اللہ ان کو پھر قلمبند کرنے کا ارادہ ہے۔

مجھے کچھ اور ابھی اذنِ خوں فشانی دے
تیرا جمال بہت تشنہ بیاں ہے ابھی

حضرت خطیب الاسلام نے میرے ساتھ جس طرح ظاہری وباطنی طور پر شفقت کا معاملہ فرمایا، اس کا بدلہ تو حق تعالیٰ شانہ نے انشاء اللہ العظیم اپنے پاس جوار رحمت میں بلا کر رحمت خاصہ کی شکل میں عطا فرمایا ہوگا۔ اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ حضرت نے اپنے پیچھے علم وعمل کے جونقوش چھوڑے ہیں ہمیں بھی ان پر عمل کی توفیق ارزائی فرمادے، آمین

اخیر میں تمام احباب سے گزارش ہے کہ مجھ سے اس سوانح میں اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو تو معاف فرما کر اصلاح فرمادیں اور اس عاجز کو اس کی اطلاع ضرور فرمادیں۔

سپردم به تو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمدٍ وآلہٖ و صحبہٖ وازواجہٖ واھل بیتہٖ
وعلی من تبعھم باحسانٍ الیٰ یوم الدین

خاکپائے خدام دین
محمد اسامہ صدیقی
۲؍ذوالقعدہ۱۴۳۹ھ

باب اول

قال الله تعالیٰ:

﴿وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل الله علیک عظیما﴾

(سورة النساء)

قال رسول الله صلی اللّٰہ علیه وسلم:

”إذا کان یوم القیامة أمر اللّٰہ منادیا ینادی الا إنی جعلت نسبا وجعلتم نسبا فجعلت اکرمکم اتقاکم فأبیتم الا أن تقولوا فلان بن فلان خیر من فلان بن فلان، فالیوم أرفع نسبی وأضع نسبکم، أین المتقون.“

(رواه الطبرانی في الأوسط)

شعر

ان ہی کی جہد مسلسل پہ گامزن ہوں میں
رشید و قاسم و محمود کا چمن ہوں میں

باب اول کے مشمولات

☆ خاندان صدیقی نانوتہ
☆ حضرت خطیب الاسلام کی ولادت
☆ حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت سازی میں اہم ترین عوامل
☆ حضرت کی والدہ
☆ حضرت کے والد گرامی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
☆ آغاز تعلیم
☆ حفظ کلام اللہ
☆ اعلیٰ تعلیم کا حصول
☆ اساتذۂ کرام

خاندان صدیقی نانوتہ

برصغیر کے جن ممتاز علمی و دینی خانوادے کے تذکروں سے محفلیں گرم ہیں، اوران کے علمی، دینی، دعوتی اورعرفانی کمالات اورعلمی احسانات کے چرچے زبان زد اور ہر شخص ان کا ممنون کرم، گرویدہ اور دلدادہ نظرآتا ہے، ایسے بہت سے نمایاں، ممتاز اورسرفہرست خاندانوں میں نانوتہ ضلع سہارنپور کا صدیقی خاندان ہے جس کے ذریعے شمع رسالت برصغیر کے چپے چپے میں پھیلی اورعلوم نبویہ واخلاق نبوی ﷺ کی نشرواشاعت کے ذریعہ کفروجہالت اورضلالت وگمراہی کے اندھیرے اورتاریکیاں کافورہوگئیں، برصغیر میں بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جواس خاندان سے واقف نہ ہوں، اوردنیا کا کوئی کونہ ایساباقی نہ رہاہوگا جہاں اس کے باکمال خداترس بزرگوں کا فیض نہ پہنچاہو۔ نانوتہ کا یہ خاندان صدیقی اپنے ہندوستان آنے سے قبل بھی علم وعمل کی دنیامیں اپنی علمی ودینی وقیع خدمات اوردعوتی شخصیات کی وجہ سے محترم رہاہےاورصدیق اکبررضی اللہ کےعہدمبارک سے لے کرہردور اورہرزمانے میں اس خاندان میں مسلسل علماءوصلحاءپیداہوتے رہے۔﴿ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء، واللّٰہ ذو الفضل العظیم﴾(سورۃ الحدید:۲۱)

بیاض یعقوبی، تذکرۂ مولانامحمداحسن نانوتوی، نسب نامہ صدیقیان نانوتہ اوردیگرمؤرخین کی تصریحات کے مطابق اس خاندان کے جو بزرگ سب سے پہلے ہندوستان تشریف لائے وہ شیخ مظہرالدین (ولادت ۸۰۵ھ) تھے، جن کے علم وفضل اورکمالات کی مقبولیت وشہرت سن کراس وقت کے بادشاہ وقت سکندرلودھی نے ان کو ہندوستان آنے کی دعوت دی۔[1] حکیم امیراحمدعشرتی نانوتوی کے بیان کے مطابق جناب قاضی مظہرالدین صاحب ۸۷۱ھ میں ہندوستان تشریف لائے اوران ہی کی شہادت کے مطابق آپ کا مستقراورمدفن جہاں آباد بنا، جواس زمانے کی حکومت کاپایۂ تخت تھا، اس خاندان کے جدامجداورمورث اعلی جوسب سے پہلےخراسان سے ہندوستان آئے وہ یہی قاضی مظہرالدین صاحب ہیں[2] خاندان صدیقی کے بارے میں مزیدکچھ لکھنے سے قبل یہ بات ذکر کردیناقرین قیاس ہے کہ مدارنجات نسب نہیں عمل صالح ہے، اگرمعیارکامرانی خاندان وقبیلہ ہوتاتو

---

[1] تذکرہ مولانامحمداحسن نانوتوی، ص:۱۵، مؤلفہ: محمدایوب صاحب قادری، نسب نامہ صدیقیان نانوتہ، ص:۲، مرتبہ مفتی محمود احمدصدیقی نانوتوی

[2] شجرہ خاندان صدیقی نانوتہ، مرتب محمداسامہ صدیقی نانوتوی، ص۳۱۔

دستار فضیلت اور شرف ابوجہل وابولہب کے حصے میں آتے ،لیکن تاریخ کے ترازو نے بلال حبشیؓ کے سر پر عظمت ورفعت کی دستار سجا کر اور ابوجہل وابولہب کے ناموں کو باعث عار بنا کر قیامت تک آنے والے لوگوں کو یہ بتلا دیا گیا کہ معیار شرف اور عزت صرف نسب نہیں ہے بلکہ معیار فضیلت احکام خداوندی کی بجا آوری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس خاندان کے بزرگوں نے نسب فروشی کی دکان آراستہ نہیں کی ،انہوں نے جو ہر ذاتی کو معیار شرف قرار دے کر اس کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دی اور اپنے دماغوں کو غرور نسب سے خالی رکھا،تاہم قرآنی آیت ﴿وَ جَعَلْنَا كُم شُعُوباًوَ قَبَائِلَ لِتَعَا رَفُوا﴾(سورۃ الحجرات:۱۳) کو سامنے رکھ کر ریکارڈ اور تاریخ کی درستگی کے لئے تاریخی روایات کے مطابق عرض ہے کہ:

اس خاندان صدیقی کے بزرگوں کی تاریخ اور ان کے روشن کارناموں کا جائزہ لینے سے بآسانی اس نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے کہ یہ خاندان صدیقی نانوتہ اپنے جدامجد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وقت سے لے کر آج تک گوناگوں صفات کا اور خصوصیات کا حامل رہا ہے،جن میں اخلاص وللّٰہیت،مجاہرہ بالحق،سنتوں سے شغف،بدعات سے طبعی تنفر،شجاعت وبہادری،حلال وحرام میں امتیاز،استقامت، تملق اور چاپلوسی سے دوری،دینی وایمانی حمیت،خودداری اور سادگی،تواضع وغیرہ جیسے عظیم اوصاف ان کا ہر زمانے اور ہر دور میں امتیاز رہے ہیں۔

اگر چہ اخیر کے بیس پچیس سالوں میں دینی تعلیم سے کنارہ کشی کی وجہ سے ان عظیم الشان قدروں میں کچھ نہ کچھ انحطاط بھی آیا ہے،اور نسل نو اردو نہ جاننے کی وجہ سے اسلاف کے کارناموں اور ان کی قربانیوں سے ناواقف بھی ہو گئی ہے،اللہ تعالیٰ اس خاندان صدیقی کو اپنے اسلاف کی حقیقی میراث کا حقیقی وارث بنا دے۔

خاندان صدیقی، نانوتہ جو ہمیشہ سے اپنے خاندانی نظام،اقدار وقیم اور اپنے آباء واجداد کی روایت کا امین رہا،اس کے بارے میں دوران سفر راقم الحروف (جو اس خاندان کا ایک فرد ہے) سے بہت سے لوگوں نے ایک سوال اکثر وبیشتر کیا، کہ آپکے خاندان کے فیض کو اللہ نے پورے عالم میں پہنچا دیا آخر اسکی کیا وجہ ہے؟ یعنی وہ کونسے ظاہری اسباب ہیں جن کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے اپنے دین کی خدمت کے لئے اس خاندان کو نسلاً بعد نسل قبول فرمایا ہے،ان سوالات کے بعد میں نے اپنے خاندان کے آباء واجداد کی صدیوں پر محیط تاریخ مجید کا از اول تا آخر منصفانہ بلکہ ناقدانہ مطالعہ

اور مشاہدہ کیا، پھر ان کے ساتھ رہ کر عملی تجربات سے گذرا، اس تاریخی تجزیہ، مطالعہ، مشاہدہ، اور تجربات کے بعد راقم کو اس خاندان کے افراد میں جو چیز قدرے مشترک ملی وہ انسانیت کے لئے ان کا جذبۂ نافعیت، سوز دروں، اور اخلاص وللّٰہیت سے سرشار ہونا ہے، جس کے نتیجہ میں اس خاندان کے افراد کو بعض مرتبہ دھوکے بھی کھانے پڑے، اس کے باوجود ان حضرات کے جذبہ اخلاص ونافعیت میں کسی طرح کی کوئی کمی نہ آئی، خطیب الاسلام کے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ نے اپنی نظم ''اسلام کی روانی'' میں گویا کہ خاندان صدیقی کے افراد کا مدینہ سے اشاعت اسلام کی خاطر نکلنے اور دنیا بھر میں تعلیمات اسلامی کو عام کرنے کا پورا نقشہ کھینچا ہے وہ اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

جہالت کی رسمیں مٹاتا ہوا
معارف کے ایواں اٹھاتا ہوا
اذانیں زمیں پر دلاتا ہوا
شیاطین کو دھکے لگاتا ہوا
معاصی کو آنکھیں دکھاتا ہوا
گناہوں کی گردن دباتا ہوا
وہ غیروں کو اپنا بناتا ہوا
لگن اک نئی سی لگاتا ہوا
چلا ارض بطحا سے اک بحر ذاخر
کہ تھا جس کی موجوں کا اول نہ آخر
وہ تو حید کی لے بجاتا ہوا
سرودِ حجازی میں گاتا ہوا
وہ جنگل میں منگل مناتا ہوا
وہ شہروں میں شادی رچاتا ہوا
پہاڑوں پہ نعرے لگاتا ہوا
سمندر میں طوفاں اٹھاتا ہوا

محیط زمیں پر وہ چھاتا ہوا
خباثت کی وسعت گھٹاتا ہوا
صداقت کے جھنڈے اڑاتا ہوا
وہ باطل کو نیچا دکھاتا ہوا
بتوں سے وہ رشتے تڑاتا ہوا
خدا سے ہر اک کو ملاتا ہوا

اس خاندان کے آباء واجداد نے مدینہ منورہ جیسی مقدس سرزمیں سے ہجرت اس عظیم کام کے لئے کی تھی جس پر ہماری ہر چیز جان، مال،عزت، آبرو اور ہمارے جذبات سب کے سب قربان،جس کو حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ نے نظم کے آخری شعر میں بیان فرمایا،(یعنی بتوں سے وہ رشتے تڑاتا ہوا۔خدا سے ہر اک کو ملاتا ہوا) یہاں تک کہ مدینہ منورہ جیسی مقدس پاکیزہ سرزمیں کی رہائش وسکونت بھی اس کام پر قربان کردی جس عظیم کام کا ذمہ دار قرآن کریم نے ہر مسلمان مرد عورت کو بنایا ہے،ارشاد فرمایا:

﴿کُنتم خَیر أمة أُخرجت للنّاسِ تأ مرون بالمعروف وتنهو ن عن المنكرِ و تومنون باللّٰه﴾(سورہ آل عمران ۱۱۰)

ایک اور جگہ ارشاد عالی ہے:﴿قل انیِّ لن یجیرنی من الله أحد ولن أجد من دونهٖ ملتحدا الا بلاغاً من الله ورسالا ته ﴾(سورہ الجن ۲۳)

ہر زمانہ میں بحمد اللہ اس خاندان کے افراد کو حق تعالی نے یہ دعوتی شعور بفضلہٖ عطا فرمایا ہے،اسی سنت کو سامنے رکھ کر ہمیشہ اس خاندان کے افراد نے زمان ومکان کے لحاظ سے امت مسلمہ کی آبیاری کی، بلکہ تاریخ میں اس خاندان پر ایسے سخت ترین اور بدترین حالات بھی آئے جن میں عام طور پر قومیں اپنا آپا،سراپا اور اصل تک کو بھلا بیٹھتیں ہیں،مگر اس خاندان کے افراد کے پائے استقامت میں ذرہ برابر تزلزل اور معیار نافعیت میں ذرا کی واقع نہ ہوئی، بلکہ اس کے افراد نے ہمیشہ جذبہ نافعیت سے سرشار ہوکر،ان اجری إلا علی الله کو بنیاد اور معیار بنا کر توکلاً علی اللہ کام کیا ہے،اسی وجہ سے کہ حق تعالی شانہ نے اس خاندان کو مقبولیت تامہ وعامہ عطا فرمائی،اور اس کے افراد نے فکری،ملی اور عملی طور پر موقعہ بموقعہ قائدانہ کردار ادا کیا۔

وطن اصلی:

خاندان صدیقی نانوتہ کا اصل وطن مغربی یوپی کا نہایت مردم خیز قصبہ نانوتہ ہے۔اس بستی کو اہل علم وعمل نے اپنی تحریرات میں ''چھوٹے شہر'' کے نام سے بھی موسوم کیا ہے، مشہور عالم دین اور''اظہار الحق''، جیسی شہرہ آفاق کتاب کے مصنف مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے اپنی تحریر میں مغربی یوپی کی علمی بستیوں کا ذکر کرتے ہوئے نانوتہ کو''چھوٹا شہر'' لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں: بعض جگہیں بعض چیزوں سے مشہور ہیں جیسے میری بستی کیرانہ اور نانوتہ نحوست میں مشہور ہیں کہ عوام صبح کو ان کا نام بھی نہیں لیتے، کیرانہ کو بیریوں والا شہر اور نانوتہ کو چھوٹا شہر کہتے ہیں،[۱] اسی نام کو لے کر ایک نانوتوی شخص کو برہم پا کر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے فرمایا: بھائی اس میں گڑبڑ کرنے کی کیا بات ہے، بلکہ اس نام سے تو خوش ہونا چاہیے، ہندوستان میں گنتی ہی کے تو چند مقامات ایسے ہیں جن کے آخر میں لفظ شہر جزو بنا ہوا ہے، مثلاً بلند شہر، مچھلی شہر، اور ان ہی میں آپ کا یہ چھوٹا شہر بھی ہے، یہی فخر کیا کم ہے کہ شہریت کو لوگوں نے اس کے قوام حقیقت میں داخل کر دیا ہے۔''[۲] ایک واقعہ خود راقم الحروف کے ساتھ ایک دعوتی سفر میں پیش آیا، ایک مجلس میں چند احباب وعلمائے کرام تشریف فرما تھے، دوران گفتگو اس مبارک بستی''نانوتہ'' کا ذکر خیر نکل چلا جس کو لوگوں نے منحوس مشہور کر رکھا ہے کہ عوام صبح کو اس کا نام اگر لے لیں گے تو سارے دن کھانا تک نصیب نہیں ہوتا، ان میں ایک صاحب بر سبیل مزاح مجھ سے کہنے لگے کہ مولانا ہم نے تو یہ سنا اور پڑھا ہے کہ نانوتہ کا نام اگر کوئی بھولے سے بھی لے لے تو شام تک اس کو کھانا نصیب نہیں ہوتا، راقم الحروف نے ان سے کہا کہ بے شک آپ نے صحیح سنا ہے، مگر یہ بات ان لوگوں کے حق میں مشہور ہے جو اس مبارک بستی کا نام بغیر وضو کے لیتے ہیں، با وضو لیں گے تو دعوت بھی ملے گی اور روحانی فیض بھی ملیگا، یہ جواب دراصل میں نے اپنے مربی ومشفق حضرت خطیب الاسلام سے ایک صاحب کے اس طرح مزاحیہ سوال کرنے پر سنا تھا، جس پر حاضرین محفل کا ایک زوردار قہقہہ فضا میں گونج گیا۔

---

[۱] النقد الوکیل مطبوعہ لاہور، تذکرہ سوانح الامام الکبیر، صفحہ ۵۰۔۵۱، مئولف عبدالقیوم حقانی

[۲] سوانح قاسمی ج۱ ص۵۳

''چھوٹے شہر'' سے علوم ومعارف کے چشمے پھوٹ پڑے

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے ''چھوٹے شہر'' عنوان باندھ کر عجیب وغریب علمی نکات بیان فرمائے، وہ نکتہ افرینی کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''قدرت کی ان کارفرمائیوں کو ملاحظہ کیجئے کہ کھجور کے بن والی اس آبادی کو آس پاس کے قصبوں اور دیہاتوں میں لوگ چھوٹا شہر کے نام سے موسوم کرتے تھے، خیال یہ پیدا ہوتا تھا کہ صبح سویرے باسی منہ ''نانوتہ'' کا لفظ جس کے منہ سے نکل جاتا ہے، دن بھر روٹی سے پھر اس کی ملاقات ناممکن ہوجاتی ہے، گویا اپنی ہمزلف آبادیوں میں وہ منحوس ٹھہرایا گیا تھا، حقارت و ذلت کی نظر سے قرب وجوار کے لوگ اس کو دیکھتے تھے، اس لئے بجائے ''نانوتہ'' کے نام کی نحوست سے بچنے کے لئے ''چھوٹا شہر'' کہتے تھے، مگر یہ کون جانتا تھا کہ ہندوستان کے ٹوٹے مسلمانوں کے جوڑنے کا کام اسی چھوٹے شہر کی مٹی سے قدرت لے گی، لوگ مغالطے میں مبتلا ہوئے اگرچہ مغالطہ بھی کوئی نیا مغالطہ نہ تھا، یہ غلط فہمی تو کھجور بن کے درمیان ایک ہندوستانی آبادی کے متعلق ہوئی مگر ''العرش العظیم'' سے بھی عرب کی جس نخلستان آبادی کی خاک کا پایہ بلند وبالا ہونے والا تھا، کون نہیں جانتا تھا کہ نہ جاننے والوں نے ملامت ونفرت کا مستحق قرار دے کر اسی طیبہ وطاہرہ آبادی کو مدت تک ''یثرب'' کے نام سے بدنام کررکھا تھا۔ کچھ بھی ہو اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ''نانوتہ'' کو ایک زمانہ تک لوگ ''چھوٹا شہر'' کہتے رہے، وہ کیا جانتے تھے کہ یہی ٹوٹی ہوئی کشتی مسلمانانِ ہند کے لئے کشتیٔ خضر بننے والی ہے اور اسی ٹوٹی پھوٹی دیوار کے نیچے ان غریبوں اور بے کسوں کا خزانہ دبا ہوا ہے جن کے آباء واجداد اس ملک میں صالحین وقانتین کی شکل میں وارد ہوئے تھے، اگرچہ اب تو اس کو نکتہ بعد الوقوع ہی قرار دیا جائے گا۔''[1]

یہ سرزمین نانوتہ، جس کی سرسبز شاداب زمین اپنی زرخیزی اور خاص طور پر مردم خیزی میں عالمینی اثرات رکھتی ہے، یہی قصبہ آپ کے آباء واجداد کا جائے مولد وجائے مسکن رہا ہے، جن کی عالمینی دعوتی فکر کے نتیجہ میں حق تعالیٰ شانہ نے ان کے فیوض کو بھی عالمینیت عطا فرمادی، اس چھوٹے

[1] سوانح قاسمی ج اول، ص ۵۳، ۵۴۔ مؤلف: مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

شہر سے پھوٹنے والے چشمہ علم ومعرفت اورعلوم وعرفان کی حدود اربعہ میں سب سے زیادہ اس سے مستفید ومستفیض ہونے والی بستیوں میں وہ مشہور بستی ہے جو اس سے پندرہ سولہ میل پچھم قصبہ دیوبند کی شکل میں واقع ہے، نانوتہ گرچہ چھوٹا سا قصبہ ہے، مگر یہ کون جانتا تھا کہ یہ اگرچہ چھوٹا ٹھہرایا جا رہا ہے لیکن بڑائی اس کا مقدر ہو چکی ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصبہ کی آبادی کو ''لدنی آبادی'' تک لکھا ہے، چنانچہ سوانح قاسمی کے مصنف علام حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ ''قصص الاکابر'' کے حوالے سے حضرت تھانوی کی طرف یہ بیان منسوب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

''مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جہاں اپنی شخصیت کو کسی مصلحت سے مخفی رکھنا چاہتے تو پوچھنے پر فرمادیتے کہ میرا وطن اللہ آباد ہے، توجیہ اس کی خود یہ فرماتے کہ ہر آبادی اللہ میاں ہی کی آباد کی ہوئی ہے، پس نانوتہ کو بھی اگر اللہ آباد کہا جائے تو واقعہ کا اقرار ہے، اسی کے ساتھ اگر یہ سمجھا جائے کہ ظاہری اسباب کی رو سے شرفائے اسلام کا اس مقام پر آباد ہونا جہاں نانوتہ واقع ہے بظاہر دشوار تھا مگر باوجود اس کے مشیت الٰہی نے وہاں آبادی قائم کردی، اس لئے اس لدنی آبادی کو ''اللہ آباد'' اگر کہا جائے تو ایسے حالات کی رو سے اس نام کی وہ مستحق ہے۔''[1]

حضرت خطیب الاسلام کی ولادت

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی کی ولادت، بقول خطیب الاسلام ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۲۶ء بوقت فجر بروز جمعہ ایسے علمی وپاکیزہ ماحول میں ہوئی جس کا بنیادی امتیاز ہی علم ونافعیت رہا ہے، یہ گھرانہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ علمی وپاکیزہ گھرانہ تھا، جو مستقل علماء وصلحاء کی آماجگاہ وتربیت گاہ بنا رہا۔ اس تربیت گاہ کو آپ کثرت سے کتابوں میں ''طیب منزل'' سے موسوم پائیں گے، یہ منزل دراصل ایسی تربیت گاہ تھی جہاں لوگوں کو انسانی معراج کا مفہوم سمجھایا جاتا رہا، جس گھر سے شیخ الہند جیسی شخصیت کی تربیت ہوئی، جس گھر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا بچپن گذرا، جس گھر میں حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کے شب وروز گذرے ہوں، یہی وہ طیب منزل ہے جس میں فخر ملت حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی نے براہ راست قاسم العلوم والخیرات سے کسب فیض کیا، اسی گھرانے کی تربیت کو ان حضرات

---

[1] سوانح قاسمی ص ۵۷، مولانا سید مناظر احسن گیلانی

نے جب آگے بڑھایا تو ایک طرف حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا شبیر عثمانی، حضرت مولانا عبید اللہ سندھی اور سینکڑوں نابغہ روزگار شخصیتیں معرض وجود میں آئیں، حقیقت یہ ہے کہ تعلیم بغیر تربیت کے اپنے جوہر نہیں کھولتی، اس گھرانے کی خصوصیت ہی یہ رہی کہ اس نے ہر دور میں تعلیم وتربیت کے لئے خود کو وقف رکھا اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں ایسے لازوال نقوش چھوڑے جو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، خانوادۂ کی قاسمی خواتین وہ خواتین تھیں جن کی گود میں اسلام پلتا تھا، یہ وہ مائیں تھیں جنہوں نے اکثر و بیشتر اصول پر اپنے جذبات اور ممتا کو قربان کیا اور ایسے کردار اس دنیا کو دیئے جنہوں نے ملت اسلامیہ ہندیہ کی رہبری اور رہنمائی کے لئے اصول وضع کئے۔

حضرت کی ولادت دیوبند کی معروف بستی میں ہوئی، جو اپنے اندر ایشیاء کی عظیم اسلامی یونیورسٹی رکھتا ہے اور جہاں کا فضل وکمال دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اس سرزمین نے نہ جانے کتنے اصحاب علم و فضل پیدا کئے ہیں۔

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا کہ خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم العالیہ کا خاندان اپنے شجرۂ نسب کو محمد بن ابوبکر کے صاحبزادے ''قاسم بن محمدؒ'' پر منتہی کرتا ہے، حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حالات راقم الحروف کے مرتب کردہ شجرہ خاندان صدیقی، نانوتہ اور ''طبقات ابن سعد'' میں بھی پڑھے جاسکتے ہیں۔ قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد کی شہادت کے بعد اپنی پھوپھی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آغوش تربیت میں پرورش پائی، جس کی وجہ سے علم وفضل میں ان کا مرتبہ اتنا بلند ہوگیا کہ عہد تابعین میں کے فقہائے سبعہ کے ایک رکن رکین شمار ہوئے، بقول مولانا عبدالقیوم حقانی:

> ''سیرت وکردار اور دل ودماغ کی بلندی کے لئے یہی کافی ہے کہ جب بنوامیہ کے لوگوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو پریشان کیا تو انہوں نے دھمکی دی تھی کہ مدینہ منورہ جا کر خلافت کو مسلمانوں کی شوری کے سپرد کردوں گا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت اس کے سب سے بڑے حق دار قاسم بن محمد ہیں۔''[1]

بہرحال حضرت خطیب الاسلام نے جس خاندانی شرافت میں آنکھ کھولی اس خاندانی شرافت پر

[1] تذکرہ وسوانح الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی، مؤلف عبدالقیوم حقانی صفحہ ۴۷

ہزاروں صفحات سیاہ کرنے کے بعد بھی یہی کیا جا سکتا ہے کہ شرافت ہر شبہ سے پاک، ہر اختلاف سے ماوراء، ہر بحث سے مستثنیٰ اور کیوں نہ ہو جس کے جد امجد نے جناب رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد امت کو سنبھالا اور جب تیرہ صدی بعد پھر امت اسلامیہ پر وقت پڑا تو یہ نسبت صدیقیت نسبت قاسمیہ کی شکل میں ظاہر ہو کر امت اسلامیہ کے درد کا درماں بن گئی، اسی نسبت قاسمیہ سے ہزاروں بلکہ لاکھوں کھرا سونا بن گئے اور نہ جانے کیسے کیسے پتھروں کو اس نسبت نے تراش کر ہیرا بنا دیا، یہی وہ عظیم نسبت ہے جو براہ راست حضرت خطیب الاسلام میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی چلی آرہی ہے، شاید یہی نسبت کارفرما ہے کہ حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت زمانی وقفے کے اعتبار سے بھی انتہائی وسیع اور جامع ہے اور معنوی اعتبار سے بھی، اگر تعلیم وتعلم کا ابتدائی زمانہ نکال دیا جائے تو وقفۂ زمانی ۸۰ سال کے قریب ہے، معنوی وقفہ اس لئے وسیع ہے کہ علم وفضیلت، بصیرت، وسعت مطالعہ، علم کی پختگی ورسوخ، خدمت دین اور اس کے ساتھ اصلاح ووعظ وارشاد، عوام سے رابطہ تربیت ودعوت، بیعت وارشاد اور ادارہ سازی ورجال سازی، ان سب پہلوؤں اور گوشوں پر آپ کی زندگی محیط ہے۔

حضرت خطیب الاسلام کا نسب:

سیرت نگاروں اور سوانحی ادب لکھنے والے عام طور پر اس بات کا اہتمام کرتے چلے آئے ہیں کہ سیرت طیبہ لکھنے میں ابتداءً نبی کریم ﷺ کے نسب مبارک کو بیان کیا جائے، بالکل اسی طرح سوانح نگاروں نے بھی عمومی طور پر صاحب سوانح کے نسب ناموں کو بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے، خاص کر ان عربی النسل خاندانوں میں اس بات کا خصوصی اہتمام پایا جاتا ہے، اگر چہ اہل عجم نے اپنے نسب ضائع کر دیے ہیں، جیسا کہ اس طرف صاحب شرح وقایہ نے یہ کہہ کر اشارہ فرمایا ہے کہ "إن أهل العجم ضیعوا انسابهم" کہ اہل عجم نے اپنے نسب نامے ضائع کر دیے ہیں۔ اس نہج کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت خطیب الاسلام کے نسب نامے کا تذکرہ برمحل معلوم ہوتا ہے۔ اس خاندان صدیقی نانوتہ کی اصل واساس سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کی ذات گرامی ہے، جن تک حضرت خطیب الاسلام کا نسب کچھ اس طرح ہے:

(۱) حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند
(۲) بن حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

(۳) بن حضرت مولانا محمد احمد صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

(۴) بن حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند

(۵) بن شیخ اسد علیؒ

(۶) بن شیخ غلام شاہ

(۷) بن شیخ محمد بخش

(۸) بن شیخ علاءالدینؒ

(۹) بن شیخ ابوالفتح

(۱۰) بن شیخ محمد مفتی

(۱۱) بن شیخ عبدالسمیع

(۱۲) بن شیخ حضرت مولوی ہاشم

(۱۳) بن شاہ محمد

(۱۴) بن شیخ قاضی محمد طہ

(۱۵) بن شیخ مفتی مبارک

(۱۶) بن شیخ امان اللہ

(۱۷) بن شیخ جمال الدین

(۱۸) بن شیخ قاضی میراں بڑے

(۱۹) بن شیخ قاضی مظہرالدین

(۲۰) بن شیخ نجم الدین الثانی

(۲۱) بن شیخ نورالدین الرابع

(۲۲) بن شیخ قیام الدینؒ

(۲۳) بن شیخ ضیاءالدین

(۲۴) بن شیخ نورالدین الثالث

(۲۵) بن شیخ نجم الدین

(۲۶) بن شیخ نورالدین الثانی

(۲۷) بن شیخ رکن الدینؒ
(۲۸) بن شیخ رفیع الدین
(۲۹) بن شیخ بہاء الدینؒ
(۳۰) بن شیخ شہاب الدین
(۳۱) بن شیخ خواجہ یوسف
(۳۲) بن شیخ خلیلؒ
(۳۳) بن شیخ صدرالدین
(۳۴) بن شیخ رکن الدین سمرقندیؒ
(۳۵) بن شیخ صدرالدین الحاج
(۳۶) بن شیخ اسماعیل الشہیدؒ
(۳۷) بن شیخ نورالدین القتالؒ
(۳۸) بن شیخ محمودؒ
(۳۹) بن شیخ شہاب الدینؒ
(۴۰) بن شیخ عبداللہ
(۴۱) بن شیخ زکریا
(۴۲) بن شیخ نورؒ
(۴۳) بن شیخ سراجؒ
(۴۴) بن شیخ شادی الصدیقیؒ
(۴۵) بن شیخ وجیہ الدینؒ
(۴۶) بن شیخ مسعودؒ
(۴۷) بن شیخ عبدالرزاقؒ
(۴۸) بن شیخ قاسم
(۴۹) بن محمدؒ
(۵۰) بن خلیفۃ رسول اللہ ﷺ سیدنا ابوبکر صدیقؓ

اس طرح حضرت خطیب الاسلام میں کمالات ظاہری ومعنوی انچاس ۴۹ واسطوں سے نسلاً بعد نسل سیدنا صدیق اکبرؓ سے منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں، یہ خانوادہ جس کا اول وآخر قاسم ہوا اور جس کے خمیر کوگل قاسمیت کے عرق سے گوندھ کر طالبان علوم نبوت اور تشنگان علم وعمل میں بغیر امتیاز ماوتو کے تقسیم کیا گیا ہے، اس خانوادہ کے تعارف میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ عنداللہ وعند الناس مقبولیت تامہ اور قبولیت عامہ کی شان سے مستقل متصف چلا آرہا ہے: خاندان صدیقی نانوتہ کو یہ امتیاز وشرف حاصل ہے کہ حق تعالی شانہ نے برصغیر میں خاص طور پر اور پورے عالم میں عموماً اپنے دین حنیف کی خدمت کے لئے قبول فرمایا جس طرح اس کو قبول فرمایا دیگر بہت کم خاندانوں کے حصے میں یہ سعادت آئی، بہرحال حضرت صدیق اکبرؓ کا اخلاص، ان کی تڑپ وبیقراری اور اللہ اور اس کے رسول کے نام پر سب کچھ قربان کرنے کا جذبۂ ایثار اور ملت اسلامیہ پر ان کے بے شمار احسانات کا نتیجہ ہے کہ ان کی اولاد میں بھی اللہ نے مسلسل ایسے بے شمار افراد پیدا فرمائے جن کے کارناموں سے خلق خدا کو بے انتہا فائدہ ہوتا رہا۔ خواہ وہ خاندان صدیقی نانوتہ ہو یا پھر خاندان صدیقی کاندھلہ، ان خاندانوں کے افراد سے جو کام اللہ نے لیا ہے اس کا اصل سبب حضرت صدیق کا اخلاص ہی ہے۔

حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت سازی میں اہم ترین عوامل

ماہرین تعلیم یہ بات لکھتے ہیں کہ کسی بھی انسان کی شخصیت کی مثبت تعمیر میں بہت سارے عوامل کی کارفرمائی ہوتی ہے، جن کو وہ تعلیم کی مختلف ایجنسیوں سے تعبیر کرتے ہیں، مثلاً ماں باپ کی شخصیتیں، گھرانہ کا ماحول، آس پاس کا ماحول، علاقے کا ماحول، اسی طرح ملک اور پورے خطے کا ماحول یہ سب مل کر ایک شخصیت اور ایک انسان کے بننے اور سنورنے میں اور یکساں طور پر اس کے بگڑنے اور خراب ہونے میں مؤثر کردار ادا کرتے ہیں، قرآن کریم نے بھی اس بات کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا

﴿قل كل يعمل على شاكلته فربكم أعلم بمن هو أهدى سبيلا﴾ (سورۃ بنی اسرائیل:۸۴)

آیت مبارکہ میں لفظ ''شاکلہ'' بڑی ہی اہمیت کا حامل ہے، انسان کا شاکلہ بنتا ہے اس کے گھرانے، آس پاس کے ماحول، اسکول اور مدرسے کے ماحول، علاقے اور ملک کے ماحول سے، اور یہ سب عوامل بچے پر ایک ساتھ اثر انداز ہوتے ہیں، لیکن ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ انسان کے

اوپراس کے بننے اورسنورنے، اسی طرح اس کے خراب ہونے میں دوتین عوامل بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں، نمبرایک بچے کے والدین، گھر کا ماحول، اساتذہ کرام اوراس کے اقران۔ ان میں بھی فطری صلاحیتیں، والدین اوراساتذہ کرام کا کردار بہت اہم ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ہمارے استاذ پروفیسر علی اختر صاحب دوران درس اکثر یہ جملہ فرماتے تھے۔

"Fortunate are those who got good teachers and good parents."

بڑے ہی خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کواچھے ماں باپ اوراچھے اساتذہ کرام میسرآجائیں۔

والدین کا باشعور ہونا ظاہری اسباب کے اعتبار سے باب تربیت میں بہت بڑا عامل ہے، اسی طرح اس کے اساتذہ کرام بھی اگر باشعور ہوں، ذی ہوش ہوں، تو ایسے انسان کی شخصیت نکھر کر رہ جاتی ہے۔ کیونکہ قوموں کی تقدیر بھی اساتذہ کرام سے بنتی ہے۔ ہندوستان کے سابق وزیراعظم جناب جواہرلعل نہروصاحب ایک جگہ لکھتے ہیں

"The destiny of the nations is always shaped in the classroom."

قوموں کی تقدیریں درسگاہوں میں بنتی اورسنورتی اسی طرح بگڑتی اورخراب ہوتی ہیں۔

لیکن یہ تمام خارجی عوامل ہیں، داخلی مؤثراورعامل بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں، جن میں سب سے بڑی چیز وہ صلاحیتیں ہیں جواللہ ہرانسان میں الگ الگ اورتفاوت کے ساتھ رکھتا ہے، کوئی بہت ذہین ہے کوئی غبی ہے اورکوئی متوسط درجے کا ذہن وحافظہ لیے ہوئے ہوتا ہے، خارجی عوامل مثلاً گھر کا ماحول، اساتذہ کرام کی توجہات اور جانفشانی جب ہی کارگرہوتی ہے جب اندرفطری صلاحیتیں موجود ہوں، اوراگرفطری صلاحیتیں ہی مفقود ہوں تو پھر یہ عوامل بھی بہت اثرانداز نہیں ہوتے۔

اس لمبی اورطویل تمہید کے بعدعرض ہے کہ حضرت خطیب الاسلام کی دلنواز شخصیت میں یہ سارے ہی عوامل بقدر وافر موجود ہیں۔

آپ کی فطری صلاحیت اورخداداد ذہانت کے بارے میں کچھ لکھنا ایسا ہے کہ جیسے کسی آفتاب کو چراغ دکھادیا جائے، کہ اللہ رب العزت نے ذہانت خاندان صدیقی کو بے مثال عطا کی ہے، اسی ذہانت اور فطری صلاحیتوں کی کارفرمائی ہے کہ مستقل صدیق اکبر سے لے کراس خاندان میں صاحب علم وفضل پیدا ہوتے رہے، سیدنا صدیق اکبرؓ بھی اس قدر ذہین تھے کہ آپ کوانسانوں کے نسب نامے تو یاد تھے ہی آپ کواونٹوں کے بھی نسب یاد تھے، اورآپ کو ''نسابۃ العرب'' کہا جاتا تھا،

آپ کے بعد آپ کے پوتے حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ کا شمار نہایت صاحب علم وفضل لوگوں میں ہوتا تھا۔ پچھلی دوصدیوں سے اس صدیقی خاندان میں ہر میدان کے نہایت صاحب علم وفضل لوگ پیدا ہوتے رہے، اوران کے علم وفضل کو اللہ نے چاردانگ عالم میں بجادیا، ہنوز یہ سلسلہ اس طرح باقی ہے، والحمد للہ علی ذالک۔

پہلا اہم عامل: حضرت خطیب الاسلام کی ذہانت اور فطری صلاحیتیں

یہ تو بات ہے خاندان صدیقی کی، اسی خاندان صدیقی کی نہایت ممتاز شاخ خانوادہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہے جو برصغیر کے تمام علمی، دینی، دعوتی حلقوں میں خاندان قاسمی کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے، اس خانوادہ کے افراد کی ذہانت اور خداداد صلاحیتیں ضرب المثل اور زبان زد خاص وعام ہیں کہ جنہوں نے ہندوستان اور برصغیر کے مسلمانوں کو خصوصا اور مسلمانان عالم کو عموما جینے کا سلیقہ اور شعور سکھایا، اور علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت کے لئے ایسی نہر سلسبیل جاری فرمادی کہ جن کا فیض دنیا کے سارے براعظموں میں پہنچا اور مسلسل پہنچ رہا ہے، مجھے اس وقت دیوبند کی ایک نہایت معزز شخصیت جناب قاضی انوار صاحب دامت برکاتہم العالیہ[1] کا جملہ یاد آتا ہے، جو انہوں نے مجھ سے کہا تھا، کہ خانوادہ قاسمی کے افراد کا ذہانت کے باب میں کوئی سہیم وشریک نہیں، انتہائی ذہین خاندان، حضرت خطیب الاسلام اس خانوادے کے رکن رکین تھے۔ فطری صلاحیتیں اللہ نے بدرجہ اتم عطا فرمائی تھیں۔ یہ اسی ذہانت کے آثار تھے کہ آپ نے صرف دوسال کی مدت میں کلام اللہ حفظ فرمالیا، اور آپ کے درجۂ حفظ کے دوسرے استاذ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے حفظ پر اعتماد کا اظہار بھی فرمایا، جس کا تذکرہ آگے کتاب میں تفصیلا آرہا ہے، اور پھر بیس، بائیس سال کی عمر میں دارالعلوم جیسے مؤقر ادارے کے استاذ بنادئے گئے۔

دوسرا اہم عامل: حضرت خطیب الاسلام کے باشعور والدین گرامی

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ کسی بھی شخصیت کی تعمیر میں چند نہایت اہم عوامل کارفرما ہوتے ہیں، ان میں فطری خداداد صلاحیتیں تو بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں، لیکن ان صلاحیتوں اور قدرت کی

[1] قاضی انوار صاحب دیوبند کی انتہائی معزز شخصیت ہیں، ہر ایک کے کام آنا ان کی خاص صفت ہے، عثمانی خاندان سے ان کا تعلق ہے۔

طرف سے ودیعت کی گئی موھبتوں کو پروان چڑھانے اور بڑھانے کا کام سب سے پہلے والدین کرتے ہیں، جیسا والدین بچے کو سکھا دیتے ہیں ایسا ہی بچہ سیکھتا چلا جاتا ہے، یا جیسا وہ اپنے والدین کو کرتا ہو دیکھتا ہے ویسے ہی اس کا مزاج ڈھلتا چلا جاتا ہے، خاص کر باب تربیت میں والدہ کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے، چنانچہ آقا جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اس مضمون کو صراحتاً بیان فرمایا، ارشاد نبوی ہے:

”کل مولود یولد علی الفطرة فابواه یهودانه اوینصر انه اویمجسانه“

ہر بچہ عین فطرت (یعنی فطرت اسلام پر) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔

یعنی مطلب یہ ہے کہ وہ جیسا سکھاتے ہیں یا پھر جیسے ان کی زندگی کے طور طریقے ہوتے ہیں بچہ انہیں کے مطابق ڈھلتا چلا جاتا ہے، اس حدیث مبارک میں بہت سارے مضامین باب تربیت کے بیان ہوئے ہیں، ان میں ایک بات یہ بھی ہے کہ انسان کی شخصیت کی اصل تعمیر ماں باپ ہی کرتے ہیں، اور باب تربیت میں ان کا کردار سب سے بنیادی ہے، شروع کے سالوں میں انسان کا مزاج اور طبیعت ڈھل جاتی ہے، باقی دوسرے مراکز تعلیم وتربیت کا کردار ثانوی ہے، جس سے یہ بات عیاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ تربیت اولاد، نسل نو کی تعمیر کے لئے والدین کا باشعور ہونا اور دین فطرت اسلام کے اصولوں سے ہم آہنگ ہونا کس قدر بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

دوسرے مراکز تعلیم اور تعلیمی ایجنسیوں کا کردار بہت بعد میں آتا ہے۔ حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ کی شخصیت تعمیر کے اس پہلو میں بھی بہت مالا مال ہے کہ اللہ نے والدین گرامی بھی نہایت باشعور، خداترس، عالمینی دعوتی فکر کے حامل، دینی مزاج رکھنے والے، تعلیم وتربیت جن کے کردار اور بولوں کی زینت، علم وعمل کے پیکر، نافعیت جن کا مزاج، رہن سہن اسلامی شریعت کا عکاس، دل و دماغ قال اللہ اور قال الرسول کی صداؤں سے آشنا اور ان کی خوشبوؤں سے معطر، اعلائے کلمۃ الحق کے لئے کوشاں، دین کی صحیح شکل میں ترویج اور اشاعت جن کی زندگیوں کا مقصد، امت میں افراد سازی جن کا کام، مزاج شریعت اسلامی رافت و رحمت، حلم اور محبتوں کی عمومی تقسیم جن کا امتیاز، وراثت نبوت کو دنیا کے کونے کونے میں لے کر پھرنا جن کی زندگیوں کا حاصل اور محور، بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ دکھانا اور تعلیم یافتہ سمجھے جانے والے لوگوں کو باشعور بنانا جن کی شبانہ روز محنتوں کا حاصل،

برصغیر میں جگہ جگہ اسلامی، دینی، تعلیمی وتربیتی مراکز کا قیام جن کی جہد مسلسل کا ایک عظیم ترین پہلو، اکابر واسلاف دیوبند کی روایتوں کے امین تھے، اب آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جن کے والدین کے یہ امتیازات ہوں اور جن کا گھرانہ بیت نبوت کا نمونہ ہو اس گھر میں پروان چڑھنے والی شخصیت کے اندر یہ تمام باتیں گویا مزاج کا حصہ تھیں، جن کا ظہور وقتاً فوقتاً پوری زندگی ہوتا رہا، جیسا کہ کتاب میں آگے حضرت خطیب الاسلام کے کارناموں کی تفصیلات آرہی ہیں، آیئے ان تمام باتوں کی مزید وضاحت کے لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والدین گرامی کے بارے میں تفصیلات جاننے کی کوشش کرتے ہیں، باب تربیت میں چوں کہ سب سے زیادہ اہم کردار والدہ کا ہوتا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آپ کی والدہ محترمہ کا تذکرہ کیا جائے۔

حضرت خطیب الاسلام کی ننہیال اور اس کے اثرات

حضرت خطیب الاسلام کی ننہیال اور راقم الحروف کی والدہ کی ننہیال ایک ہی ہے، راقم نے اپنی والدہ کی زبانی اس انصاری رامپوری خاندان کی شرافت اور اخلاقی اقدار وقیم کے بے شمار واقعات سن رکھے ہیں، جو نسل نو کی اسلامی ذہن سازی کے باب میں نہایت اہمیت کے حامل ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خاندان تربیت اولاد کے سلسلہ میں زمانۂ قدیم ہی سے بہت اعلیٰ قدروں کا حامل رہا ہے۔

مزید برآں اس خاندان کا تمام اکابرین دیوبند سے ہمیشہ ایک خاص ربط وضبط رہا، میزبانی رسول ﷺ کا شرف اس خاندان کے جد امجد حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو ہوا تو ان کی اولاد کو نائبین رسول ﷺ علماء دیوبند کی میزبانی کا شرف مستقل حاصل رہا، رامپور منیہاران کی وہ مشہور حویلی جو اس خاندان کی قیامگاہ رہی اور علاقے میں محل کے نام سے مشہور ہے، اس میں سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ، حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید، حضرت مولانا محمد محدث تھانوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی وغیرہم کی مستقل آمد ورفت رہی۔ میری والدہ محترمہ اکثر یہ واقعہ سنایا کرتی ہیں کہ:

”جب میری نانی اماں (میری والدہ کی نانی جو اس محل کی بیٹی تھیں، جن کا نکاح حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ کے پوتے حافظ رفیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا تھا جو حافظ یوسف صاحب

ابن حافظ ضامن شہیدؒ کے چھوٹے صاحبزادے تھے) کا نکاح ہوا تو ان کے نکاح میں جن اکابرین دیوبند نے شرکت فرمائی تھی اس میں سے چند حضرات کے نام درج ذیل ہیں:
حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی (متوفی ۱۳۳۹ھ)، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری (متوفی ۱۳۴۶ھ)، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (متوفی ۱۳۶۲ھ)، حضرت مولانا حسین احمد مدنی (متوفی ۱۳۷۷ھ)، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری (متوفی ۱۳۵۲ھ) وغیرہم، یہ وہ حضرات ہیں جو اس خاندان کی بیٹی کو رخصت کرنے کے لئے اس حویلی میں اس وقت جمع ہوئے تھے، خطیب الاسلام کی ننہیال میں علم وحکمت کے ساتھ فن طب کا بھی خاندانی طور پر سلسلہ چلا آرہا تھا، اس خاندان کی بیٹیوں کا حال بقول والدہ محترمہ: بڑے بڑے حاذق اطباء محل کی بیٹیوں سے اپنے مریضوں کے سلسلہ میں مشورہ لیتے اور ان کے بتائے ہوئے نسخوں کو تجویز فرماتے، حضرت خطیب الاسلام کی ننہیال ایسے خاندان میں ہونا ان کے لئے شرف بالائے شرف کے قبیل سے تھا[۱]

عزیز مکرم جناب مولانا شکیب قاسمی نے ''حیات طیب'' جلداول میں اس خاندان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔

''قصبہ رامپور میں مولانا حکیم ضیاء الدین[۲] صاحب کا خاندان ممتاز شمار ہوتا چلا آرہا ہے، اس خاندان کے اہل علم اور اہل دل کافی شہرت رکھتے تھے خود مولانا حکیم ضیاء الدین صاحبؒ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہیدؒ کے ہاتھ پر بیعت تھے اور آپ کے ارشد خلفاء میں شمار ہوتے تھے، اس خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت شیخ سالار بندگی تھے، جن کا مزار قصبہ رامپور

---

[۱] یہ واقعہ میری نانی صاحبہ مرحومہ نے بارہا راقم کو سنایا کہ جب اس تقریب میں شرکت کے لئے حضرت تھانویؒ رامپور منہاران تشریف لے آئے تو کسی نے اطلاع دی کہ محل میں تو گانے گائے جارہے ہیں (دف وغیرہ بجاکر کچھ گیت وغیرہ گارہی تھیں اس محل کی خواتین) یہ سن کر حضرت تھانوی نے وہیں سے واپسی کا ارادہ کرلیا، حضرت تھانوی کے اس عمل اور اظہار ناراضگی کی اطلاع حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کو ہوئی، تو مولانا خلیل احمد صاحب نے حضرت تھانوی کو کہلوایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں صرف آپ ہی جائیں گے، باقی ہم سب تو دوزخ میں جائیں گے، حضرت تھانوی نے فوراً اپنا ارادہ ملتوی فرمایا اور اس نکاح میں شرکت فرمائی۔

[۲] حکیم ضیاء الدین کے تفصیلی حالات راقم الحروف کی کتاب ''سوانح حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید'' میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

ہی میں موجود ہے۔ان کا سلسلہ نسب حضرت ابوایوب انصاریؓ میزبان رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے، جو مدینہ منورہ کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے اور یہی وہ بابرکت گھرانہ ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے مدینہ آکر اولاً قیام فرمایا تھا۔مولانا حکیم ضیاء الدین صاحبؒ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی ان کے حقیقی بھائی حاجی علاء الدین صاحب تھے، اس خاندان کی نسل انہی سے چلی، ان کے تین صاحبزادے تھے۔مولانا حافظ حکیم احمد صاحبؒ رئیس رامپور، مولوی محمد صاحب مرحوم اور مولانا حافظ محمود صاحب فاضل دیوبند و وزیر ریاست اندرگڑھ (راجپوتانہ) مولانا محمود صاحب نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی تھی اور آپ کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمہما اللہ سے خصوصی شرف تلمذ حاصل تھا اور ربط وعلاقہ انتہائی قوی تھا۔مولانا محمود صاحب کی شادی مشہور بزرگ حضرت شاہ ابوالمعالی قدس سرہ قصبہ انبہیٹہ ، ضلع سہارنپور کے خاندان میں حضرت شاہ صادق احمد صاحب انبہٹوی کی صاحبزادی سے ہوئی تھی ،حضرت شاہ ابوالمعالی کا خاندان انبہٹہ میں اہل علم وفضل اور اہل دل کا ممتاز خانوادہ رہا ہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری خلیفہ حضرت گنگوہی اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے، انہیں مولانا حافظ محمود صاحب رامپوری کی صاحبزادی حنیفہ خاتون سے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) کا رشتہ طے پایا جو ان کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں، یہ رشتہ اس وقت کے صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی قدس سرہ لے کر رامپور پہنچے، چونکہ حضرت شیخ الہند کا تعلق بھی وہاں سے گہرا تھا اس لئے مولانا محمود کے بھائی حکیم احمد[1] سے فرمایا کہ بھائی، میں اس وقت نائی کی حیثیت سے طیب کا رشتہ آپ کی بھتیجی سے لے کر آرہا ہوں، یہ رشتہ ان حضرات نے بڑی خوش دلی کے ساتھ منظور کرلیا، بلکہ دلی مسرت کا اظہار بھی کیا، بات طے پانے کے بعد یہ رشتہ تین چار سال تک ممتد رہا۔'' (حیات طیب ص ۸۵،۸۶، ج ا)

[1] حکیم احمد صاھب جو مولانا محمود کے بڑے بھائی تھے یہ میری نانی اماں کے نانا تھے اور مولانا محمود صاحب یہ حضرت خطیب الاسلام کے نانا تھے، اس طرح حضرت خطیب الاسلام اور میری نانی اماں اس گھرانہ کے نواسہ نواسی تھے، ان حکیم احمد صاحب کے صاحبزادے حکیم طیب صاحب ہوئے جو انتہائی حاذق حکیم تھے جن کا تذکرہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ نے بڑی خصوصیت سے آپ بیتی میں فرمایا ہے، یہ حکیم طیب صاحب رامپوری راقم الحروف کے بہنوئی مولانا عمر انصاری مرحوم کے دادا تھے۔

۱۳۳۴ھ میں جب حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب کی عمر بیس سال ہو چکی تھی نکاح کی تاریخ طے پائی اور متعینہ تاریخ میں سو،سوا سو علماء کرام آپ کو لے کر رام پور پہنچے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے آپ کا نکاح پڑھا اور سبھی نے دعائیں کیں۔

حضرت حکیم الاسلام کی تحریر جو آپ نے اپنی اہلیہ کے انتقال کے بعد لکھی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی اہلیہ محترمہ کی دیوبند رخصتی کس شان سے ہوئی اور دیوبند میں ان کا استقبال کس طرح ہوا حکیم الاسلام اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ایک جگہ رقم طراز ہیں:

''بارات کی واپسی ایک شب قیام کے بعد اگلے دن عصر کے بعد ہوئی اور رات کو تقریباً گیارہ بجے دیوبند پہنچنا ہوا، سردی کا زمانہ تھا، عشاء کے بعد دیوبند میں اس غیر معمولی تاخیر سے تشویش محسوس کی گئی، بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ مولانا محمود صاحبؒ نے کافی اور بہت قیمتی سامان اپنی صاحبزادی کو دیا تھا، جس کی شہرت تھی حتی کہ علاوہ ہمہ قسم کے سامانوں کے دلہن کے لئے نفیس پالکی اور دلہا کے لئے گھوڑا بھی دیا تھا جو سر سے پیر تک چاندی سے آراستہ تھا اور زین مخملی تھا جس پر زری کا کارچوب کا کام تھا، یہی نوعیت دوسرے قیمتی سامانوں کی بھی تھی۔ رات کا کچھ وقت کچی پکی سڑک اور درمیان میں دیہات کا سلسلہ تھا اس لئے دیوبند میں تاخیر سے تشویش محسوس کی گئی، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی شادی کے سلسلہ میں مقامی نظم کے ذمہ دار تھے، انہوں نے اس تشویش کا طلبہ سے اظہار کیا، جس پر ڈھائی تین سو طلبہ دارالعلوم دیوبند سے رامپور کی سڑک پر روانہ ہو گئے، دیوبند سے چھ میل آگے پہنچ کر طلبہ کا مجمع بارات سے جا ملا اور بارات کے ساتھ لوٹا، طلبہ نے اپنی محبت وتعلق سے پالکی والے کہاروں کو ہٹا کر خود پالکی اپنے کندھوں پر اٹھائی اور نوبت بنوبت پالکی لے کر چلے، وہ سماں عجیب تھا کہ مختلف وطنوں کے طلبہ بنگالی، پنجابی، آسامی، سرحدی اور گجراتی وغیرہ اپنی اپنی زبانوں میں گیت گاتے جاتے تھے اور پالکی اٹھائے جا رہے تھے، یہ مرحومہ کی خوش قسمتی تھی کہ رشتہ سرتاج علماء شیخ الہند لے کر گئے اور ا کا بروقت شریک ہوئے اور پالکی اٹھانے والے طلبہ علم دین تھے جو اپنے سروں پر موصوفہ کو لائے اور آخر جنازہ بھی جب اٹھا تو وہ بھی انہی طلبہ اور علماء کے کندھوں پر اٹھا۔''[۱] (حیات طیب ص ۸۷)

---

[۱]......حضرت مولانا محمود صاحب رئیس رامپور و وزیر ریاست اندر گڑھ تھے، اس لئے اس شان سے اپنی بیٹی کو علماء کی سرپرستی میں رخصت فرمایا تھا۔

والدہ ماجدہ کے اوصاف

حضرت خطیب الاسلام کی والدہ کی شادی بڑے اہتمام سے ہوئی اوران علماء ربانیین کی دعاؤں کا ثمرہ ونتیجہ یہ ہوا کہ اس جوڑے کو بڑی عزت اور عظمت نصیب ہوئی اور خواص وعوام میں مقبولیت عامہ حاصل ہوئی، آپ کے والد ماجد حضرت حکیم الاسلام کی حیات پر تفصیلات کے لئے ''حیات طیب جلد اول وجلد دوم'' کا مطالعہ کریں، مگر آپ کی والدہ ماجدہ کے بارے میں مختصرا یہاں عرض کرنا خطیب الاسلام کی سوانح کا ایک اہم باب ہوگا۔

آپ کی والدہ ماجدہ بحیثیت دین وبحیثیت خاندان ایک شانِ امتیاز رکھتی تھیں، اس سلسلے میں تفصیل حضرت حکیم الاسلام کے ہی قلم سے ملاحظہ فرمائیں، وہ اپنی اہلیہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''خود اپنی ذات سے بھی نہایت صالحہ، پابند اوقات اور اپنے معمولات پر مستقیم تھیں، میں ان کے معمولات ضبط کی نگاہوں سے دیکھا کرتا تھا اور بسا اوقات ذہن میں یہ تصور بندھ جاتا شاید یہی خاتون میرے لئے نجات کا ذریعہ بن جائے، مرحومہ کو فرائض کی ادائیگی کا حد درجہ اہتمام تھا، گھر کے کیسے ہی اہم کام میں مصروف ہوں، اذان کی آواز سنتے ہی ہر کام سے بیگانہ وار اٹھ کر اول اوقات میں نماز ادا کرتیں، نماز اداء کئے بغیر مطمئن نہ ہوتیں، ایک ہزار دانے کی تسبیح ہمیشہ ان کے سرہانے رہا کرتی تھی، نماز عشاء کے بعد ایک ہزار بار کلمہ طیبہ اور وقت خواب ادعیہ ماثورہ پڑھنے کا معمول تھا جو سفر وحضر میں جاری رہتا تھا، نماز صبح کے بعد تلاوت قرآن کریم اور حضر میں بغیر کسی شدید اور غیر اختیاری مجبوری کے ناغہ نہیں ہوتا تھا۔

حج کا بھی ایک شغف دل میں تھا۔ میری معیت میں سات بار حج وزیارت روضہ اقدس سے مشرف ہوئیں، حضرت مولانا محمد سلیم صاحب کیرانوی ثم المکی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ سے عزیز داری تھی، مکہ میں قیام انہی کے دولت خانہ پر ہوتا تھا، مولانا کے گھرانے کے ہر بچے اور بڑے کو ان سے خاص انس اور تعلق تھا۔ ہر سال حج کے موقع پر ادھر سے برابر یاد دہانی ہوتی کہ ہم سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں، اسی علاقہ خاص سے حضرت مولانا سلیم صاحب کا مقولہ تھا:

''جو شخص یہ ثابت کردے کہ مکہ مکرمہ میں (مولانا) محمد طیب صاحب کا گھر نہیں ہے تو میں اسے ایک ہزار روپیہ انعام دینے کے لئے تیار ہوں، بہرحال مولانا کا سارا گھرانہ ان سے حد درجہ

مانوس تھا اور وہ ان سے مانوس تھیں، بالخصوص عزیز محترم مولوی محمد شمیم سلمہ ابن حضرت مولانا محمد سلیم صاحب تو خاص طور پر ان کی خاطر داری اور مدارات میں لگے رہتے تھے اور ان سے مرحومہ کو خاص انس تھا اور کہا کرتی تھیں کہ مجھے شمیم پر ایسا ہی پیار آتا ہے جیسے سالم پر۔''[۱]

والدہ کے یہاں زکوٰۃ کی ادائیگی اور انفاق فی سبیل اللہ کا اہتمام

آپ کی والدہ مرحومہ ان خوبیوں کے علاوہ بہت سی ایسی صفات سے متصف تھیں جو ان کو خاندانی طور پر ورثہ میں ملی تھیں، مثلاً داد و دہش اور سخاوت کی صفت سے وہ خاندانی طور پر متصف تھیں اور شادی سے قبل ہی حاجتمندوں اور ضرورت مند حضرات کا خصوصی خیال فرماتی تھیں اور خاص طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا خاص اہتمام رہتا۔ خود حکیم الاسلام لکھتے ہیں:

''حج و نماز اور اوقات کی پابندی کے ساتھ ان میں ادائے زکوٰۃ کا شغف یہ تھا کہ پائی پائی کا حساب کر کے عموماً ماہ رمضان میں زکوٰۃ ادا کیا کرتی تھیں، شہر کے عزیزوں میں سے غرباء اور بالخصوص غریب بیواؤں کی فہرست ان کے سامنے رہتی۔''[۲]

حضرت خطیب الاسلام کی والدہ مرحومہ کے یہاں رمضان شریف میں تراویح کا خاص اہتمام ہوتا تھا، حضرت حکیم الاسلام آخر کے چند سال سے تراویح اپنی بیٹھک میں پڑھا کرتے تھے، دالان میں پردہ ہوتا تھا، پس پردہ اہلیہ محترمہ اور گھر و محلّہ کی دوسری خواتین بھی ہوتی تھیں اور پردہ کے باہر جانب قبلہ بیٹھک میں مردوں کی جماعت ہوتی تھی، جب کبھی رمضان میں حضرت والا کا قیام گھر پر نہیں ہوتا تو یہ فرض آپ کے لائق فرزند حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی انجام دیتے تھے۔[۲] اس طرح حکیم الاسلام کی اہلیہ محترمہ اذکار و اوراد، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ اور تمام ارکان اسلام کی نہایت پابند تھیں اور اسی رنگ میں اپنے پورے خاندان اور گھرانے کو رنگنے کی سعی کرتی رہتی تھیں۔

حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کو اپنی اہلیہ کی طرف سے بڑا ذہنی سکون تھا، بچوں کی پرورش، تعلیم و تربیت اور دیکھ بھال سب اہلیہ نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی، حضرت کو اس طرف سے بالکل آزاد کر رکھا تھا۔ چوں کہ ذہین و ذکی تھیں، اس لئے آپ

---

[۱] حیات طیب

[۲] حیات طیب، ص ۸۷ ج اول

کی راحت رسانی کا پورا خیال اور لحاظ تھا، گجراتی اور ہندی زبان بھی لکھنا اور بولنا جانتی تھیں، دارالعلوم میں گجراتی اور ہندی خطوط آتے تھے تو ان کا ترجمہ آپ اکثر ان ہی سے کراتے تھے۔[1]

جذبہ راحت رسانی

ادب چونکہ نام ہی راحت رسانی کا ہے، جس کے اندر راحت رسانی کا جذبہ ہوگا وہ ہمیشہ باادب ہوگا، حضرت خطیب الاسلام کی والدہ محترمہ میں راحت رسانی کا ایک خاص جذبہ تھا۔ اس لئے ہر شخص کے جذبات کا احترام اس کے مقام ومرتبے کے اعتبار سے فرماتیں، حکیم الاسلام نے اپنی اہلیہ محترمہ کے بارے میں لکھا ہے:

''ان کے ساتھ میری رفاقت ساٹھ سال رہی ہے، اس پوری مدت میں اہلیہ ہونے کے رشتہ سے ان سے اتنا متاثر نہیں تھا، جتنا کہ ان کی ذاتی صلاحیت واستقامت اور جذبہ راحت رسانی واطاعت وغیرہ سے متاثر رہا، خدمت واطاعت میں مزاج شناسی اور نفسیات کی رعایت کا انہیں خاص ملکہ تھا۔ بات سن کر فوراً اس کی تہہ میں پہنچ جانا اور اصولی جواب ان کا خاص رنگ تھا۔ یہی ذہانت تھی کہ عمر کا ایک بڑا حصہ راجپوتانہ میں گذارنے کے سبب گجراتی زبان اور ہندی لکھنے پڑھنے کا خاص ملکہ پیدا کرلیا تھا۔ اکثر دارالعلوم کے ہندی اور گجراتی زبانوں کے خطوط انہیں سے پڑھواتا اور ترجمہ کراتا تھا۔ گجرات کے سفروں، بڑودہ، سورت، راندھیر اور بمبئ وغیرہ میں وہ گجراتی عورتوں کی باتیں بے تکلف سمجھ کر ان سے گجراتی میں بات چیت کرلیتی تھیں۔ اسی ذہانت کا اثر تھا کہ حجاز مقدس کے متعدد سفروں میں معمولی عربی سمجھنے اور ٹوٹی پھوٹی بول لینے میں انہیں تکلف نہیں ہوتا تھا۔ حجاز میں اکثر عرب اور مصری عورتوں سے ٹوٹی پھوٹی عربی میں گھنٹوں بات چیت کرتی رہتی تھیں۔''[2]

حضرت کی اہلیہ شعر بھی کہہ لیا کرتی تھیں، ان کے اشعار میں روانی ہوتی، ان کے کچھ اشعار زیور طباعت سے آراستہ ہوگئے ہیں، جیسا کہ جناب اعظم قاسمی صاحب مدظلہ العالی نے بتلایا کہ والدہ محترمہ کو شعرگوئی کا اور موزوں اشعار برمحل پڑھنے کا خاصا ملکہ تھا اور ان کا شعری ذوق صاف ستھرا تھا،

---

[1] حیات طیب، ص ۸۸، ج اول

[2] حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی، جذبات الم ص ۱۰

حضرت قاری محمد طیب صاحب کے ساتھ اکثر و بیشتر غیر ممالک کے اسفار بھی کئے اور وہ سفر خود ان کے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی یادگار ثابت ہوئے۔

انہی سے حضرت حکیم الاسلام کی نسل کا سلسلہ آگے بڑھا، خود حضرت حکیم الاسلام لکھتے ہیں:

''اولاد کی طرف سے بھی حق تعالیٰ نے انہیں خوش نصیب بنایا تھا۔ انہوں نے اپنی تین پشتیں اپنی زندگی میں پروان چڑھتی دیکھیں۔ بیٹے بیٹیاں، پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں اور ان کی اولادیں ملاکر مجموعی تعداد ۵۱ تک پہنچ گئی۔[۱] اور بعد میں اضافہ بھی ہوا۔ انہوں نے خوشیوں اور مسرتوں کی فضائیں دیکھیں، خود اپنی ساری اولاد کی شادی بیاہ اور کافی حد تک اولاد کی تقریبات وغیرہ سے اپنی زندگی میں فراغت پالی تھی اور یہ کم خوش نصیبی نہیں کہ ان کے انتقال تک ان کی اولاد در اولاد کا عدد ماشاءاللہ ۵۱ تک پہنچا ہوا تھا۔[۲]

خانوادۂ قاسمی کی معمر خواتین کے والدہ خطیب الاسلام پر اثرات

اس موقعہ پر یہ بات بھی ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح حضرت کی والدہ محترمہ اپنے گھرانے سے اپنے بزرگوں کی روایتوں کی امین بن کر آئیں تھیں، اسی طرح نکاح کے بعد ان کی شخصیت میں خانوادۂ قاسمی کی معمر خواتین کے بھی اثرات تھے، کیونکہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے زمانے سے لے کر خانوادہ قاسمی کی خواتین کا کردار یہ رہا ہے کہ انہوں نے نہ صرف اپنی اولادوں کی اسلامی تربیت کی، بلکہ قیام دارالعلوم دیوبند کے بعد باضابطہ اور باقاعدہ مقصد حیات بنا کر ساتھ ساتھ امت کے نونہالوں کی بہترین تربیت فرمائی، یہی وجہ ہے کہ ان کی نسلیں نسلا بعد نسل آفتاب اور ماہتاب بن کر پچھلی دو صدیوں سے اسلامی تاریخ کے صفحات پر اپنے لازوال اور انمٹ نقوش چھوڑتی چلی آرہی ہیں، اور الحمد للہ یہ سلسلہ اسی آب وتاب کے ساتھ جاری وساری ہے، تقوی پر مبنی اسلامی تربیت کی بنیاد بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی والدہ محترمہ نے ڈالی تھی، پھر اس روشن قندیل کو مزید روشن حضرت حجۃ الاسلام کی اہلیہ محترمہ نے فرمایا جو شیخ کرامت حسین صاحب دیوبندی کی صاحبزادی تھیں، اور نہایت سادہ اور خدا ترس خاتون تھیں، جنہوں نے یوم اول ہی سے

[۱] حضرت حکیم الاسلام نے تو یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ دیکھیں۔

[۲] حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی، جذبات الم ص ۱۸، ۱۹۔ راقم الحروف نے حضرت خطیب الاسلام کی والدہ ماجدہ کے بارے میں جو تفصیلات لکھی ہیں وہ بیشتر حیات طیب جلد اول سے مستفاد ہیں۔

اپنے شوہر عزیز حضرت نانوتوی کے زہد واستغناء اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے اپنا سب کچھ قربان کردینے کو اپنی زندگی کی متاع عزیز تصور کر کے اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔

چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ یوم اول میں ہی سے حضرت حجۃ الاسلام کی اہلیہ نے اپنے والدگرامی کے گھر سے لایا ہوا سارا مال حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست پر سرفرازئ اسلام کے لئے قربان کردیا تھا، گھر کے اسی مومنانہ خداترس، علمی اور دعوتی ماحول کا یہ اثر سامنے آیا کہ نکاحوں کے ذریعہ اس خانوادۂ قاسمی کا حصہ بننے والی خواتین بھی آہستہ آہستہ اسی رنگ میں ڈھلتی چلی گئیں، اور ان میں یہ شعور پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا گیا کہ نسل نو کی اصل تربیت مدرسوں، خانقاہوں اور مسجدوں میں نہیں بلکہ نسل نو میں صالحیت، مصلحیت اور نافعیت کے جذبات ماں کی گود سے پروان چڑھتے ہیں اور باپ کے سایہ عاطفت سے ان میں اعتماد پیدا ہوتا ہے، یہ وہ اہم نقطہ ہے جس کی طرف سے آج کل لوگوں کی نگاہیں اوجھل ہیں، اسی لئے نسل نو کی تربیت کے بجائے ماؤں نے مغربیت اور الحادی نظاموں کی اندھی اور مضرت رساں تہذیب کی کورانہ تقلید میں گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر باہر کا راستہ اختیار کرلیا ہے، اور نسل نو کو خادماؤں اور ٹیوٹروں کے حوالے کردیا ہے، بھلا نوکرانیوں نے بھی کبھی بچوں کی جذباتی تربیت کی ہے، اس کے نتائج ہمارے سامنے ہیں، یہ وہ نقطہ ہے جو اس خانوادہ کی ماؤوں کو دوسروں خاندانوں سے ممتاز کرتا ہے۔

والدۂ خطیب الاسلام جن کا نام حنیفہ خاتون تھا کو خانوادۂ قاسمی کی ان عظیم معمر خواتین کا سایہ عاطفت ملا، جن کی صحبت صالحہ سے اللہ نے ان کے اندر صالحیت کے ساتھ ساتھ مصلحیت کی بھی استعداد پیدا فرمادی۔ پھر انہوں نے قاسمی خانوادے کی روایتوں کی پاسداری کرتے ہوئے آئندہ نسل کی انہی خطوط پر تربیت فرمائی جو خانوادۂ قاسمی میں متوارث چلے آرہے تھے۔

والدگرامی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

والدگرامی کا تذکرہ ذرا تفصیل سے اس لئے کیا جارہا ہے کہ حضرت حکیم الاسلام نہ صرف آپ کے والد تھے، بلکہ استاذ بھی تھے کہ جن سے حضرت خطیب الاسلام نے جلالین شریف اور ابن ماجہ شریف پڑھی تھیں، مزید یہ کہ حضرت خطیب الاسلام راہ سلوک میں اپنے والدگرامی کے دست گرفتہ تھے، اور آپ ہی سے مجاز بھی تھے، جس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

حضرت اقدس کی ذات گرامی اور آپ کی ہر دلعزیز بے مثال شخصیت کا مختصر اور چند سطور میں زندگی کے کسی ایک پہلو پر کما حقہ روشنی ڈالنا راقم کے لئے نہایت دشوار ہے چہ جائے کہ ان کی پوری زندگی کو ان سطور میں سمو دیا جائے، راقم کی تو بساط ہی کیا خود میں نے اپنے اساتذہ سے سنا کہ جن کمالات علمی، عملی اور عرفانی نسبتوں کی حامل اور جامع شخصیت حضرت حکیم الاسلام کی تھی ان کو بیان کرنے کے لئے ضخیم جلدیں بھی کسی انصاف پسند سوانح نگار کے لئے یقیناً ناکافی ہوں گی۔ راقم نے مشکوٰۃ شریف کے درس میں اپنے استاذ محترم حضرت مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی دامت برکاتہم العالیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ

''ہم نے بخاری شریف کا کچھ حصہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا، میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ جس وقت مسند حدیث پر حضرت قاری صاحب جلوہ افراز ہوتے اور بخاری شریف کے درس میں کلام فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا''کـأنــه هـو الامـام البخاری''

راقم کا یہ خیال مزید مؤکد ہو جاتا ہے حضرت خطیب بے مثل، امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری (جو اپنی فصاحت کلام طلاقت لسانی اور جامع خطابات کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں) کی اس تقریر سے جو انہوں نے ''خیر المدارس جالندھر'' میں کی وہ فرماتے ہیں:

''اگر حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی جامع الصفات ذات گرامی کو دیکھنے والا قسم کھا کر یہ کہے کہ میں حقائق الاسلام کی حکمت آفرینیوں کے ساتھ حضرت اقدس شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو، کتاب اللہ کے ظاہر و باطن کے انسانیت نواز علوم کے ساتھ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کو، حقائق و احکام اسلام پر ناقابل شکست استدلال کے ساتھ حجۃ اللہ فی الارض شیخ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کو، علم وعرفان کی بہم آمیز جرأت ایمانی کے ساتھ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی کو، عالم بے عدیل حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کو ان کی منفرد قوت حفظ و اتقان کے ساتھ، علم حدیث پر مثالی وسعت نظر کے ساتھ محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کو، بے مثال طلاقت وفصاحت کے ساتھ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو، تفقہ فی الدین اور کمال اتباع سنت کے ساتھ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد احمد صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کو،

فراست ایمانی پر تدبر کامل کے ساتھ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی سابق نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کواور علم وعرفان زہد واتقاءاور فضل وکمال کے پیکر جمالی کے ساتھ حکیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ اشرف علی تھانوی کو دیکھا ہے، تو میرا دل اس پر یقین رکھتا ہے کہ انشاءاللہ وہ عنداللہ حانث نہیں ہوگا۔''[1]

راقم الحروف اور حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے اس یقین کی تائید حضرت حکیم الاسلام کے پیرومرشد شیخ العالم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے اس عرفانی قول وعمل سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت تھانوی کے مرض وفات میں وفات سے دوروز قبل حضرت حکیم الاسلام بغرض عیادت تھانہ بھون تشریف لے گئے اور حضرت حکیم الاسلام کی تشریف آوری پر شدت علالت کی اس حالت میں حضرت تھانوی نے فرمایا کہ آپ کے آنے سے مجھے علالت میں خفت، بدن میں قوت اورروح میں بشاشت بڑھتی ہوئی محسوس ہوئی۔

دوسرے روز حکیم الاسلام نے ایک روز بعد دارالعلوم دیوبند میں مجلس شوریٰ کے اجلاس کی وجہ سے واپسی کا ارادہ حضرت سے ظاہر فرمایااور بعد فجر واپسی کی اجازت خواہی کے لئے حکیم الامت کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے جہاں مولانا شبیر علی[2] بھی تشریف رکھتے تھے، حضرت قاری صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آپ کے پاس سے جانے کو جی تو نہیں چاہتا لیکن مجلس شوریٰ کی وجہ سے جانا بھی ضروری ہے، اس لئے میں بطیب خاطر نہیں بلکہ بضیق خاطر واپسی کے لئے اجازت لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں، یہ سن کر حضرت نے قریب آنے کا اشارہ فرمایااور فرمایا کہ مجلس شوریٰ کی وجہ سے جانا بھی ضروری ہے گو میرا دل بھی آپ کو واپسی کی اجازت دینے کے لئے نہیں چاہ رہا ہےاور پھر حضرت حکیم الاسلام کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوما، پھر آنکھوں سے لگایا، پھر سر پر رکھا جس سے حکیم الاسلام غیر معمولی طور پر مجوب ہورہے تھےاور آبدیدہ بھی، حضرت تھانوی نے آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ یہ میرا وقت اخیر ہےاور یہ ہاتھ میں نے اس لئے چومااور قلب ودماغ پر لگایا کہ اس ہاتھ کے لگانے سے مجھے حضرت اقدس نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد احمدؒ، حضرت شیخ الہندؒ، اور جماعت کے

---

[1] احیات طیب ج۲ص ۱۷

[2] مولانا شبیر علی تھانوی حضرت تھانوی کے حقیقی بھتیجے تھے، مظاہر علوم سہارنپور کے سرپرست اور دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے۔

تمام بزرگوں کی جامع نسبتوں کی برکات اور غیر معمولی سکینت قلب حاصل ہوئی، اللہ رب العزت نے آپ کی ذات میں ان تمام نسبتوں کو جمع فرما دیا ہے، اس وقت جو بھی حضرات وہاں موجود تھے سب پر گریہ طاری تھا۔[۱]

حضرت حکیم الاسلام اس واقعہ کو بیان فرماتے ہوئے آبدیدہ ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت اقدس تھانوی کے اس مشفقانہ عمل کو میں اپنے لئے عظیم سعادت، عظیم شہادت اور وسیلۂ مغفرت سمجھتا ہوں۔

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت تھانویؒ کی حضرت حکیم الاسلام کے بارے میں یہ شہادت دراصل ان کی شخصیت اور ان میں ودیعت شدہ خداداد صلاحیتوں کا بھرپور اعتراف ہے۔ حضرت حکیم الاسلام کی ہمہ جہت خدمات کو دیکھنے اور پڑھنے کے بعد بلا شبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ نہ صرف قاسم العلوم والخیرات کے علوم کے بلکہ ولی اللہی تحریک کے شارح وتمام اکابرین کے علوم کے ترجمان اور تمام اسلاف کی نسبتوں کے جامع تھے۔ حق تعالیٰ شانہ نے ان سے بیک وقت دین کے اتنے شعبوں میں کام لیا کہ انجمنیں مل کر بھی اتنا کام نہیں کر پاتیں، آپ ایک ہی وقت میں خطیب بے مثل بھی، مدرس باکمال بھی، مہتمم لاثانی بھی، محدث جلیل بھی، مفسر بھی، مزکی بھی، معلم بھی اور داعی بھی تھے۔ جناب رسول اللہ ﷺ پر نازل شدہ آیت ﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (سورۃ الجمعہ: ۲) میں عائد شدہ فرائض کے شارح بھی اور ان تمام خصوصیات کے ساتھ ساتھ ایک مصنف اور محقق بھی۔ بقول شخصے

طرفیں رکھے ہے ایک سخن ور چار چار
کیا کیا کہا کریں زبان و قلم سے ہم

حضرت حکیم الاسلام کی مذکورہ صفات کی تفصیلی وضاحت تو یہاں بہت مشکل ہے بلکہ راقم کا قلم ان کو بیان کرنے سے عاجز ہے، ہاں البتہ مجھ جیسے ناکارہ وادنیٰ طالب علم کو ایک سوال ہمیشہ پریشان اور ستاتا رہا خاص طور پر حضرت نانوتوی، حضرت حکیم الامت اور حضرت حکیم الاسلام کے بارے میں کہ ان حضرات نے اکیڈمیوں سے بڑھ کر تنہا اتنا کام کس طرح کیا، بہت غور وفکر اور تجزیہ کے بعد راقم

[۱] مستفاد از حیات طیب، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب مدظلہ العالی ج دوم ص ۱۷، ۱۸۔ اس واقعہ کو مختلف کتابوں میں نقل کیا گیا ہے۔

اس نتیجہ پر پہنچا کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے فضل اوران حضرات کے اخلاص اورمجاہدوں کی وجہ سے ان کے اوقات کار میں ایسی برکت فرمادی تھی کہ ہر ایک سے اپنے حبیب ﷺ کے دین کی تجدید کا کام لیا، ان کو ایسا قبول فرمایا کہ دن کے اوقات میں برکت دے کر ان کو مصروف عمل کردیا اور ان کے اوقات شب میں بھی غیر معمولی برکت رکھ دی، مجھے اس وقت حضرت حکیم الاسلام کا وہ معمول یاد آرہا ہے جس کو میں نے بارہا اپنے گھر کی مختلف مجلسوں میں اپنی والدہ محترمہ سے سنا اور لکھتے وقت اس کی دوبارہ تصدیق کی، یہاں اس معمول کو نقل کردینا مناسب سمجھتا ہوں وہ فرماتی ہیں کہ ''میرا اکثر وبیشتر قیام حضرت مہتمم ابا (قاری محمد طیب صاحب) کے گھر پر اپنی امی کے ساتھ کئی کئی روز رہتا، ایک روز میں رات میں اٹھی تو میں نے دیکھا کہ عمر کے آخری ایام میں موم بتی اور لالٹین دونوں جلی ہوئی ہیں اور حضرت مہتمم ابا تحریر فرمارہے ہیں، میں کافی دیر تک دیکھتی رہتی، سر جھکا ہوا قلم ہاتھ میں جو مستقل جنبش کرتا رہتا تھا، میں نے کمرہ میں آکر گھڑی کی طرف دیکھا تو شب میں تین کا عمل تھا، اس وقت حضرت مہتمم ابا کی عمر ۸۰ سال سے کچھ متجاوز تھی۔[۱]

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی توفیق ان حضرات کے شامل حال ہونے میں ان کی لگن، تڑپ اور آہ سحر گاہی اور اوقات سحر کو کام میں لانے کو بڑا دخل رہا، یہی وجہ ہے کہ ان کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں برکت، زبان میں تاثیر، وقت میں خیر، قلم میں زور اور ان کے قائم کردہ نظام میں عالمینیت رکھ دی گئی، بقول شاعر مشرق علامہ اقبال:

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں[۲]

خود حضرت خطیب الاسلام حضرت حکیم الاسلام کی سوانح ''حیات طیب'' میں رقمطراز ہیں:

''حق تعالیٰ شانہ اپنے ہدایت آفریں علوم بیکراں کو جہاں عادۃً ''علمی طبقات'' میں تقسیم فرما کر ظاہر فرماتے ہیں، وہیں کبھی کبھی خرق عادت کے طور پر کسی تکوینی مصلحت کی تکمیل اس طرح بھی فرمائی جاتی ہے کہ کسی ایک شخصیت کے قلب و دماغ کو کمال ایمان، اعمال اور مکارم اخلاق و

۱؎ یہ واقعہ ماہ جنوری ۱۹۸۱ء کا ہے، یعنی آپ کے انتقال سے تقریباً دوسال قبل کا۔ میری والدہ کی پیدائش بھی ''طیب منزل'' ہی میں ہوئی۔

۲؎ بانگ دراص ۲۰۹

اخلاص کے ساتھ شرعی علوم کا خزانہ بنا کر اس کی تنہا ایک ذات سے بے حساب علمی شخصیات اور لاتعداد علمی طبقات کے برابر کام لے لیا جاتا ہے اور اس کی روحانیت ومعرفت اور اصلاح و ہدایت کے دائرۂ افادیت کو لوگوں کی افرادی تعداد اور زمین کی جغرافیائی حد بندیوں کا پابند نہ رکھ کر اس کی خدمات کو آفاقی اثر آفرینی عطا کر دی جاتی ہے جس سے اس کا فیضان تمام انسانی برادری تک عام ہو جاتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے شیخ العرب والعجم عارف باللہ جامع علوم ومعرفت قطب ارشاد حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب قدس سرہ العزیز سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ذات گرامی کو لاتعداد علمی طبقات کے برابر لافانی ولاثانی دینی خدمات کے شرف سے مشرف فرمایا۔
حضرت والا نے اپنے زبان وقلم سے کتاب وسنت کی روشنی میں تعلیمات اسلام کے عالمگیر و آفاقی حقائق کی وہ صحیح اور مؤثر ترین ترجمانی فرمائی ہے کہ جس نے ایشیاء، افریقہ، یوروپ اور امریکہ کے ایک سو سے زائد ممالک کے کروڑوں سے متجاوز افراد کو دین کا صحیح فہم اور اس پر استقامت عطا کی ہے اور مسلک حق دارالعلوم دیوبند کو فکر ولی اللہی وقاسمی پر اس جامعیت کے ساتھ پیش فرمایا ہے کہ جو بقول علامہ اقبال ''ہر صحیح العقل مسلمان کا مسلک'' قرار پایا۔
حضرت والا اپنے وقیع ووسیع علم ومعرفت اور مؤثر ترین اصلاح وہدایت کے لحاظ سے گذشتہ صدی کی وہ تاریخ ساز عہد آفرین شخصیت ثابت ہوئے کہ جن کی عالمی دینی رہنمائی، بیکراں علم ومعرفت، روحانی انقلاب آفرین اصلاح وہدایت، مثالی دیانت وامانت، بین الاقوامی فکر قاسمی دارالعلوم کا نظم واہتمام، مردم ساز تعلیم وتدریس عالمی مرکزیت ومرجعیت، مدلل ترین تحریر و کتابت مؤثر ترین تقریر وخطابت، ملت اسلامیہ کی دینی نشأۃ ثانیہ اور دارالعلوم دیوبند کو عالمی دینی دانش گاہ بنا دینے والی بے مثال خدمات اور کارناموں کے حوالے سے انیسویں صدی کی ایک مثالی شخصیت تھے۔ عنداللہ مقبول اس فکر قاسمی پر دارالعلوم دیوبند کی عمر کے انسٹھ سال میں پانچ مہتمین نے اپنی مخلصانہ عظیم خدمات کے ذریعے اس 'مدرسہ عربی' کو ملک گیر 'دارالعلوم' کے مقام رفیع تک پہنچایا اور اس کی عمر کے مابعد کے انسٹھ سال میں تن تنہا قطب ارشاد حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ کی جامع الصفات عظیم المرتبت عالمی شخصیت نے بلا شرکت غیرے اس 'دارالعلوم' کو 'عالمی مرکز علوم اسلامیہ' بنایا۔''[1]

---

[1] حیات طیب ج اول ص ۲۰-۲۱

مذکورہ بالا اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت حکیم الاسلام اپنے اندر بے شمار کمالات کے علاوہ بہت سی دیگر علمی، عملی اور عرفانی نسبتیں اور خصوصیات رکھتے تھے، بلکہ اگر ماہرین نفسیات کے اعتبار سے آپ کی شخصیت کا جائزہ لیا جائے تو آپ کی شخصیت ان کے تجویز کردہ اصول وعناصر کے اعتبار سے بھی کھری اترتی ہے، چنانچہ ماہرین نفسیات کے اعتبار سے انسانی عظمت کے بنیادی طور پر تین عناصر ہوتے ہیں، پہلا عنصر فطری صفات سے متعلق، دوسرا عنصر خاندانی ونسبی اقدار واوصاف سے مربوط اور تیسرا عنصر انسان کا اپنی جدوجہد اور کاوش اور محنت سے جڑا ہوا، گویا کہ پہلے دو عنصر وہبی اور تیسرا عنصر اکتسابی، بقول شخصے:

''حضرت حکیم الاسلام اتنے خوش بخت تھے کہ انہیں عظمت کے یہ تینوں عناصر قادر مطلق نے پوری فیاضی سے عطا کردیئے تھے۔''[1]

حضرت حکیم الاسلام کی بے مثال خطابت

ان کی حیات مبارکہ کے متنوع اور مختلف پہلوؤں میں ایک نمایاں اور اہم پہلو خطابت اور وعظ و ارشاد کا ہے، ان کا پروقار انداز، ان کا اسلوب بیان، ان کے علمی، تمثیلی اور لطیف استدلال، شریعت کے اسرار و رموز پر ان کی بصیرت افروز نگاہ، بیان میں شیرینیت، سلاست و فصاحت، وسعت معلومات ان کے اپنے انفرادی امتیازات تھے جن میں ان کا کوئی ثانی اور سہیم وشریک نہیں تھا، بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: ''حضرت حکیم الاسلام عوام کی اصلاح اور وعظ وارشاد میں شیخ وقت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے اسلوب کے متبع تھے، حسن تقریر اور دعوتی واصلاحی رنگ ان کا امتیاز تھا، جس سے ہزاروں انسانوں کو فائدہ پہنچا، ہزاروں دلوں میں دین کے احترام کا جذبہ اور علماء کے متعلق حسن ظن پیدا ہوا، آپ میں خوش بیان مقرر وواعظ وسیع المعلو مات اور نورانی شکل کا مشکل دیکھنے کو ملتا ہے، جس پر پہلی نظر پڑتے ہی قلب نے شہادت دی کہ یہ فطرتاً معصوم ہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان میں ضرر پہنچانے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔''[2]

حضرت حکیم الاسلام کی خطابت پر تبصرہ فرماتے ہوئے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی

---

[1] بیس مردان حق، ص ۷۷۹

[2] پرانے چراغ ج ۳ ص ۱۴۳

رقمطراز ہیں:

''جہاں تک وعظ وخطابت کا تعلق ہے، اس میں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت کو ایسا عجیب وغریب ملکہ عطا فرمایا تھا کہ اس کی نظیر مشکل سے ملے گی، بظاہر ہر تقریر کی عوامی مقبولیت کے جو اسباب آج کل ہوا کرتے ہیں، حضرت حکیم الاسلام کے وعظ میں وہ سب مفقود تھے، نہ جوش وخروش، نہ فقرے چست کرنے کا انداز، نہ پرتکلف لفاظی، نہ لہجہ اور نہ خطیبانہ ادائیں لیکن اس کے باوجود وعظ اس قدر مؤثر، دلچسپ اور مسحور کن ہوتا تھا کہ اس سے عوام اور اہل علم یکساں طور پر محظوظ اور مستفید ہوتے تھے، مضامین اونچے درجے کے عالمانہ اور عارفانہ، لیکن انداز بیان اتنا سہل کہ سنگلاخ مباحث بھی پانی ہوکر رہ جاتے، جوش خروش نام کو نہ تھا، لیکن الفاظ ومعانی کی ایک نہر سلسبیل تھی جو یکساں روانی کے ساتھ بہتی اور قلب دماغ کو نہال کردیتی تھی ایسا معلوم ہوتا کہ منہ سے ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے موتی جھڑ رہے ہیں، ان کی تقریروں میں سمندر کی طغیانی کے بجائے ایک باوقار دریا کا ٹھہراؤ تھا جو انسان کو زیروبم کرنے کے بجائے دھیرے دھیرے بہا کرلے جاتا تھا۔''[1]

اکابرین دیوبند کے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کے بارے میں یہ توثیقی بلند کلمات اور خاص طور پر ان کے پیر ومرشد حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی شخصیت کو حدیث پاک **''مارأہ المؤمنون حسنا فھو عند اللہ حسن''** کی مصداقیت عطا کررہے ہیں، ہمارے اکابرین میں بیشتر حضرات سے بہت مختصر وقت میں حق تعالیٰ شانہ نے وہ کام لئے جنہیں باقاعدہ طور پر اکیڈمیاں اور انجمنیں مل کر بھی اس نہج پر نہیں کرپاتیں جس نہج پر انہوں نے تنہے تنہا انجام دیئے۔ آخر ان کا یہ انتخاب اور ان کے کام اور وقت میں برکت کہاں سے آئی، یہ سوال ذہن میں آتا ہے، اس کا جواب بھی حضرت مرشد تھانوی کے ایک ملفوظ کی روشنی میں دیا جاسکتا ہے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

''اگر ہمارے اکابرین دیوبند کے بارے میں ہم سے کوئی یہ کہے کہ جماعت دیوبند میں اس پائے کا کوئی محدث نہیں جیسا کہ فلاں جماعت میں ہوا تو ہم اس کی بات کو تسلیم کرلیں گے، کہ ہوسکتا ہے آپ کی بات درست ہو، اور اگر کوئی ہم سے کہے جماعت دیوبند میں کوئی ایسا مفسر

---

[1] مولانا تقی عثمانی، نقوش رفتگاں ص:۱۹۲

نہیں جیسا کہ فلاں جماعت میں ہے یہ دعویٰ بھی قابل تسلیم ہوسکتا ہے، لیکن تعلق مع اللہ اور کسر نفسی میں تو ہمارے اکابرین دیو بند کا کوئی ثانی، ہم پلہ اور ہمسر نظر نہیں آتا۔‘‘

یہ تھا حضرت تھانویؒ کا ملفوظ، حقیقت یہ ہے کہ تعلق مع اللہ ہی اس علم کی اساس ہے، جو اکابرین دیوبند کی مقبولیت کی بنیاد ہے، اس سلسلے میں عاجز کا یہ مشاہدہ و تجربہ ہے کہ ان اکابرین کی حصول علم کے وقت ہمیشہ نظر حضرت امام شافعیؒ کے استاذ حضرت امام وکیع کے اس جواب کی طرف رہی، جو انہوں نے اپنے شاگرد رشید کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔ چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں:

شَکَوْتُ اِلَی وَکِیْعٍ سُوْءَ حِفْظِیْ
فَاَرْشَدَنِیْ إلَی تَرْکِ الْمَعَاصِیْ
فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِنْ إلٰهِیْ
وَنُوْرُ اللهِ لاَ یُعْطَیْ لِعَاصِیْ[1]

دراصل تعلق مع اللہ ہی حقیقی علم کی بنیاد ہے، کیونکہ علم حقیقی صفت ہے حق تعالیٰ شانہ کی جب تک بندے کا تعلق اپنے اللہ سے قوی نہ ہو اس وقت تک علم سے شناسائی ناممکن ہے لذت تو کجا؟ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی تعلق مع اللہ کی نسبت بہت قوی تھی، جس کی وجہ سے ان کو علم کی حقیقی لذت معلوم تھی، اور اسی وجہ سے ان کو علم کی دولت سے مالا مال کیا گیا تھا۔ حضرت حکیم الاسلام کو اللہ رب العزت نے کیسا اور کس طرح نوازا تھا، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس واقعہ کے چشم دید گواہ راقم کے والد محترم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتوی بھی ہیں۔ جو اس وقت اسٹیج پر موجود تھے۔

مسلم پرنسل لاء کا رام لیلا گراؤنڈ میں ایک بڑا اہم پروگرام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں منعقد ہو رہا تھا، ہندوستانی مسلم عوام اور ہندو مسلم مایہ ناز مفکرین و ماہرین تعلیم اس میں شریک تھے، ان ہی ماہرین تعلیم میں ایک بہت بڑا نام ’کرشنا مینن‘[2] کا

---

[1] دیوان الإمام الشافعی: ترجمہ: میں نے (اپنے استاذ محترم حضرت امام) وکیع سے اپنے ضعف حافظہ کی شکایت کی، تو انہوں نے مجھے گناہوں کو چھوڑنے کی نصیحت فرمائی، اس لئے کہ علم درحقیقت اللہ کا ایک نور ہے، اور اللہ کا نور کسی گنہگار کو نہیں دیا جاتا۔

[2] یہ بہت زیادہ پڑھا لکھا اور بہت بڑا ایجوکیشنسٹ تھا، اور ہندوستان کے بہت اہم عہدوں پر فائز رہ چکا تھا۔ اس وقت بھی ’انڈین ڈیفینس منسٹر‘ (ہندوستانی وزیر دفاع) کے عہدہ پر فائز تھا۔

تھا، یہ اس پروگرام میں بحیثیت مہمان خصوصی شریک تھے، والد محترم فرماتے ہیں کہ جب حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا صدارتی خطاب شروع ہوا اور حضرت مہتمم صاحب نے بیان کرنا شروع کیا، جس وقت حضرت نے مسلم پرسنل لاء کے بارے میں بتانا شروع کیا تو 'کرشنا مینن' کا حال یہ تھا کہ بار بار اپنی کرسی پر سے اٹھتا اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر داد دیتے ہوئے کہتا ''واہ قاری صاحب واہ، واہ قاری صاحب واہ'' بعد میں اس نے کہا تھا کہ میں نے علم کے اوپر ایسی تقریر پہلی مرتبہ سنی، مومن کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے اندر ایسا کمال پیدا کرے کہ غیر اور دوسرے لوگ بھی اعتراف واقرار کئے بغیر نہ رہ سکیں، ''والفضل ما شهدت به الأعداء''

کیوں پھر رہا ہے راہی منزل کی جستجو میں
اتنا عظیم بن جا کہ منزل تجھے پکارے

حضرت کو ''حکیم الاسلام'' کے لقب سے ملقب کرنا بلا سبب نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے بہت سے حقائق اور اسباب ہیں، اہل مکہ کی کہاوت ہے ''لِأمرٍ ما يَسُودُ مَنْ يَسُودُ'' یعنی کسی کو سیادت اور سرداری ویسے ہی نہیں ملتی بلکہ اس کے اندر بڑی خصوصیات ہوتی ہیں، اس کے پیچھے بہت سے حقائق اور گن ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کو سرداری ملتی ہے۔ اس موقعہ پر ایک اور واقعہ کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے، جس کو راقم نے حضرت مولانا عبدالعلیم راجستھانی مدظلہ العالی سے دوران قیام اجمیر سنا تھا، انہوں نے حکیم الاسلام کا ایک واقعہ سنایا:

حضرت حکیم الاسلام کے دور اہتمام دارالعلوم دیوبند میں کسی موقعہ پر جمعیۃ الطلباء کی طرف سے ہنگامہ آرائی ہوئی، جب حضرت حکیم الاسلام کی انتہائی قوت برداشت اور حکمت عملی کی وجہ سے یہ ہنگامہ فرو ہو گیا، ہنگامہ سرد ہونے کے بعد جب تحقیق کی گئی تو ان میں کچھ طلبہ ایسے قصور وار پائے گئے جو مستحق سزا تھے، مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے قصور وار طلبہ کا اخراج کر دیا، ان اخراج ہونے والے طلبہ میں میرا نام بھی آ گیا، حالانکہ جس روز دارالعلوم دیوبند میں ہنگامہ ہوا تھا اسی روز راجستھان میں میرا نکاح تھا، بہر حال یہ معلوم نہیں کہ کس طرح میرا نام آیا، جب گھر سے شادی کے بعد لوٹا تو میرا اخراج ہو چکا تھا، حضرت مولانا معراج الحق صاحب صدیقی سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند سے میرا خاص خادمانہ تعلق تھا، اور مولانا کے علم میں یہ بات پہلے سے تھی کہ نکاح کے سلسلے میں چھٹی لے کر گھر گیا ہوا ہوں، میں نے سارا واقعہ حضرت مولانا معراج الحق صاحب کو سنایا، وہ اسی وقت مجھے

لے کر دفتر اہتمام میں مہتمم صاحب کے پاس آئے، مولانا نے تمام تفاصیل اور ان ایام میں میری غیر حاضری اور نکاح نامہ مہتمم صاحب کی خدمت میں پیش کیا، اور فرمایا کہ یہ صاحب اس ہنگامے میں شریک نہیں تھے، لہٰذا ان کا داخلہ واپس لے لیا جائے۔ مولانا کی بات سن کر مہتمم صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں انتہائی متانت کے ساتھ ان کی شکایت سنی اور اس کے بعد حضرت حکیم الاسلام گویا ہوئے کہ مولانا! چونکہ اخراج کا واقعہ ابھی تازہ ہے، اور بہت سے طلبہ کا اخراج ہوا ہے، فی الحال میری مجبوری ہے کہ میں فوری طور پر ان کا داخلہ بحال نہیں کرسکتا، ان سے کہیں کہ اسباق میں شرکت فرماتے رہیں کچھ وقت گذرنے کے بعد میں خود ان کو بحال کردوں گا، مولانا معراج الحق صاحب نے اصرار کیا تو بڑے دلچسپ انداز میں فرمایا ''مولانا گھن کے ساتھ چنا بھی پستا ہے۔'' غرض یہ کہ مولانا مجھے لے کر کمرہ پر آئے، مولانا دو تین دن کے بعد مجھے لے کر پھر دفتر اہتمام گئے اور میرے مسئلے کو سامنے رکھا، حضرت حکیم الاسلام نے پھر وہی جواب دیا، ابھی کچھ روز کے لئے توقف فرمائیں، انشاءاللہ العزیز میں داخلہ کو خود بحال کردوں گا، مگر مولانا نے فوری داخلہ بحال کرنے پر اصرار فرمایا، جب حکیم الاسلام نے اس مطالبے پر اصرار کی شدت محسوس کی تو اپنے حکیمانہ مخصوص اسلوب میں مسکت اور منطقی جواب ارشاد فرمایا: ''مولانا حکیم نے مسہل دیا ہے اور جب حکیم مسہل دیتا ہے تو کبھی فاسد مادے کے ساتھ ساتھ صالح مادہ کا بھی اخراج ہوجایا کرتا ہے۔'' حضرت مولانا معراج الحق ہنس کر خاموش ہوگئے اور پھر دفتر اہتمام اس سلسلے میں نہیں گئے۔ بعد میں حضرت حکیم الاسلام نے میرا داخلہ بحال فرمادیا۔

بہر حال حضرت حکیم الاسلام کا اسلوب اور طرز گفتگو ایسا ہوتا کہ مشکل سے مشکل مسائل اور سخت سے سخت مراحل میں سامنے والے کو ایسا مسکت، علمی اور قانع جواب دیتے کہ سامنے والے کے لئے مزید کسی اور سوال و جواب کی گنجائش باقی نہ رہتی۔

راقم الحروف نے جہاں تک حضرت حکیم الاسلام کو پڑھا اور خاندانی طور پر ان کو سنا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضرت حکیم الاسلام اپنے مخاطب کو دو طرح سے مطمئن فرماتے، اور مسکت جواب دیتے، کبھی تو گفتگو فرما کر، اور کبھی اپنے طرز عمل سے، گفتگو فرماتے تو انتہائی مدلل فرماتے کہ جس کے بعد کسی سائل کے دل میں مزید کسی سوال و جواب کی گنجائش باقی نہ رہتی اور کبھی اپنا طرز اسلوب بدل دیتے اور بجائے اس سے کچھ کہنے کے طرز عمل سے جواب دیتے، یعنی قولی جواب کے بجائے طرز عمل سے جواب دیدیتے، اور ان دونوں طرزوں کا ثبوت ملتا ہے جناب رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ اور حیات طیبہ سے۔

دارالعلوم کے سلسلے میں حضرت حکیم الاسلام کا استغناء

عملی جواب کے سلسلے میں مجھے ایک واقعہ حضرت حکیم الاسلام کا یاد آ گیا، میں نے اس واقعہ کو اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی دامت برکاتہم العالیہ سے بار ہا سنا، اوراس واقعہ کے والد محترم چشم دید گواہ ہیں، یہ واقعہ دارالعلوم دیوبند کے دفتر اہتمام کا ہے، ایک صاحب خیر دفتر اہتمام میں تشریف لائے جن کا تعلق ممبئی سے تھا اور وہ دارالعلوم دیوبند میں کافی عرصۂ دراز سے چندہ دیتے تھے، ان کے صاحبزادے یا برادرزادے کے داخلہ کا مسئلہ تھا، انہوں نے شوال میں امتحان داخلہ دیا مگر داخلہ امتحانات میں نام نہیں آ سکا تھا، وہ صاحب خیر ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند کے پاس گئے، اس وقت کے ناظم تعلیمات صاحب نے ان سے کہا کہ اس سلسلے میں آپ حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات کرلیں اس کا اختیاران ہی کو ہے، وہ صاحب خیر حضرت حکیم الاسلام کے پاس دفتر اہتمام میں آئے اورعرض کیا کہ حضرت! اس بچے کے داخلے کا مسئلہ درپیش ہے داخلہ امتحان میں اس کا نام نہیں آ سکا، حضرت حکیم الاسلام نے اپنے مخصوص لب ولہجہ کے ساتھ فرمایا کہ بھائی اس کا کلی اختیار تو مجھے بھی نہیں ہے، ہاں البتہ پرسوں کو مجلس تعلیمی منعقد ہوگئی میں تمام حضرات کے سامنے اس مسئلے کو رکھوں گا، آپ اچھی امید رکھیں۔

اس پرانہوں نے حضرت حکیم الاسلام کو بڑا تلخ جواب دیا اور کہنے لگے واہ صاحب واہ یہ بھی کوئی بات ہے کہ ہم اتنے دن سے دارالعلوم دیوبند کو چندہ دیتے آرہے ہیں اگر ہمارا داخلہ نہیں ہوگا تو پھر کس کا داخلہ ہوگا؟ حضرت حکیم الاسلام نے ان کے اس تلخ جواب پرسکوت فرمایا اور مخصوص انداز میں ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا (حضرت حکیم الاسلام کو جب انتہائی ناگواری ہوتی تھی تو اظہار ناراضگی کا یہ طریقہ تھا کہ جس سے ناراضگی ہوتی بس اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتے اور کچھ نہ فرماتے) اورسامنے ڈیسک سے قلم اٹھایا، اورناظم محاسبی کے نام ایک پرچہ لکھا کہ فلاں صاحب ہیں جن کا نام یہ ہے فلاں مقام سے تعلق ہے ان کا ذرا حساب بنا کر بھیج دیں کہ انہوں نے اب تک دارالعلوم دیوبند کو کتنا چندہ دیا، ناظم محاسبی نے پورا ریکارڈ حضرت حکیم الاسلام کے پاس بھیج دیا، حضرت حکیم الاسلام نے دوسری پرچی لکھی ناظم محاسبی کو حامل رقعہ کے ساتھ ان صاحب کو بھیج رہا ہوں، انہوں نے اب تک جتنا چندہ دارالعلوم دیوبند کو دیا ہے، حساب لگا کر پائی پائی ان کو واپس کردی جائے، دارالعلوم دیوبند کو ان جیسے حضرات کے چندہ کی ضرورت نہیں، ان کی چندہ کی مجموعی رقم اس وقت تک ایک لاکھ سے کچھ

متجاوز تھی، یہ واقعہ ۱۹۶۳ء کا ہے جس وقت ۱۰۰ روپیہ کی بڑی قدر تھی اور مدرسین حضرات کی تنخواہ ہی اس زمانے میں دوسو روپیہ اور ڈھائی سو روپیہ ہوا کرتی تھیں، بہرحال وہ پرچی دارالعلوم کے ملازم کو دیدی اور ان صاحب کو ساتھ روانہ کردیا، یہ صاحب سمجھے کہ شاید میرا یہ تلخ رویہ اور جواب کارگر ہوگیا اور مہتمم صاحب نے داخلہ کی کارروائی کے لئے لکھا ہے، یہ صاحب دفتر محاسبی میں ناظم محاسبی کے پاس پہنچے، ان ملازم صاحب نے وہ پرچہ دیدیا۔ ناظم محاسبی نے اس وقت پرچہ دیکھا اور بحکم مہتمم صاحب حساب لگایا تو دارالعلوم میں کل رقم اس وقت اتنی ہی تھی کہ اگر ان کے مجموعی چندہ کی رقم ان کو واپس کردی جاتی تو کل چار پانچ ہزار روپئے ہی دارالعلوم کے خزانے میں باقی رہ جاتے آگے فی الحال باقاعدہ آمدنی کی بھی امید نہیں تھی، ایک ہفتہ بعد ملازمین واساتذہ دارالعلوم دیوبند کی تنخواہیں بھی دینی ہیں، اور مہینہ کا اخیر ہورہا ہے، آخر یہ نظام کیسے چلے گا؟ یہ سوال ناظم محاسبی کو بار بار پریشان کررہا تھا ادھر حضرت مہتمم صاحب کا یہ حکم تھا کہ ان صاحب کی پائی پائی ادا کردی جائے، ناظم محاسبی کی پریشان خاطری اور ان کے چہرہ کے تأثرات کو دیکھ کر ان صاحب خیر نے معلوم کیا کہ جناب آپ کیوں پریشان ہیں، تو انہوں نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا اور بات کو رفع دفع کردیا۔ ناظم محاسبی اس مسئلے کو لے کر خود دفتر اہتمام تشریف لے گئے اور ان صاحب کو دفتر محاسبی میں بیٹھا دیا، چنانچہ حضرت مہتمم صاحبؒ کو دارالعلوم کے خزانہ کی صورتحال سے آگاہ کیا کہ اگر ان کی مجموعی رقم ان کو واپس لوٹادیں تو دارالعلوم کے خزانہ میں چار پانچ ہزار روپیہ باقی رہ جاتے ہیں، تمام اساتذہ دارالعلوم و ملازمین کی تنخواہیں ایک ہفتہ بعد دینی ہیں تو حضرت کس طرح کام چلے گا۔ حضرت نے پھر یہی فرمایا کہ ان صاحب کی پائی پائی ادا کردی جائے، اس پر ناظم محاسبی نے ایک جملہ مزید فرمادیا کہ حضرت پھر دارالعلوم کا کیا ہوگا وہ کس طرح چلے گا؟ ان کی زبان سے یہ جملہ سن کر حضرت حکیم الاسلام نے جو جملہ ارشاد فرمایا وہ آج کے ذمہ داران مدارس کے لئے انتہائی سبق آموز اور قابل تقلید ہے، یہ جملہ ایسا ہے جس کو سنہرے حروف میں لکھوا کر ذمہ داران مدارس کو دیا جائے اور وہ اپنے اساتذہ کی اس جملے کی روشنی میں تربیت فرمائیں، اس جملے کی روشنی میں دارالعلوم دیوبند کے عالمی فیض کے اسباب کو بھی تلاش کیا جاسکتا ہے، اور راقم الحروف کا خیال تو یہ ہے کہ یہ جملہ حجۃ الاسلام بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور دیگر اکابرین دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کی فکر کا ترجمان ہے جس کو اللہ رب العزت نے حضرت حکیم الاسلام کی زبان حکمت سے ادا کرادیا۔

حضرت نے برجستہ جواب دیا کہ ناظم صاحب یہ تو مجھے نہیں معلوم کہ دارالعلوم کس طرح چلے گا، ہاں البتہ اتنا ضرور یقین کامل ہے کہ دارالعلوم دیوبند چلے گا اور ضرور چلے گا، لیکن ان صاحب کی پائی پائی ادا کردی جائے۔'' کیونکہ دارالعلوم کو ان کے چندے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کو دارالعلوم کی ضرورت ہے۔

چنانچہ ناظم محاسبی نے ان صاحب خیر کی وہ تمام رقم واپس کردی جو انہوں نے اب تک دارالعلوم دیوبند کو دی تھی، ناظم محاسبی کے بیان کے مطابق ان صاحب نے اس رقم کو لینے سے انکار کردیا تو ناظم صاحب نے ان سے کہہ دیا کہ اس سلسلے میں آپ حضرت مہتمم صاحب سے رابطہ فرمالیں، میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کرسکتا، چنانچہ وہ صاحب دفتر محاسبی سے دفتر اہتمام تشریف لائے اور حضرت مہتمم صاحب سے فرمانے لگے کہ میرا مطلب یہ نہیں تھا، اس پر حضرت مہتمم صاحب نے ان سے معذرت فرمائی کہ دارالعلوم دیوبند فی الحال آپ کے چندہ یا کسی بھی طرح کا تعاون لینے سے قاصر ہے۔ یہ نظام آپ کے بھروسے نہیں چلتا، اللہ اس کو چلاتا ہے۔ پھر حضرت نے ان سے معذرت فرمالی، یہ تھا ہمارے اکابرین کا کردار اور ان کا شان استغنا، یہی وہ کردار ہے جو کسی بھی طرح دارالعلوم دیوبند کی بنیاد کو متزلزل نہیں ہونے دیتا، اور بڑے سے بڑے دشمن اور باطل طاقتیں اس کی بنیاد ہلانے میں ناکام رہتی ہیں، اور یہ عاجز وثوق سے یہ کہہ سکتا ہے کہ جب تک دارالعلوم دیوبند کو یا دیگر مدارس دینیہ کو اپنے ان اکابرین کے نقش قدم پر چلاتے رہیں گے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتیں اس کا بال بیکا نہیں کرسکتیں، اس کی بنیاد اگر خدانخواستہ ہلی تو وہ صرف اور صرف داخلی نظام کے خراب ہونے کی وجہ سے ہلے گی، جب ہمارے اندر مادیت آجائے گی، جاہ پرستی ہوگی، انتشار واختلاف ہوگا، اپنے رائے کو ترجیح دی جانے لگے گی تو اس وقت خوف خدا ہمارے دلوں سے نکل جائے گا اور دشمن کا خوف ہمارے دلوں .میں ڈالدیا جائے گا، پھر وہ ہماری بنیادوں کو مل کر ہلائیں گے، حقیقت یہ ہے کہ یہ لمحہ ہم سب کے لئے لمحۂ فکر یہ ہے، اگر ہم نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور صحیح طور پر قیادت کا حق ادا کردیا۔

تو سب کچھ آج بھی ان کا ہے زیر چرخ مینائی
درحق کی غلامی میں ہے دنیا بھر کی آقائی

اور اگر ہم ہی داخلی اعتبار سے خراب ہو گئے تو ہم سے یہ سوال ضرور ہوگا

تو اِدھر اُدھر کی نہ بات کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لُٹا
مجھے رہزنوں سے گلہ نہیں تیری رہبری کا سوال ہے

حضرت کا جواب دینے کا یہ طریقہ دراصل مستنبط تھا سیرت پاک ﷺ سے، رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی شخص افہام وتفہیم سے نہیں مانتا تھا تو اس کو عملی جواب دے کر خاموش کر دیتے اور عملی جواب آپ کا اس قدر جامع ہوتا کہ سامنے والا بھی مطمئن ہو جاتا اور اسی جواب میں دعوت دین بھی ہو جاتی، چنانچہ ایک داعی، ایک معلم اور ایک مزکی کے لئے ضروری ہے کہ وہ سامنے والے کو قانع جواب دے کر خاموش کر سکے یہ جواب کبھی زبانی ہوگا اور کبھی اپنے کردار وعمل سے۔

حضرت حکیم الاسلام کا بنگلور میں ایک خطاب اور آپ کا حلم

مجھے اس عنوان پر ایک واقعہ یاد آ گیا جس کو میرے بھائی جان جناب ڈاکٹر مولانا محمد اویس صدیقی صاحب نے حضرت مولانا ولی اللہ رشادی صاحبؒ صاحبزادۂ جناب مولانا ابوالسعود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سرپرست معدن العلوم وانم باڑی سے سنا۔

حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سفر وانم باڑی، بنگلور، آمبور، وشارم وغیرہ کا تھا، حضرت حکیم الاسلام وہاں تشریف لے گئے تھے، ان ہی تاریخوں میں بنگلور میں ایک بڑا تبلیغی اجتماع تھا، جس میں بڑے بڑے اکابرین مرکز نظام الدین سے تشریف لے گئے تھے، حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ بھی اس اجتماع میں موجود تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کو معلوم ہوا کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اس علاقہ میں تشریف لائے ہوئے ہیں، حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا کہ کیوں نہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر حضرت حکیم الاسلام سے استفادہ کیا جائے، چنانچہ ان اکابرین نے حضرت حکیم الاسلام سے رابطہ کیا اور اس موقعہ پر خطاب کی درخواست کی، حضرت حکیم الاسلام نے فرمایا: مجھے حاضر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ میں اپنے میزبان کے نظام کے تابع ہوں، اگر وہ اجازت دیدیں تو میں حاضر ہو جاؤں گا، چنانچہ حضرت کے میزبان سے اجازت لے لی گئی اور یہ طے ہوا کہ اس عظیم تبلیغی اجتماع میں خطاب حضرت حکیم الاسلام کا بھی ہوگا۔ چونکہ مولانا ولی اللہ رشادی مرحوم، حضرت مولانا سعود صاحب قاسمی کے صاحبزادے تھے، اس لئے حضرت حکیم الاسلام کے بحیثیت خادم ساتھ تھے۔ ان کا

بیان ہے کہ جس وقت حضرت حکیم الاسلام جلسہ گاہ میں پہنچے اور اسٹیج پر چڑھنے لگے تو ایک صاحب نے جن پر نیا نیا دین کا غلبہ تھا حضرت حکیم الاسلام سے براہ راست دریافت کیا کہ آپ نے چلہ لگایا یا نہیں، بس اس کی طرف اپنے مخصوص انداز میں آنکھ اٹھا کر دیکھا اور سیدھے اسٹیج پر پہنچ گئے، حضرت حکیم الاسلام کا اسٹیج پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور امیر تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ نے استقبال کیا، اس کے بعد حضرت حکیم الاسلام نے دعوت وتبلیغ کے موضوع پر ساڑھے تین گھنٹے بیان فرمایا، جس بیان کو سننے کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی نے فرمایا تھا کہ اب تک ہم لوگ دعوت وتبلیغ کا کام کرتے آرہے تھے لیکن حضرت حکیم الاسلام کے بیان سننے کے بعد آج پہلی مرتبہ معلوم ہوا، ہمارا یہ دعوت وتبلیغ کا کام قرآن وحدیث سے اتنا مدلل ہے۔ یہ واقعہ جہاں حضرت حکیم الاسلام کی فن خطابت پر مہارت اور قدرت علی الکلام کو بتاتا ہے وہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کمال حلم کے پیکر تھے۔

ایک اور اہم واقعہ

عمر مبارک کے آخری ایام میں ایک شخص نے اپنی کم ظرفی اور کم مائیگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک بے سروپا داستان نہایت متعفن لب و لہجے میں اپنے اخبار میں شائع کی، دیوبند کے دو نامور صحافی اس وقت وہ اخبار لے کر سیدھے خدمت اقدس میں آئے، اخبار ان کے ہاتھ میں تھا، عادت یہ تھی کہ جو چیز پڑھنے کو ملتی اس کو پورا پڑھ لیتے، مصروف مطالعہ ہوگئے، پورا مضمون پڑھا، مضمون پڑھنے کے بعد لب ہائے مبارک پر دلنواز مسکراہٹ کھل گئی، دریافت فرمایا کہ یہ اخبار کچھ بک بھی جاتا ہے، دونوں نے عرض کیا کہ حضرت بکتا ہے اور پڑھا جاتا ہے، اسی وجہ سے تشویش ہوئی، اور آپ کی خدمت اقدس میں تردید کے لئے حاضر ہوئے ہیں، مگر عادت شریفہ کے مطابق، دونوں کی توقع کے خلاف لبوں پر یہ دلنواز جملہ آیا، فرمایا: بھائی یہ میری کتنی بڑی سعادت ہے کہ لوگ مجھے گالیاں دے کر اپنا پیٹ پال رہے ہیں، اور مجھے مفت کا ثواب مل رہا ہے۔[1]

فارسی میں طویل خطاب اور تائید من اللہ

حضرت حکیم الاسلام کو دراصل تائید من اللہ اور معیت حق حاصل تھی، جس کا احساس گاہ بگاہ حق

[1] احیات طیب ج ا ص ۳۱۲

تعالیٰ شانہ کی طرف سے ان کو ہوتا رہتا، تائید من اللہ بلکہ ملہم من اللہ ہونے پر مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا، حضرت حکیم الاسلام کے آبائی وطن قصبہ نانوتہ کے قریب پانچ چھ کلومیٹر کے فاصلہ پر خان صاحبان کا ایک گاؤں آبہہ ہے، ابھی ایک ماہ قبل راقم الحروف کا اس گاؤں میں جانا ہوا تو مجھے بھائی عامر خان نے ایک واقعہ سنایا، حکیم الاسلام اکثر و بیشتر اپنے آبائی وطن نانوتہ میں آم کے موسم میں ضرور تشریف لاتے اور اپنے خاندان والوں کے ساتھ ایک دو روز قیام فرماتے، اسی آم کے موسم میں آبہہ والوں نے بھی حضرت کو آموں کی دعوت دی، اس موقع پر مسجد میں آبہہ والوں نے بیان کی بھی درخواست کی، تو حضرت نے غالباً ''نسبتوں کی اہمیت'' کے عنوان پر بیان فرمایا اور اسی موقع پر اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ''میرا سفر افغانستان کا ہوا، وہاں ایک بیان رکھا گیا، بیان عشاء کے بعد تھا، میں اس بیان سے متفکر تھا کیونکہ بیان فارسی زبان میں کرنا تھا، دوپہر کھانے کے بعد جب قیلولے کے لئے لیٹا تو خواب میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کو دیکھا کہ وہ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ میرے بیٹے تو کیوں متفکر ہوتا ہے اللہ کا نام لے کر بیان شروع کرنا اور اس کے بعد میری پیٹھ تھپتھپائی، میں خواب سے بیدار ہوا تو قدرے سکون ہوا، کیونکہ یہ میرے لئے فارسی زبان میں بیان کرنے کا پہلا موقع تھا۔

بہرحال عشاء کے فوراً بعد میں بیان کے لئے بیٹھ گیا، بس بیان کا شروع ہونا تھا کہ مضامین اور اس کے مناسب الفاظ کی ایسی آمد ہوئی کہ ساڑھے تین گھنٹے میرا بیان فارسی میں ہوا، اور ان ساڑھے تین گھنٹہ کے بیان میں تسلسل مادری زبان کی طرح رہا، اس واقعہ کو سنانے کے بعد حضرت حکیم الاسلام نے فرمایا کہ یہ حضرت نانوتویؒ کا قلبی فیضان تھا، اس واقعہ سے جہاں یہ پتا چلتا ہے کہ نسبتوں کا فیض جاری رہتا ہے، وہیں حضرت قاری صاحبؒ کی شخصیت کا ملہم من اللہ ہونا بھی ان واقعات کی رو سے ایک امر واقعہ ہے، جس میں انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

حکیم الاسلام کی خطابت کے سلسلے میں عاجز کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اپنے زمانۂ طالبعلمی کا ایک اور واقعہ یاد آ گیا تذکرہ کرتا چلوں، تار بنگلہ پر پروفیسر ڈاکٹر نعیم صاحب اور کچھ دیگر پروفیسر صاحبان بیٹھے ہوئے تھے عاجز بھی وہیں موجود تھا، کچھ دیر بعد ڈاکٹر نعیم صاحب نے خاندانی حوالوں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اور دیگر خاندانی بزرگوں کی نسبتوں سے میرا تعارف کرایا۔ تو پروفیسر خورشید صاحب بولے: صاحب! میں اور ہمارے ڈاکٹر صاحب (یعنی ڈاکٹر نعیم صاحب) حضرت قاری محمد طیب صاحب کے بیان میں موجود تھے جو

یونیورسٹی کیمپس کینیڈی ہال میں ہوا تھا، ہم نے آج تک ایسی تقریر یا ایسا لکچر سائنس کے موضوع پر کسی بڑے سے بڑے سائنس داں سے نہیں سنا اور طرفہ تماشا یہ کہ اس پروگرام میں کچھ کمیونسٹ لوبی کے حضرات بھی تشریف رکھتے تھے جو موقع بموقعہ دینی لوگوں کا مذاق اڑاتے تھے، ڈاکٹر خورشید فرمانے لگے میں نے اسٹاف کلب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ان لوگوں کو اس خاندان کے علم وفضل اور خاص طور پر حضرت حکیم الاسلام کے بارے میں کہتے ہوئے سنا کہ سائنس کے موضوع پر ہم نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں کسی پروفیسر کا ایسا لیکچر نہیں سنا، واقعی (مولانا طیب صاحب) مہتمم دارالعلوم دیوبند کے علم وفضل کا ہم اقرار واعتراف کرتے ہیں۔''

حضرت کے اس تفصیلی خطاب کا مختصر عنوان میں اگر خلاصہ کیا جائے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ سائنس کا موضوع ''مادہ اور اس کے عوارض ذاتیہ'' سے بحث کرنا ہے، اور بس جو بھی مادیات میں زیادہ سے زیادہ منہمک رہ کر ان کے خواص وآثار سے کام لینے والا ثابت ہوگا وہی سب سے بڑا سائنس دان اور بہترین ماہر سائنس کہلائے جانے کا مستحق ہوگا۔[۱]

بہرحال حضرت حکیم الاسلام کو اللہ رب العزت نے بیان کا خاص ملکہ عطا فرمایا، بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ فن بھی حضرت کو بطور الہام ملا تو ان کے زیادہ مناسب حال ہوگا، بقول شاعر:

تیرے تفکر میں قرن اول کی عظمتوں کا نشان ملے گا
تیری خطابت میں عبرتوں کا تصور جاوداں ملے گا
مثلِ خورشید فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزادہ معانی میں دقیق

یوں تو راقم الحروف کے پاس حضرت حکیم الاسلام کے تعلق سے بہت سا مواد خاندانی روایات اور واقعات کی شکل میں محفوظ ہے جن کا تذکرہ یہاں نہیں کروں گا، سردست جو واقعات ذہن میں آئے ان کا نہایت اختصار کے ساتھ تذکرہ کردیا گیا۔[۲]

۱؎ حیات طیب بحوالہ مولانا ادریس صاحب ہوشیارپوری، خطابات حکیم الاسلام ج ۳ ص ۲۴۱
۲؎ ان واقعات کو سپرد قلم اگر کیا جائے تو مستقل ایک کتاب تیار ہوجائے۔

حضرت حکیم الاسلام کی تصانیف

اس کے علاوہ حضرت نے اپنی تصانیف وتالیفات کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ چھوڑا ہے، ان میں بعض کتابیں مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض کتابیں ایسی ہیں جو ان کی تقریر کو مرتب کر کے کتاب کی صورت میں چھاپی گئی ہیں، ذیل میں ان کی چند تصانیف کی ایک فہرست دی جارہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تصانیف کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ مطبوعہ کتابوں کی صورت میں موجود ہے۔

۱۔تعلیمات اسلام اور مسیحی اقدام
۲۔التشبہ فی الاسلام
۳۔اسلام کا اخلاقی نظام
۴۔اسرائیل کتاب وسنت کی روشنی میں
۵۔اصول دعوت اور اسلام
۶۔انسانیت کا امتیاز
۷۔ایک قرآن
۸۔حدیث رسول کا قرآنی معیار
۹۔خاتم النبیین
۱۰۔روایات الطیب
۱۱۔سائنس اور اسلام
۱۲۔شان رسالت
۱۳۔شہید کربلا و یزید
۱۴۔علم غیب
۱۵۔علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج
۱۶۔مسلک علماء دیوبند
۱۷۔فلسفہ نماز

۱۸۔کلمہ طیبہ

۱۹۔مقالاتِ طیبہ

۲۰۔اسلامی آزادی

۲۱۔عالمی مذہب

۲۲۔مقامات مقدسہ

۲۳۔خطبات حکیم الاسلام

۲۴۔نونیۃ الآحاد

۲۵۔فلسفہ نعمت ومصیبت

۲۶۔دارالعلوم کا فتویٰ اوراس کی حقیقت

۲۷۔اسلام اورفرقہ واریت

۲۸۔سفرنامہ افغانستان

۲۹۔عرفان عارف (شعری مجموعہ)

ان میں سے ہرایک کتاب اسلامی علوم ومعارف کا بیش بہا خزینہ اورعلم وحکمت سے لبریز ہے۔

بہرحال حضرت حکیم الاسلام کواللہ رب العزت نے تمام ترخوبیوں سے نوازا اورمجمع کمالات بنایا تھا،اپنے اسلاف اورصالحین کی تمام خصوصیات وکمالات آپ میں موجود تھے۔

چنانچہ مولانا شیرمحمد امینی کا ایک اقتباس یہاں نقل کیا جارہا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت کو کس قدرخوبیاں رب قدیر نے مرحمت فرمائی تھیں،مولانا لکھتے ہیں:

’’غرض حضرت کی زندگی اپنے کمالات معنوی وظاہری کے ساتھ حد درجہ وسیع اور ہمہ گیر ہے، ان کے اخلاق و اعمال، ان کی تدریس، ان کی مطبوعہ و غیرمطبوعہ تصانیف، افریقہ، امریکہ، لندن اورغیرممالک عرب تک ان کے اصلاحی مواعظ، دارالعلوم میں ان کی ساٹھ سالہ خدمات، دارالعلوم کی علمی اورعملی زندگی کومنظم کرنے کے لئے ان کی خصوصیات، ان کی دیانت، حلم و بردباری،شرافت طبعی اورشرافت نسبی،جمعیۃ العلماء ہند کےتعمیری دورےان کی وابستگی اوراس کے بہت سے اجتماعات میں ان کے معرکۃ الآراء خطابات،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں مذہبی شعور کے احیاء کے لئے ان کی خدمات،مسلم پرسنل لاء بورڈ کے پلیٹ فارم پرمسلمانوں کے

شخصی اور قومی حقوق کے تحفظ کے لئے ان کا قائدانہ کردار، دارالعلوم کا بے مثال صد سالہ اجتماع، جو اس کا نقطہ عروج تھا اور جسے دیکھ کر مسلمانوں کے شاندار مستقبل کا اندازہ کر کے مخالفین نے دارالعلوم کے زوال کے لئے حالات پیدا کئے، اپنے اساتذہ کرام کا احترام اور ان کی اولاد سے ان کا مشفقانہ طرز عمل، طلبہ علوم دینیہ پر ان کی لگاتار شفقت، اپنے مخالفین و معاندین سے چشم پوشی کی عادت، ان کے لاتعداد ملکی و غیر ملکی سفر، مسلم لیگ اور کانگریس کے سیاسی نزاعات کے تحریکی دور میں دارالعلوم کے مفاد کی خاطر ان کا محتاط طرز عمل، دارالعلوم کے معاملات میں ان کے بے نظیر تدبر اور مدبرانہ حکمت عملی کے صدہا واقعات، نرمی اور شفقت کے ساتھ دارالعلوم کے سینکڑوں افراد پر مشتمل عملہ سے ان کی درسی اور انتظامی خدمات کی تکمیل کرا لینے کا مخصوص طریقہ، یہ سب عنوانات حضرت والا کی سدابہار زندگی کے پھیلے ہوئے گوشے ہیں جن میں سے ہر ایک پر تفصیلی مضمون لکھا جا سکتا ہے۔''[1]

سہل ہے میر کا سمجھنا کیا
ہر سخن اس کا اک مقام سے ہے

میں نے چند وہ باتیں جو خاندانی طور پر اپنے گھر والوں سے حضرت حکیم الاسلام کی بابت سنی ہیں نہایت اختصار کے ساتھ تذکرہ کر دیا، گرچہ ان کے علاوہ بہت سی خاندانی روایات ہیں، جن کا تذکرہ کسی اور موقع پر کروں گا، حضرت حکیم الاسلام کے تفصیلی حالات پڑھنے کے لئے ''حیات طیب'' کی طرف رجوع فرمائیں۔

وفات

۱۴۰۳ھ ۶ شوال، ۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء کو وہ وقت بھی آ گیا کہ کل نفس ذائقة الموت اور انک میت وإنهم میتون کا خدائی قانون کا عملی نفاذ ہوا، اور اس طرح حضرت حکیم الاسلام اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے ہیں۔ فإنا للہ وانا الیہ راجعون

وقد فارق الناس والأحبة قلبنا
وأعيي دواء الموتِ كل طبيب[2]

[1] حیات طیب، ج دوم، ص ۳۰۸، مولانا شیر محمد امینی کے مضمون کا ایک اقتباس۔
[2] دیوان المتنبی

حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت سازی میں ان کے والد گرامی کی اس عالمانہ، مجاہدانہ، داعیانہ اور مومنانہ زندگی کا انتہائی درجہ اثر ہے، اور آپ کی ذہنی ساخت و پرداخت بھی والد گرامی کی اعلائے کلمۃ الحق کے لئے شبانہ روز کوششوں، اعلیٰ ظرفی اور اعلیٰ کردار کا بہت بڑا دخل ہے، کیونکہ زندگی کے ساٹھ سال انہی کے سایۂ عاطفت میں گذرے، مزید برآں حضرت خطیب الاسلام راہ سلوک میں بھی والد گرامی کے دست گرفتہ تھے، جس کی وجہ سے حضرت خطیب الاسلام ان کی زندگی کے پرتو تھے۔ جس کی جھلک حضرت خطیب الاسلام کی تحریر وتقریر اور طرز معاشرت میں واضح تھی۔

شخصیت کی تعمیر کا تیسرا اہم عامل: خانوادۂ قاسمی کا علمی وتعلیمی اور دعوتی ماحول

اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ انسان کی شخصیت کی تعمیر میں چند اہم عوامل کارفرما ہوتے ہیں اور جو کسی بھی انسان کو نکھار دیتے ہیں، وہ تمام عوامل حضرت خطیب الاسلام کو میسر تھے، انہی عوامل میں خداداد صلاحیتیں، والدین کا اچھا اور باشعور ہونا بھی ہے جس کا اندازہ گذشتہ صفحات سے ہوگیا ہوگا، ایسے باشعور اور خداترس والدین کی موجودگی میں ماحول کے بارے میں بہت کچھ لکھنے کی ضرورت تو باقی نہیں رہ جاتی، لیکن نسل نو کی تعمیر کے لئے اس پاکیزہ ماحول کے بارے میں چند باتیں عرض کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور درحقیت حضرت خطیب الاسلام کی سوانح لکھنے کا مقصد بھی یہی ہے، ہماری آئندہ نسلوں کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہوجائے کہ آئندہ نسل کی اسلامی خطوط پر تربیت کے لئے والدین کو انتہائی فعال اور باشعور ہونے کی ضرورت ہے، اور ان روایات کو جاننا بھی ازحد ضروری ہے جن کو اختیار کرکے ہمارے یہ اکابر ایسے بنے کہ جن سے تعلق ہونے پر زمانہ ناز کرتا ہے، اور جن کی صحبتیں اور مجلسیں انسان کی صحیح سمت میں راہ نمائی کرتی ہیں، ورنہ حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ کی عظیم خوبیوں سے ایک زمانہ واقف ہے، جس کا ثبوت وہ تعزیتی پیغامات ہیں جو حضرت کے انتقال پر آئے، اور جنکا کچھ حصہ شامل کتاب بھی کیا گیا ہے۔

خانوادہ قاسمی کے گھریلو ماحول کے سلسلے میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کہ حضرت حکیم الاسلام کا ایک اقتباس نقل کردیا جائے حکیم الاسلام اپنی تعلیم وتربیت اور اساتذہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''چودھویں صدی ہجری کے شروع اور اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں میری پیدائش ایسے ماحول میں ہوئی کہ ہندوستان کی قدیم تہذیب وتمدن کے سانچے ٹوٹ رہے تھے اور ایک نئ

تہذیب وتعلیم کا غلغلہ تھا۔ میری پیدائش میرے جدامجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کے گھرانہ میں ہوئی ہے، جو اپنے وقت میں علم ودین کے مجدد تھے اوران کی زندگی سادہ، توکل پسندی، کم سے کم اسباب معیشت اور جفاکشی کا نمونہ تھی۔ ان کی اہلیہ محترمہ میری دادی صاحبہ حضرت نانوتوی کے فیضان صحبت اور رفاقت سے براہ راست مستفید تھیں، دادی صاحبہ اپنی عبادت وریاضت سخاوت، کشادہ دلی، شعائر دین پر پختگی، نماز، روزہ، ذکر واوراد کی پابندی میں اپنی مثال آپ تھیں'' میرے والد محترم مرحوم ومغفور حضرت مولانا احمد صاحب اوران کی والدہ صاحبہ میری دادی مرحومہ کے زیرسایہ مجھے تعلیم و تربیت نصیب ہوئی۔ ان کی ساری ضروریات زندگی میں بے حد سادگی، مزاجوں میں انکساری اور تواضع کے ساتھ ان سینکڑوں طلباء دارالعلوم کے لئے جو ملک و بیرون ملک سے لمبی لمبی مسافتیں طے کرکے آتے اور دارالعلوم میں جمع ہوتے تھے، میری دادی صاحبہ والدہ مرحومہ اور سارے گھرانہ کی طرف سے غیر معمولی شفقت اور ہر وقت ان کی تعلیمی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی دھن تھی۔ بس یہی ماحول تھا جس میں میں نے آنکھ کھولی، والد مرحوم[1] کا یہ ایک قصہ ضرور قابل ذکر ہے کہ دارالعلوم کے ایک طالب علم نے دھلے ہوئے گیلے کپڑے سکھانے کے لئے دارالعلوم کی مسجد میں ڈالے، والد صاحب مرحوم نے دیکھا تو خفا ہوئے اور ڈانٹ ڈپٹ کی۔ مگر بعد میں آپ نے جذبۂ ترحم سے اپنی سخت گیری پر جو صرف مسجد کی حرمت کے لئے تھی اتنے متأسف ہوئے کہ اس طالب علم کو بلاکر اس سے معذرت کی اور کئی ہفتے اپنے ساتھ کھانے میں شریک رکھا۔ یہ گویا طلبائے دارالعلوم کے حق میں ان کی پدرانہ شفقت کا ایک بے اختیارانہ جذبہ تھا۔ جو طلبہ میں معروف تھا۔[2]

اس اقتباس سے خانوادہ قاسمی کی عمومی فضاء، پاکیزگی، فرائض کا اہتمام، عبادت وریاضت، تعلق مع اللہ وتعلق مع الخلق کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت خطیب الاسلام اسی گھرانے کے تربیت یافتہ اور پروردہ ہیں، جس نے ان میں اخلاص، للّٰہیت، توکل علی اللہ، صدق حال ومقال کی کیفیت، حلم وبردباری، استقامت فی الدین، بالغ نظری،

---

[1] والد مرحوم سے مراد حضرت مولانا احمد نانوتوی صاحب ہیں جو حضرت حجۃ الاسلام کے فرزند تھے۔

[2] ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

عالمینی فکر، بصیرت کے ساتھ حکمت و تدبیر، عفو و درگذر، علم ومعرفت، نکتہ آفرینی و بذلہ سنجی، جذبۂ نافعیت وجذبۂ ترحم جیسی اہم صفات پیدا کردی تھیں، یہی وجہ ہے کہ ہمیں حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت میں چند اہم پہلو خاص طور پر نمایاں نظر آتے ہیں:

(الف) امت مسلمہ کے مختلف مسالک و مذاہب اور نظریاتی گروہوں کی تکفیر وتفسیق، تحقیر و تنقیص اور توہین و تذلیل کی روش سے اجتناب و احتیاط اور ان کے تیئں توازن و اعتدال کا رویہ، نفرت کے بجائے محبت، دوری کے بجائے قربت اور ناانصافی کے بجائے انصاف کی راہ اختیار کرنے کی حکمت۔

(۱) انسانیت کے حق میں کسی بھی علم نافع کی افادیت کا اقرار اور اس کی اہمیت کا اعتراف۔

(۲) معاشرہ کے ہر طبقہ سے ربط وتعلق اور ان کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش۔

(۳) عالمی مسائل کا حل اور امت مسلمہ کے حالات پر مسلسل نظر۔

(۴) توکل علی اللہ صدق حال ومقال کے ساتھ متواضعانہ زندگی۔

(۵) بڑوں کا حد درجہ ادب اور چھوٹوں پر شفقت اور خورد نوازی۔

(۶) اعلاء کلمۃ الحق کے کام کرنے والوں کی ہر اداء سے حوصلہ افزائی۔

خانوادۂ قاسمی کی علمی وتعلیمی فضاء کیا تھی اس پر کچھ لکھنے سے بہتر اتنا عرض کردینا کافی ہوگا کہ جس خانوادہ میں اساطین علم نے رہ کر اپنی علمی تشنگی دور کی ہو، جس گھر میں اہل علم کی تربیت ہوئی ہو، بلکہ ان کی شادیاں بھی اسی گھرانہ کی مرہون منت ہوں، چنانچہ خود حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند مزید لکھتے ہیں:

"میرے آباء واجداد نے طلبۂ علوم دینیہ کو اپنی اولاد کی طرح پالا ہے اور یہاں تک کہ بعضوں کی شادیوں کی تقریبات بھی خود انجام دیں، کتنے ہی علماء وفضلاء ہیں جن کی مجالس نکاح ہمارے گھر پر آراستہ ہوئیں، حضرت قبلہ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی شادی بھی میرے والد صاحب کے زیر انتظام ہوئی، حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی[2] مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد خود دیوبند

[1] ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

[2] حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ڈاکٹر رفاقت علی صاحب مدنی کے صاحبزادے اور جید عالم دین تھے، حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

کے ایک اونچے خاندان کے فرد تھے ان کی تقریب شادی بھی میرے والد صاحبؒ نے کی، غرض کہ میرا گھرانہ علماء وفضلاء عصر کا مورد تھا، دوسرے متعدد علماء وفضلاء نے سالہا سال تک میری دادی صاحبہ اور والدہ صاحبہ کے زیر سایہ راحت وآرام سے وقت گذارا۔ تعلیمی زندگی میں مجھے وقت کے یگانۂ روزگار علماء وفضلاء کرام سے استفادہ کا موقع ملا۔“[۱]

حضرت حکیم الاسلام کے اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا گھرانہ بھی تمام جماعت علماء دیوبند کا ماویٰ وملجا اوران کے لئے مرکزیت کا درجہ رکھتا تھا، چنانچہ حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا احسن امروہوی، حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، حضرت علامہ شبیر عثمانی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا حسین احمد مدنی وغیرہم اس گھرانے کی علمی وتعلیمی فضاء میں رہ کر پروان چڑھے۔

ایسی نابغۂ روزگار شخصیتوں کا اس گھرانے میں تعلیم وتربیت حاصل کرنا خانوادۂ قاسمی کی علمی و تعلیمی فضاء کے عام ہونے پر شاہد عدل ہے۔ خانوادۂ قاسمی یہی فکری انداز، مومنانہ کردار، داعیانہ شان، نرم گفتاری ونرم مزاجی، انداز تربیت اس گھرانے میں تربیت پانے والے ہزاروں اور پھر بعد میں لاکھوں طلبۂ دارالعلوم کے ذریعہ عالم اسلام کے چپہ چپہ میں عام ہوا، اور نہ جانے کتنی بنجر زمینوں کو علم ومعرفت اور حسن اخلاق کی بارش سے سیراب کر کے گل گلزار بنادیا، جس کا ثبوت دارالعلوم کے فارغین اور جگہ جگہ ان کے قائم کردہ وہ تعلیمی ودعوتی ادارے اور دینی مدارس اسلامیہ ہیں جو مسلسل نفاذ

(بقیہ گذشتہ) قاعدے سے لے کر اخیر تک تعلیم مسجد نبوی میں حضرت مدنی ہی سے حاصل کی، حضرت مدنی کے حکم پر ہندستان تشریف لے آئے اور انتہائی گرانقدر دینی خدمات انجام دیں، مرادآباد کے علاقے میں ان کا مخصوص مقام تھا۔ یہ بات انتہائی قابل ذکر ہے کہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ کا نکاح بھی دیوبند کے ایک معزز عثمانی گھرانے میں حضرت مولانا احمد صاحب صاحبزادۂ گرامی حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کی سرپرستی میں ہوا اور ان کی اہلیہ محترمہ رخصت ہو کر اسی مکان میں گئیں تھیں جو آج طیب منزل کے نام سے معروف ہے اور دیوبند میں خانوادۂ قاسمی کے اخلاف کا مسکن ہے۔ ان کے دو صاحبزادے ایک حضرت مولانا یحییٰ صاحب مدنی اور دوسرے حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب مدنی رحمہم اللہ تھے۔ ان دونوں حضرات کی اکثر وبیشتر اولادیں دیوبند ہی میں مقیم ہیں جبکہ مولانا اسماعیل صاحب کے بڑے صاحبزادے محمد انس صاحب مدینہ منورہ میں اسی مکان میں مقیم ہیں جو ان کا آبائی مکان ہے اور مسجد نبوی سے نہایت قریب ہے۔

[۱] ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

شریعت، تعلیم دین، حفاظت دین، دعوت اِلی اللہ سلام کا کام مقدور بھر انجام دے رہے ہیں، اور حسن اخلاق وعلم ومعرفت کی یہ بارش نہ صرف ہندوستان میں برسی، بلکہ مادیت زدہ اور الحاد کے طوفانوں میں غرق مغربی ممالک کے اندر بھی برسی اور پھر وہاں ایمان اور قرآن کی ہوائیں چلیں۔

اس گھرانے کے پاکیزہ ماحول کی منظرکشی کرتے ہوئے حضرت خطیب الاسلام کی خواہرزادی محترمہ شہناز کنول صاحبہ[۱] رقم طراز ہیں:

''صبح جب آنکھ کھلتی تو امی جان (ہماری نانی محترمہ) نماز کے تخت پر فجر کی نماز کے بعد مناجات مقبول بڑے عمدہ لحن سے پڑھتی ہوئی ہوتی تھیں، ابا جی قبلہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے، اس لئے وہ علی الصبح مدرسہ جاتے ہوئے نظر آتے، چھوٹے ماموں صاحبان طالب علم تھے، مدرسہ کا گھنٹہ ہوتا اور وہ بھی روانہ ہوجاتے، سب سے بڑے ماموں محترم مولانا سالم قاسمی صاحب مدظلہ العالی کا شمار مدرسے کے اساتذہ میں ہوتا تھا۔''

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ گھرانے کے اندر مستقل علم اور دین کی باتوں کا غلغلہ تھا، اور تمام افراد خانہ کے اوقات کار بھی دارالعلوم کے اوقات کار کے اعتبار سے منضبط تھے، گھر کی خواتین معمولات کی پابند تھیں، اور مستقل ذکر اوراذکار کا اہتمام اور ورد رہتا تھا۔

گھر کا یہ اسلامی ماحول حضرت خطیب الاسلام کی والدہ صاحبہ کی مومنانہ کردار کی عکاسی کرتا ہے، اور اسی ماحول کی وجہ یہ گھرانہ ہر طرح کی اخلاقی آلودگی اور رطب ویابس سے پاک تھا، ان عالی مرتبت ماؤں کے سامنے حضرات خنساء بنت تماضر، حضرت سمیہ، حضرت زنیرہ اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہن کا عظیم کردار تھا، جن کی آغوش تربیت اور آہ سحر گاہی نے اسلام کے وہ عظیم سپوت امت کو عطا کیے کہ جنہوں نے اپنے عزم وثبات اور ہمت وحوصلوں سے بڑی بڑی باطل طاقتوں کو سرنگوں ہونے پر مجبور کردیا، بقول شاعر اسلام حفیظ جالندھری:

وہ مائیں جن کے آغوش نے شیر نر پالے
رضا کاری سے پھر اسلام پر قربان کرڈالے

---

[۱] محترمہ شہناز کنول صاحبہ حضرت کی ہمشیرہ زادی اور مشہور افسانہ نگار محترمہ ہاجرہ نازلی کی صاحبزادی ہیں اور خود بھی ایک معروف افسانہ نگار کی حیثیت سے پورے برصغیر کے علمی وادبی حلقوں میں معروف ہیں، اور اس وقت علیگڑھ میں سرسید نگر میں مقیم ہیں، ان کی نگارشات کو لوگ بڑی دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔

یہی مائیں ہیں جن کی گود میں اسلام پلتا ہے،
اسی غیرت سے انسان نور کے سانچے میں ڈھلتا ہے

یہ اس ماحول کی دین ہے کہ خانوادہ قاسمی کا تربیت یافتہ شخص سنجیدہ، باصلاحیت اور صالح فکر ہونے کے ساتھ ساتھ خاندانی بزرگوں کی علمی صحبتوں اور خاص نہج پر علمی واخلاقی تربیت سے مالا مال، انتظام وانصرام اموراور معاملہ فہمی کے جوہر سے آراستہ ہوکر جہاں جاتا ہے دوسرے لوگوں کو بھی فکری اوراخلاقی طور پرآراستہ کرتا ہے۔

حضرت خطیب الاسلام کے ددھیالی ونیہالی خاندانی احوال کے سامنے آنے کے بعد ان کی شخصیت کو سمجھنا، اوران سے کما حقہ استفادہ ہمارے لئے ممکن ہوگا، کیونکہ خاندانی ماحول جاننے کے بعد حضرت دامت برکاتہم کے مزاج سے کافی حد تک واقفیت ہوگئی اور قاری کو اس نتیجہ پر پہنچنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہ ہوگا کہ حضرت خطیب الاسلام کی اصل میراث وہ اقدار و قیم ،علوم ومعرفت، اسرار حکم مومنانہ کردار، داعیانہ طرز عمل، حسن اخلاق اور علمی رسوخ ہیں جوان کو اپنے آباء واجداد سے ورثہ میں ملے ہیں، بقول اقبال:

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابل میراثِ پدر کیوں کر ہو[1]

بچپن ہی سے واضح نصب العین

بہرحال حضرت خطیب الاسلام نے ایسے ماحول اور ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جن کا مقصد زندگی پیدائش کے وقت متعین تھا، جن کا نصب العین اور مقصد حیات ان کے جدامجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کی روشنی میں مقرر کر گئے تھے، بقول حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ علیہ:

’’الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نصب العین کا مرکزی نقطہ تعلیمی نہضۃ تھی، جس سے علم الٰہی کی شعاعیں ہندو بیرون ہند پر پڑیں، پھر اس کے تحت آپ کی اخلاقی قوتوں کے تصرفات کا مرکز تربیت وارشاد تھا، جن سے وجد وحال کے نقشے طالبوں کے دلوں میں جمے، آپ کے جوش عمل کا نقطہ

[1] جواب شکوہ، علامہ اقبال

اعلائے کلمۃ اللہ تھا، جس سے جوش جاں سپاری مجاہدوں میں پیدا ہوا آپ کی دینی مدافعت بیضہ الاسلام کی حفاظت اور تمام غیر اسلامی حملوں سے مذہبی سرحدوں کی نگہداشت تھی، جس سے دین کو قرار ہوا، آپ کے اندرونی طور پر عقلی آزادی اور فکری بے قیدی کے حملوں کی علمی مدافعت کا نقشہ آپ کی وہ فلسفیانہ تصانیف تھیں، جنہوں نے وقت کے فلسفہ پسند اور منطق نواز حلقوں میں ہلچل پیدا کردی۔ قوم کے عملی نقائص اور معاشرتی کمزوریاں رفع کرنے کے لئے آپ کے اصلاحی اقدامات کا خاکہ علمی مواعظ اور عملی تنظیم تھی، جس سے بگڑی ہوئی معاشرت درست ہوئی، پھر دفاع وتعمیر کے اس مرکب نصب العین کو بروئے کار لانے اور منظّم طریق پر چلانے کے لئے، آپ نے جو اہم ترین مرکزی مورچہ تیار کیا وہ دارالعلوم دیوبند تھا جس میں آپ کے نصب العین کے تمام بنیادی نقوش مرتسم تھے، جو ایک ایک کرکے ابھرے، اس یادگار زمانہ مرکز کے راستہ سے آپ نے ایک ایسا حکیمانہ نظامِ یادگار چھوڑا جس سے بیک وقت عالم درویش، مجاہد اور صالح و مصلح افراد ڈھل ڈھل کر نکلتے رہیں اور کام چند شخصیتوں تک محدود نہ رہ جائے، آپ کی اس مرکزی دعوت اور بنیادی رعایت نے نہ صرف نگاہوں اور دلوں کے رخ ہی آپ کی طرف پھیر دیئے بلکہ وقت کے نازک حالات کی ان چارہ سازیوں نے جو آپ کے وجود باجود سے نمایاں ہوئیں عرب وعجم کی توجہات کو آپ کی ذات میں مرکوز بنادیا اور آپ ایک ایسے محبوب القلوب اور مرجع الخلائق زعیم ورہنما کی صورت میں قوم میں نمودار ہوئے کہ لوگ جوق درجوق آپ کی پیش کردہ نصب العین کے دامن میں پناہ لینے لگے۔[1]

بقول علامہ اقبال:

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے
مکاں فانی، مکیں فانی، ازل تیرا، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے

جس شخصیت کا نصب العین اور اس کا مقصد حیات پیدائش کے وقت ہی اس کے بڑوں نے متعین کردیا ہو اس کے لئے زندگی کا لائحہ عمل اس کے گھر والوں نے مقرر کردیا ہو اور اس کی پرورش حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب، مہتمم دارالعلوم دیوبند کے زیر تربیت ہوئی ہو تو ایسی شخصیت میں

[1] تذکرہ وسوانح الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی ص۴۴، عبدالقیوم حقانی، سوانح قاسمی ج۱ص۳، ۴

فضل الٰہی کے بعد اس تربیت کے آثار نظر آنا بعید از قیاس نہیں اور نہ ہی اس کا خطیب الاسلام سے ملقب ہونا خود اس کے لئے بڑی بات، جب کہ اس کے علاوہ یہ شخصیت ایک مزید عظیم نسبت کی حامل تھی، یعنی حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر ومرشد حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے براہ راست زانوئے تلمذ طے کر کے استفادہ کرنا، یقیناً جس کی تربیت میں اتنے عوامل کارفرما ہوں اور وہ شخصیت اتنی عظیم نسبتوں کی حامل ہو، تو لامحالہ وہ ذات اپنی شخصیت، اپنے کردار، اپنے اخلاق، اپنے مشاہدات وتجربات، اپنی فکر اپنے انداز تربیت، اپنے علوم ومعارف، اپنی حکمت عملی اور اپنی تحریر وتقریر کی پختگی میں بالکل منفرد وممتاز ہوگی اور اس کی تحریر وتقریر میں بھی ایسی جاذبیت حق تعالیٰ شانہ نے رکھ دی ہے جو وصل کے اسباب اور بے قرار لوگوں کے لئے راحت قلوب اور پژمردہ دلوں کے لئے باعث تسکین بن گئیں، بقول شاعر مشرق:

وصل کے اسباب پیدا ہوں تیری تحریر سے
دیکھ کوئی دل نہ دکھ جائے تیری تقریر سے

یہ وہ گھریلو ماحول تھا جس میں حضرت خطیب الاسلام کی پیدائش ہوئی اور اسی ماحول میں آپ کی نشو ونما اور پرورش ہوئی۔

حضرت خطیب الاسلام کی ولادت کے وقت ملکی حالات کا اجمالی جائزہ

حضرت خطیب الاسلام کی پیدائش ۱۹۲۶ء میں ہوئی، یہ وہ وقت ہے جب ان کے اسلاف کی قربانیوں کا نتیجہ عنقریب ہندوستانی قوم کو سفید فام قوم کی غلامی سے آزادی کی شکل میں ملنے والا تھا اور ان کے جد امجد حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا قائم کردہ مرکزی ادارہ دارالعلوم دیوبند ہندوستان کی آزادی کی ملک گیر تحریک کا مرکز بنا ہوا تھا اور مجاہدین آزادیٔ ہند کی تربیت گاہ تھا، ادھر یہ ادارہ ہندوستان کی آزادی میں بنیادی کردار ادا کر رہا تھا تو دوسری طرف پورے ملک میں مختلف تحریکیں اس ادارہ کے فرزندان کی سرپرستی میں جنم لے رہی تھیں، جس کے نتیجے میں پورے ملک میں آزادی کی فضا ہموار ہو رہی تھی، ملکی سطح پر فضا کی ہمواری کا ماحول دراصل یہ رد عمل تھا انگریزوں کے خلاف عوام کے ان جذبات کا جو جذبات ملک گیر تحریک ''ریشمی رومال'' کے پردہ فاش ہونے کے بعد عوام الناس میں پیدا ہوئے تھے، یہی انقلابی جذبات بعد میں جا کر مختلف تحریکوں کی شکل اختیار کر گئے،

کہیں اس کا اظہار جیل بھرو آندولن کی شکل میں ہوا، کہیں پر تحریک ترک موالات، کہیں انگریزوں کے خلاف جلسے وجلوس کی شکل میں اور کہیں مجاہدین نے اپنی جان کے نذرانے اور اپنے سینوں کو انگریزوں کی گولیوں کا نشانہ بنوا کر کیا، سرزمین ہند کو ظالموں کے پنجوں سے آزاد کرانے کی پیہم کوششیں ہورہی تھیں جب حضرت خطیب الاسلام کی پیدائش ہوئی اس وقت حضرت حجۃ الاسلام کے قائم کردہ مرکزی ادارہ دارالعلوم دیوبند میں ایک معتد بہ تعداد ان اساتذہ کرام کی تھی جن کی زندگی کا مقصد اور اوڑھنا بچھونا اس وقت ملک کی آزادی اور ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کا تحفظ بنا ہوا تھا۔

بہرحال حضرت خطیب الاسلام کی ولادت کے وقت ملک میں چاروں طرف آزادی کا بگل بج رہا تھا اور اس ملک کو آزاد کرانے کی جدوجہد مسلسل جاری تھی، جس میں حضرت خطیب الاسلام کے اسلاف اور فرزندان دارالعلوم دیوبند ہر جگہ پیش پیش تھے، گویا جب آپ نے بچپن اور زمانۂ طفولیت بلکہ عالم شباب میں قدم رکھا تو آپ کا دل ودماغ ہندوستان کی آزادی اور اس کے لئے چاروں طرف سے ہونے والی کوششوں سے مکمل طور پر مانوس ہو گئے تھے۔

زمانۂ طفولیت، تسمیہ خوانی اور حفظ قرآن کی تکمیل کی تفصیلات

حضرت خطیب الاسلام کی عہد طفلی اور بچپن کے وہ حسین لمحات جو ایک انسان کی زندگی کا سب سے پیارا حصہ اور عزیز ترین وقت ہوتا ہے وہ وہ وقت ہے جو ماں کی گود سے لے کر تعلیم کے آغاز تک کا ہوتا ہے یعنی کسی بھی بچے کی عمر کے ابتدائی سات سال، یہی وہ عمر ہے جس میں انسان ہر طرح کے ہموم وغموم اور دنیوی آلام ومصائب سے ذہنی طور پر بالکل بے فکر ہوتا ہے، انسان کی زندگی میں عمر کے یہ ابتدائی آٹھ سال بے شک بے فکری کے ہیں، مگر انتہائی اہمیت کے حامل ہیں، کیونکہ یہ سات سال انسان کی زندگی کی بنیاد ہیں، ان ہی کے مطابق عام طور پر انسان کی تعمیر ہوتی ہے، جیسی ساخت پرداخت اور تربیت کا نظام بن جائے گا آگے جا کر اسی اعتبار سے بچے کی نشو ونما ہوگی، بہت سے حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ابھی تو یہ بچہ ہے، تین چار سال کا ہی ہوا ہے، تھوڑا بڑا ہوگا تو تربیت شروع کریں گے، یہ ان کی غلط فہمی اور حقیقت سے نظریں چرانا ہے، بہرحال عرض یہ کررہا تھا کہ حضرت خطیب الاسلام کی زندگی کے یہ ابتدائی سات سال اپنے والدین کے زیر سایہ اور خاص طور پر حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی نگرانی میں گذرے۔

یہ بات مسلم ہے کہ مربی کے ظاہری و باطنی اثرات زیر تربیت انسان پر لامحالہ پڑتے ہیں چہ جائے کہ کسی خوش نصیب انسان کی تربیت اور گود لینے والے خانوادۂ قاسمی کے افراد ہوں، اس گھرانے کی تربیت اوراس خاندان کے افراد کے بارے میں ہمارے علاقے میں یہ بات مشہور ہے کہ جتنا لوگ بڑے ہوکر کتابوں سے سیکھتے ہیں، اتنا اس خاندان کے بچے ماؤں کی گود میں سیکھ لیتے ہیں۔

حضرت خطیب الاسلام کی ولادت ۱۳۴۴ھ میں ہوئی، اور تعلیم کا آغاز ۱۳۵۱ھ میں ہوا جس سے یہ معلوم ہوا کہ تعلیم کی ابتداء سات سال کی عمر میں ہوئی۔ یہی وہ عمر ہے جب بچے کو پڑھانے اور سکھانے کا شریعت مطہرہ نے حکم فرمایا، حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ''اپنے بچوں کونماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوجاویں۔'' گویا کہ وہ اب اس قابل ہوگئے کہ ان کوسکھایا جائے، چونکہ نماز اسلام کا سب سے اہم رکن ہے اور ایسا رکن ہے جس سے اس کو روزانہ پانچ مرتبہ تاحیات سابقہ پڑنا ہے، اس لئے مکلّف ہونے سے قبل ہی اس کی مشق کرادینے کا حکم دیا گیا تاکہ بلوغ کے وقت تک نماز اس کی عادت اور مزاج بن جائے اور پھرتا زندگی اس پر کاربند رہے۔

راقم آج کے حالات کے تناظر میں ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہے کہ جس ذات اقدس اور جس شریعت نے ہمیں اتنا مالدار بنایا ہو کہ تعلیم وتعلم اور سیکھنے سکھانے کی عمر تک مقرر کردی ہو اور پھر ہم اپنی اولاد کے سلسلے میں باقاعدہ طور پر تعلیم کا آغاز کرنے میں کہیں اور دیکھیں اور ان طریقوں کو اپنائیں جو انسانی فطرت کے بھی خلاف ہوں اور بچوں کی نفسیات کے بھی، مزید برآں اس کے منفی اثرات ہمارے بچوں کی صحت، مزاج نشو ونما اور ذہن پر بھی پڑ رہے ہوں تو اس کو سوائے بیوقوفی، حماقت اور اپنے دینی اصولوں پر عدم اعتماد کے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ حضرت خطیب الاسلام کے بچپن کے واقعات کا بہت زیادہ علم راقم کو نہیں ہوسکا کیونکہ اس کا کوئی بہت معتبر ذریعہ میرے پاس نہیں۔ جو چند چیزیں کتابوں میں موجود ہیں ان پر اکتفا کیا گیا۔

بہرحال حضرت خطیب الاسلام کی عہد طفولیت کے یہ چھ سال وہ تھے جن میں ان کو ذہنی طور پر حصول علم کے لئے مکمل مستعد کردیا گیا، کیونکہ آنکھ کھولنے کے بعد وہ اپنے گھر میں اور ماحول میں دینی تعلیم کا دور دورہ دیکھ رہے تھے، اب تو صرف باقاعدہ حضرت کی تعلیم کا آغاز باقی تھا۔ بقول ابوالاثر حفیظ جالندھری:

ابھی لوری نہ دی تھی جنبش دامان مادر نے
کہ دل گرما دیا تھا نعرۂ اللہ اکبر نے[1]

خاندان صدیقی کی روایات اور خانوادہ قاسمی کے طور طریقوں کے مطابق سب سے پہلے تعلیم کا آغاز حفظ قرآن کریم سے شروع کرانے کا فیصلہ لیا گیا، عام طور پر خاندان صدیقی میں یہ رواج تھا کہ ابتداء بچوں کو حفظ کلام اللہ کی تعلیم دی جاتی تھی، چنانچہ یہی فیصلہ والد گرامی نے حضرت خطیب الاسلام کی تعلیم کے لئے کیا اور عمر کے سات سال پورے ہوجانے کے بعد تعلیم کا آغاز باقاعدہ اکابر دارالعلوم دیوبند واساتذہ کی موجودگی میں کرایا گیا، جس کی تفصیلات یہ ہیں:

آغاز تعلیم اور تسمیہ خوانی

تسمیہ خوانی کا نظام بمع خصوصیات آج تک ہمارے درمیان باقی ہے بعینہ ان ہی خصوصیات کے ساتھ یہ نظام اسی ملک میں آج سے پانچ چھ سو سال پیشتر بھی جاری تھا، چنانچہ فوائد الفواد میں امیر حسن سنجری تحریر فرماتے ہیں کہ

:''شنبہ شانزدہم ماہ محرم ۷۱۶ھ سعادت دست بوسی حاصل شد، بندہ آں روز خرد کہ را ازاعزہ پیش برد، عرض داشت کرد کہ ایں را بہ قرآن خواندن فرستادہ شود، اول بخدمت مخدوم آورشدہ است تا بہ برکت نظر مخدوم ونفس پاک خدائے تعالیٰ وزرکند۔''[2]

ترجمہ: ۱۶/محرم الحرام ۷۱۶ھ بروز ہفتہ دست بوسی کی سعادت حاصل ہوئی، بندہ اس دن ایک عزیز بچہ کو خدمت میں لے گیا، عرض کیا کہ اس کو قرآن پڑھانے کے لئے بھیجا گیا ہے، پہلے آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے کہ مخدوم کی نظر ثاقب صفت کے صدقے میں اس کو قرآن ارزانی ہو۔

یہی نظام مسلمانوں میں بحمد اللہ اب تک جاری ہے کہ شہر یا قصبہ وگاؤں میں نسبتاً جو زیادہ صاحب دین وعلم ہو بچوں کی تعلیم کا آغاز ان ہی سے کراتے ہیں۔[3]

---

[1] شاہنامۂ اسلام حصہ دوم ص ۷ حفیظ جالندھری

[2] مولانا مناظر احسن گیلانی ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت ص ۳۹۷،۳۹۶

[3] خود راقم الحروف اور میرے بھائی جان محترم مولانا ڈاکٹر محمد اویس صدیقی نانوتوی کی تسمیہ خوانی میرے والد محترم حضرت مولانا زکریا صدیقی اور نانا ابا مرحوم حافظ عبدالجمیل صاحب نے شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ (بقیہ)

مذکورہ بالا واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتب کی زندگی کا آغاز اکابر وقت کے ذریعہ ہونا کوئی بدعت یا امر محدث نہیں ہے، بلکہ تعلیم وتعلم کی دنیا میں ایک ایسا بابرکت معمول اور نظام ہے جس کی برکتوں کی شہادت قرنوں اور صدیوں نے دی ہے، اسی معمول کے مطابق حضرت خطیب الاسلام کی مکتبی زندگی کا آغاز کچھ اس طرح ہوا:

۱۳۵۱ھ میں حضرت خطیب الاسلام کی عمر ۶ یا ۷ سال رہی ہوگی کہ حضرت حکیم الاسلام نے تمام اساتذہ دارالعلوم کو دفتر اہتمام میں جمع فرمایا، اور وہاں حضرت خطیب الاسلام کی بسم اللہ عارف باللہ حضرت مولانا محمد اصغر میاں صاحب[۱] سے کرائی گئی، جس کا نقشہ حضرت خطیب الاسلام نے اپنی زبان مبارک سے اس طرح کھینچا ہے:

(بقیہ حاشیہ۳) سے ۱۹۸۰ء میں ایک ساتھ کرائی تھی اس تسمیہ خوانی سے مقصد یہ تھا کہ حضرت شیخ الحدیث کے علمی وعملی فیوض و برکات ان بچوں میں منتقل ہوجائیں کیونکہ اپنے بزرگوں کی نسبتوں کا منتقل ہونا امر معروف ومشاہد ہے، اولیاء اللہ کے ساتھ رہنے اور ان کی صحبت کے خاص اثرات ہوتے ہیں، جس سے انکار نہ صرف بے ادبی ہے، بلکہ گمراہی کا باعث بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے صحبت صالحین وصادقین میں رہنے کی تاکید فرمائی ہے، ارشاد فرمایا: ﴿یا ایھا الذین آمنوا اتقوا الله و کونو مع الصادقین﴾ (سورۃ التوبۃ) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کی صحبت اختیار کرو۔

[۱] حضرت مولانا سید محمد اصغر میاں صاحب دیوبندیؒ جو دارالعلوم دیوبند میں حدیث کے استاذ، بڑے محدث اور بڑے صاحب نسبت وصاحب تقویٰ بزرگ تھے، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے بھی حدیث کے استاذ تھے، حضرت حکیم الاسلام نے ابوداؤد شریف اور طحاوی شریف مولانا سید اصغر حسین ہی سے پڑھیں تھیں۔ بقول میرے والد محترم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتوی رکن مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند ''حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ راقم الحروف کے دادے ابا حضرت مولانا عبدالسلام صاحب اور ان کے بڑے بھائی حضرت مفتی محمود صاحبؒ نانوتوی مفتی مالوہ وسابق رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے بھی حدیث کے استاذ تھے اور میرے دادے ابا حضرت مولانا عبدالسلام صاحب نانوتوی کو گرچہ خلافت حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اعظم ہند سے تھی، مگر حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب سے بھی باطنی فیض خوب حاصل کیا تھا۔ اولیاء کاملین میں سے تھے۔ راقم الحروف کے دادا حضرت مولانا عبدالسلام صاحبؒ فرمایا کرتے تھے، کہ ''حضرت میاں صاحب'' مادرزاد ولی تھے، میرے دادا ابا کے اس قول کی تائید حضرت مولانا محمد یاسین صاحب دیوبندی قدس سرہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں ''وہ مادرزاد ولی ہیں۔'' بچپن میں انھوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، بچے درسگاہ میں طرح طرح کی شرارتیں کرتے، لیکن میاں صاحب ان سے الگ تھلگ رہتے اور کبھی کوئی غلطی ہوجاتی تو کسی تاویل یا انکار کے بجائے صاف لفظوں میں اعتراف کرلیتے۔ حضرت خطیب الاسلام کی تعلیم کا آغاز ایسے اللہ والوں اور اولیاء کاملین کے ذریعہ ہوا جن کے باطنی فیوض حضرت کی طرف متوجہ ہوئے۔

نہ الٹا تھا ابھی مضمون طفلی کا ورق میں نے
لیا تھا بائے بسم اللہ سے پہلا سبق میں نے
ابھی ملبوس گویائی نہ تھا پوری طرح پہنا
کہ سیکھا تھا زبان سے قل ھو اللہ احد کہنا

اکابرین دارالعلوم دیوبند اور جلیل القدر اساتذہ کی موجودگی میں حضرت مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے ”رب یسر و الا تعسر“ پڑھا کر تعوذ اور تسمیہ پڑھائی، پھر الف، با کا سبق دیا، ان حضرات اکابرین جیسے حضرت مولانا حسین احمد مدنی، علامہ ابراہیم بلیاوی، مولانا اعزاز علی اور دیگر اکابرین اساتذہ دارالعلوم کی موجودگی میں دعاء ہوئی، تسمیہ خوانی کے بعد حضرت حکیم الاسلام نے فرمایا کہ ”میرا ارادہ یہ ہے کہ حفظ قرآن کریم کرایا جائے، بعض بزرگوں نے فرمایا کہ بچہ بہت کمزور ہے، لیکن حضرت حکیم الاسلام نے اس پر فرمایا کہ ”کمزوری اور قوت کا کوئی دخل نہیں، بلکہ یہ تو اللہ کی عنایت سے ہوتا ہے، اس میں آدمی رہ جائے تو ٹھیک ہے، نہ رہے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں، بہر حال میرا عزم یہ ہے۔“[1]

حضرت حکیم الاسلام کے اس ایمان افروز جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے یہاں انتہائی رحمت ولطف وعنایت کا معاملہ ہونے کے ساتھ ایمانی صلابت کس حد تک تھی، کہ قرآن کے حفظ کے سلسلے میں اگر جان بھی چلی جائے تو کوئی غم نہیں، لیکن قرآن کا حفظ ضروری ہے دراصل اپنے جد امجد سیدنا ابوبکر صدیق کی دین کی حفاظت کے سلسلے میں صلابت اور اصابت رائے کا حصہ ہے، جنہوں نے یہ جملہ فرما کر کہ ”أینقص الدین وأنا حي“ قیامت تک آنے والے دنیا بھر کے صاحب ایمان لوگوں کو غیرت دلائی ہے، کہ دین اور نفاذ شریعت کے سلسلے میں کوئی سمجھوتہ نہیں، رحمت اور لطف اور نرمی اپنی جگہ، لیکن جب معاملہ دین کا آجائے، قرآن اور شریعت مطہرہ کا آجائے تو پھر کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر کے بعد اپنے بیٹے سے کہہ دیا تھا کہ بیٹے تو نے مجھے چھوڑ دیا باپ سمجھ کر، لیکن قسم خدا کی اگر اللہ کے دین کی حفاظت اور اعلائے کلمۃ الحق کرتے

[1] یہ تمام تفصیلات راقم کو حضرت خطیب الاسلام نے ایک مجلس میں اس وقت بتلائیں جب راقم نے آپ سے آپ کی ابتدائی تعلیم کے متعلق معلوم کیا۔ سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت کے چہرہ پر ایک خاص قسم کی بشاشت تھی کہ جیسے حضرت خود اس نورانی محفل کو سامنے دیکھ رہے ہوں۔

ہوئے بدر کے دن تو میری تیغ کے نیچے آجاتا تو میں یہ نہ دیکھتا کہ تو میرا بیٹا ہے، بلکہ تو مجھے صرف اللہ اور اس کے رسول کا دشمن نظر آتا اور میں تجھے نہ چھوڑتا۔

تو گویا حضرت خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم العالیہ کی تسمیہ خوانی کرانے میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب اور حضرت حکیم الاسلام وغیرہم شریک رہے اور اس طرح مشائخ اور اہل اللہ کی موجودگی میں مکتب نشینی کی مبارک تقریب عمل میں آئی۔ یہ تسمیہ خوانی ان صاحب دل اساتذہ دارالعلوم دیوبند کی موجودگی میں ہوئی جس وقت دارالعلوم کے مہتمم سے لے کر نچلے درجے کے ملازمین تک تہجد گزار ہوتے تھے یقیناً ان تمام لوگوں نے دعاؤں سے نوازا ہوگا، یہ اپنے آپ میں حضرت خطیب الاسلام کی بہت بڑی خصوصیت تھی اور آغاز بتا رہا تھا کہ انجام انتہائی شاندار ہونے والا ہے۔

درجۂ حفظ کلام اللہ میں داخلہ

والد گرامی کے حفظ کے سلسلے میں عزم بالجزم کے بعد حضرت خطیب الاسلام کو پیر جی شریف صاحب گنگوہی جو دارالعلوم دیوبند میں درجۂ حفظ کے میں استاذ تھے، ان کے یہاں داخلہ کروایا گیا، پیر جی شریف احمد صاحب انتہائی خدا ترس بزرگ تھے، اور حضرت مولانا حافظ احمد صاحب حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خدام میں سے تھے، اور مستقل طیب منزل ہی میں مقیم تھے، ان کے پاس قرآن کریم حفظ کرنا شروع کیا، شاعر اسلام حفیظ جالندھری مرحوم کے مندرجہ ذیل اشعار ان پر صادق آتے ہیں۔

مرا استاذ حق آگاہ تھا مردِ مسلماں تھا
پرستار خدائے پاک تھا پابندِ قرآں تھا
محبت نے سکھائی تھی تمیز خوب و زشت اس کو
نظر آتا تھا صحرائے عرب باغِ بہشت اس کو
عمل تھا تابع فرمانِ قرآن شریف اس کا
رہا وقفِ ریاضت عمر بھر جسم نحیف اس کا

نظر ڈالی نہ تھی اس نے کبھی اسباب زینت پر
خدا رحمت کرے اس پاکباز و پاک طینت پر[1]

پیر جی احمد شریف صاحب کو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم کا خصوصی ذوق عطا فرمایا تھا، جید حفاظ میں آپ کا شمار ہوتا تھا، پانی پتی لہجہ میں قرآن کریم سناتے تو سماں بندھ جاتا، اسی کے ساتھ ساتھ خاص بات پیر جی صاحب کی یہ تھی کہ کیسا ہی بدذوق اور شرارتی طالب علم آپ کے پاس آجاتا اس کو چلا دیتے اور حافظ قرآن بنا دیتے، تحفیظ قرآن کا خاص ملکہ اللہ نے ان کو عطا فرمایا تھا، لیکن ابھی حضرت خطیب الاسلام کا قرآن کریم مکمل نہیں تھا کہ استاذ محترم کا وقت موعود آ گیا اور ان کا انتقال ہو گیا، جو لوگ اپنے بچوں کو قرآن کریم حفظ کراتے ہیں وہ یہ بات خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ دوران حفظ استاذ کے بدل جانے سے کس قدر دشواری ہوتی ہے، اور بچے اکثر اسی بنا پر حفظ قرآن کریم کی دولت عظمیٰ سے محرومی کا شکار ہو جاتے ہیں، الا یہ کہ والدین خود حافظ ہوں، یا بہت ہی باشعور ہوں، اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ کہیں نہ کہیں حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ بھی حضرت خطیب الاسلام کو حفظ کرانے میں بذات خود شریک تھے، واللہ اعلم، بہرحال ان کے انتقال کے بعد حضرت خطیب الاسلام حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے درجۂ تحفیظ قرآن سے وابستہ ہو گئے اور ان کے یہاں ہی حفظ کی تکمیل فرمائی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی صاحب کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں درجۂ حفظ میں بطور استاذ ہوا تھا لیکن بعد میں دارالعلوم دیوبند کے پہلے نائب مہتمم پھر مہتمم کے باوقار منصب پر فائز ہوئے، آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے غیر معمولی فطری صلاحیتوں سے نوازا تھا، بقول حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کہ

''انتظامی مصروفیت کی بنا پر آپ کا علمی اور عملی مقام لوگوں پر واضح نہ ہو سکا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عجیب کمالات عطا فرمائے تھے۔''[2]

حضرت شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کے متعلق اپنے والد حضرت مفتی شفیع عثمانی صاحبؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی قدس سرہ کو انتظامی صلاحیت اور سیاسی سوجھ بوجھ اس قدر

---

[1] ماہنامہ اسلام، حفیظ جالندھیر ص ۷، ۸ حصہ دوم
[2] تذکرے، تالیف مفتی تقی عثمانی صاحب ص ۲۳۶

غیر معمولی عطا فرمائی گئی تھی کہ درحقیقت وہ وزیر بننے کے لائق انسان تھے، دارالعلوم دیوبند پر سخت سے سخت وقت آئے، بڑی بڑی شورشیں اٹھیں، لیکن میں نے اس بندہ خدا کو کبھی ہراساں یا پریشان نہیں دیکھا، سنگین سے سنگین حالات میں بھی ان کے اطمینان اورخود اعتمادی میں کبھی فرق نہیں آتا دیکھا۔[1]

ان کا ہی ایک واقعہ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ: ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ کے خلاف ایک شدید طوفان کھڑا ہوا جس میں بعض لوگ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی جان تک کے دشمن ہوگئے، ان حالات میں بھی مولانا کھلی چھت پر تن تنہا سوتے تھے، حضرت مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت! ایسے حالات میں آپ کا اس طرح سونا مناسب معلوم نہیں ہوتا، آپ کم ازکم کمرے کے اندر ہی سو جایا کریں، لیکن مولانا نے بڑی بے نیازی کے ساتھ ہنس کر فرمایا: ''ارے میاں میں تو اس باپ (یعنی سیدنا حضرت عثمان غنیؓ) کا بیٹا ہوں جس کے جنازے کو اٹھانے والے چار آدمی بھی میسر نہ آئے اور جسے رات کے اندھیرے میں بقیع کی نذر کیا گیا۔ لہٰذا مجھے موت کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے۔[2]

یہ وہ مرد خودآگاہ تھا جس سے حضرت خطیب الاسلام کو حفظ قرآن کی تکمیل کا شرف حاصل ہوا اور ظاہری وباطنی استفادہ کا موقع ملا۔[3]

حفظ کی درسگاہ کا ماحول

حضرت خطیب الاسلام اپنے حفظ اور درسگاہ کے ماحول کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہماری درسگاہ میں عجیب ماحول تھا، وہ گلشن وہ فردوس جس میں خود میں اور میرے ہم سن جھوم جھوم کر قرآن کریم یاد کرتے، شکستہ بوریے پر بیٹھ کر سامنے رحل اور قرآن کریم رکھا رہتا، اذان عصر ہوتے ہی دفعتہً خاموش ہوجاتے، استاد کی آمد سے قبل میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہنستا کھیلتا اور کبھی ان کو اپنا

[1] تذکرے، حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب ص ۲۳۷

[2] ماخوذ از اکابر دیوبند کیا تھے ص ۶۸

[3] یہ تمام تفصیلات راقم الحروف نے حضرت خطیب الاسلام سے براہ راست سنی ہیں، حضرت پیرجی احمد شریف صاحب گنگوہیؒ کا خطیب الاسلام کے حفظ کے دوران ہی انتقال ہوگیا تھا، اس لئے تکمیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کے پاس فرمائی۔

سبق سناتا اور کبھی آموختہ سنتا اور سناتا۔ بقول حفیظ جالندھری

تصور میں ہے اب تک صحن مسجد کا وہ نظارہ
اُدھر استاد اِدھر میں درمیاں رحل اور سی پارہ
شکستہ بوریئے پر ہم سنوں کا بیٹھنا مل کر
وہ ہر سادہ خوشی پر سب کا ہنسنا خوب کھل کھل کر
سبق سے پیشتر قرآن کو جھک کر چومتے جانا
وہ کیف انگیز قرأت کے اثر سے جھومتے جانا
وہ آواز اذاں پر دفعتہً خاموش ہوجانا
صفیں آراستہ کرنا ہمہ تن گوش ہوجانا
مقدس تھے وہ سب چرچے، مقدس تھیں وہ سب باتیں
وضو ورد و وظائف نمازیں اور مناجاتیں[1]

بہر حال یہ وہ یادیں ہیں جو ہراس خوش نصیب شخص سے وابستہ ہوجاتی ہیں جو اس نظام سے پڑھ کر نکلتا ہے، حضرت خطیب الاسلام کی تو بات ہی دیگر ہے ان کی تو آنکھ ہی اس نظام اور گھرانے میں کھلی جہاں ہر موقع اور ہر لمحہ یادگار رہے، ان سے اپنے اسلاف اور بزرگوں کی یادیں وابستہ ہیں، اس درسگاہ کی بھی یقیناً شان ہی نرالی ہوگی جس میں پڑھنے والا طالب علم خطیب الاسلام ہو اور پڑھانے والا استاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی ہوں، جن میں نظم ونسق اور انتظام وانصرام کی حق تعالیٰ شانہ نے غیر معمولی صلاحیت رکھی تھی، ادھر خطیب الاسلام کی حصول علم کے سلسلے میں لگن جس کی وجہ استاذ کی توجہ لابدی ویقینی طور پر ان کی طرف متوجہ ومبذول ہوئی ہوگی اس کے اثرات خود راقم الحروف نے بارہا محسوس کئے ہیں دارالعلوم دیوبند کے زمانہ طالبعلمی میں بہت سی مرتبہ حضرت خطیب الاسلام کی اقتداء میں جامع مسجد دیوبند میں جمعۃ المبارک کی نماز پڑھنے کی سعادت ملی، بے شک آواز حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ایک عطیہ ہے، لیکن وہ سوز وگداز اور باطنی کیفیات حضرت والا کی تلاوت کلام اللہ کے وقت محسوس ہوئیں ان کو میں الفاظ کا جامہ نہیں پہنا سکتا، سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کی وہ باطنی کیفیات اور ان کا سوز دروں تھا جو منتقل

[1] شاہنامہ اسلام حفیظ جالندھری ص ۸

ہوا، حضرت کا قرآن سن کر بھائی جان نے مجھ سے فرمایا کہ آج قرآن کریم سن کر اپنے خاندانی بزرگوں کی یاد تازہ ہوگئی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ قرآن کریم نازل ہورہا ہے۔ حضرت خطیب الاسلام نے ''سورۃ الاعلیٰ'' اور ''سورۃ الغاشیۃ'' کی تلاوت فرمائی تھی۔

تکمیل حفظ قرآن کریم وتقریب سعید بر حفظ قرآن کریم

حفظ قرآن کی سعادت تقریباً سوا دو سال میں حاصل کی اور دہرانے میں پورے تین سال لگ گئے۔ اس تین سال کی مدت میں خود استاذ نے یہ سند دے دی کہ بس اب تم خود نوافل میں اہتمام کرلیا کرو، حفظ کے بعد سات آٹھ ماہ میں خطیب الاسلام نے قرآن کریم میں اس قدر محنت فرمائی کہ روزانہ تسلسل کے ساتھ بغیر کسی غلطی کے تین پارے سنانے کا معمول بن گیا۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے حفظ قرآن کریم کی زبانی سند ملنے پر والد گرامی انتہائی مسرور ہوئے، کیونکہ حفظ قرآن کریم کی یہ عظیم دولت ہر کس وناکس کو نہیں ملتی بلکہ یہ بیش بہا عظیم دولت قرآن اس کے سینے میں محفوظ ہوتی ہے جس کے ساتھ توفیق من اللہ شامل حال ہوجاتی ہے اور توفیق خداوندی بغیر لگن اور تڑپ کے نصیب نہیں ہوتی، آج ہم لوگ اپنے بچوں اور آنے والی نسلوں میں وہ تڑپ پیدا کرنے سے قاصر ہیں جس تڑپ اور لگن کی وجہ سے ہمارے اسلاف میں بچپن ہی سے توفیق خداوندی شامل حال ہوجایا کرتی تھی، کہیں نہ کہیں ہماری اور ہماری ماؤں کی تربیت میں نقص ضرور آیا، بقول شاعر:

نہ وہ عشق میں رہی گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

بہرحال یہ ہم سب کے لئے لمحۂ فکریہ ہے کہ جن کے اسلاف کے یہاں بنیادی تعلیمی لیاقت حفظ قرآن کریم تھی آج ان کی اولادیں قرآن کریم سے اتنے دور ہوگئے کہ صحیح ادائیگی وتلفظ کے ساتھ قرآن کریم نہیں پڑھ سکتے، راقم الحروف کا مقصد حاشا وکلا کسی پر کوئی تعریض نہیں، اندرونی کڑھن ہے جو نوکِ قلم پر آگئی۔

ہوسکتا ہے کہ اس سوزش دروں کو محسوس کرکے ہم اور ہماری نسلیں اپنے اسلاف سے ملنے والی اصل وراثت اور کھوئی ہوئی دولت کو دوبارہ تلاش کرلیں ورنہ اگر یہی حال رہا تو آنے والی نسلیں ہمیں

ہرگز معاف نہیں کریں گے، بقول علامہ اقبال

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارہ
گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

بہر حال حضرت حکیم الاسلام کے لئے حقیقی مسرت کا موقع اور مقام تھا کہ دولت حفظ قرآن صاحبزادے کو نصیب ہوئی، اسی مناسبت سے حضرت حکیم الاسلام نے ایک مبارک تقریب ''طیب منزل'' میں منعقد فرمائی، جس میں دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ اور دیگر اولیاء اللہ نے شرکت فرمائی، میں نے اپنی نانی اماں سے سنا ہے کہ اس موقع پر حضرت حکیم الاسلام نے بیان بھی فرمایا تھا اور آیت مبارکہ یعنی

﴿قل بفضل الله وبرحمته فبذلک فليفرحوا هو خير مما يجمعون﴾ (سورۃ یونس: ۵۸)

کی تلاوت فرمائی اور نعمت قرآن ملنے پر جشن قرآن کی مبارک تقریب کے سلسلے میں نہایت اہم اور مفید تقریر فرمائی۔ تکمیل حفظ قرآن کریم کے مبارک موقع پر تقریب کا انعقاد ایک انتہائی مبارک عمل ہے جس کو رواج دینے کی ضرورت ہے، تاکہ لوگوں میں حفظ قرآن کریم کی ترغیب ہو، بہر حال تحفیظ القرآن کی تکمیل پر تقاریب کے انعقاد کا اہتمام کرنا بقول والد محترم خانوادۂ قاسمی کی خصوصیات میں سے ہے۔

حضرت خطیب الاسلام نے بہت چھوٹی عمر میں ہی قرآن کریم حفظ کرلیا تھا۔ جہاں تک راقم الحروف کا خیال ہے کہ تکمیل حفظ کے وقت حضرت کی عمر ساڑھے نو یا دس سال رہی ہوگی، خاندان صدیقی نانوتہ میں یہ نظام صدیوں سے چلا آرہا تھا کہ اگر کسی کے لڑکا ہوتا تو اس کی بنیادی تعلیم حفظ قرآن ہی کو سمجھا جاتا، گویا کہ یہ بات ہمارے خاندان میں معیوب سمجھی جاتی کہ کسی کے لڑکا ہو اور وہ حافظ قرآن نہ ہو۔ جیسا کہ امیر احمد[۱] عشرتی نانوتویؒ نے بھی اس کی وضاحت کئی مقامات پر فرمائی۔

حضرت سے عاجز نے سوال کیا تھا کہ حضرت آپ نے کتنی محرابیں سنائیں، حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے مسلسل ۲۹ محرابیں سنائیں۔ ۲۳ محرابیں جامع مسجد دیوبند میں، پانچ محرابیں دارالعلوم دیوبند کی قدیم مسجد میں اور ایک محراب خانقاہ رائے پور میں اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں قرآن کریم تراویح میں سنایا، ان سب کو ملا کر ۲۹ محرابیں سننانے کی سعادت میسر آئی۔

[۱] خاندان صدیقی نانوتہ کے قلمی شجرہ کے مرتب مفتی محمود نانوتوی سے قبل یہی حکیم امیر احمد عشرتی نانوتوی تھے۔

حضرت خطیب الاسلام کی بلند قامت شخصیت میں اساتذۂ دارالعلوم کا کردار

حضرت خطیب الاسلام کی بلند قامت شخصیت کے تعمیری پہلوؤں کے حوالے سے گفتگو کا آغاز اس بات سے کیا گیا تھا کہ کسی بھی انسان کی تعمیر اور تعلیم وتربیت کی مختلف تعلیمی ایجنسیاں ہوتی ہیں، مثلا والدین، گھر کا ماحول، آس پاس کا ماحول، اسی طرح مدرسہ یا اسکول کا کردار وغیرہ، جہاں گھر کا ماحول تعمیر شخصیت میں بہت مؤثر کردار ادا کرتا ہے وہیں آس پاس کا ماحول بھی شخصیتوں کی تعمیر و تخریب میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے، حضرت خطیب الاسلام کے آس پاس کا ماحول بھی تعلیم وتربیت کے لحاظ سے بہت موزوں اس لئے تھا کہ آپ کے زمانۂ طفولیت میں طیب منزل علماء کرام کی تربیت گاہ تھی، اور دنیا بھر سے آنے والے تشنگان علوم نبوت کے لئے ماٴوی وملجا ہونے کے ساتھ ساتھ دارالعلوم جیسے موٴقر ادارے سے والد گرامی کے خادمانہ اور معمارانہ تعلق ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے اصحاب علم کا بھی مرجع بنا ہوا تھا، جہاں طیب منزل کے باہری حصہ میں دن ورات مہمانان رسول کا قیام تھا، (جس کا سلسلہ ابھی بھی جاری ہے) وہیں ہر آن اور ہر لحظہ وہاں علماء وارثین انبیاء اور تشنگان علوم نبوت کا ورود اپنی مختلف تعلیمی، دعوتی اور انتظامی ضرورتوں کے پیش نظر ہوتا رہتا تھا، اور وہ مبارک طیب منزل مرجع خلائق تھی۔

ظاہر بات ہے کہ یہ انفرادی شان رکھنے والے گھرانے کے بچے کے ذہن ودماغ پر ایسے پاکیزہ ماحول کا اثر پڑتا ہے، اور بچے بھی آنے جانے والے لوگوں کی صحبت اور آمد ورفت سے متاثر ہوتے ہیں، حضرت خطیب الاسلام نے اپنے ابتدائی دور ہی سے جس کسی کو بھی آتا دیکھا اس کو دین کے تعلق سے، دارالعلوم کے تعلق سے، دعوت کے تعلق سے خادمانہ آتے ہوئے دیکھا، اور اپنی والد گرامی کو آنے والوں کا مرجع اور محور بنا ہوا دیکھا، اب جو حضرات بھی اس وقت آتے تھے وہ سب دین اور علم ہی کے تعلق سے آتے تھے، پھر ان کی علمی مجلسیں ہوتی تھیں، جس سے ذہن کے افق وسیع سے وسیع تر ہوتے جاتے ہیں، اور مجلس کے آداب وطور طریقے، علماء اور اہل علم کا ادب اور ان کے ساتھ تواضع طبیعت کا حصہ بن جاتا ہے۔

بہر حال، گھر کا ماحول کتنا بھی تعلیمی ہو کتنا بھی تعلیم کے لئے سازگار ہو، لیکن اس کے باوجود باقاعدہ تعلیم کی ضرورت مسلم ہے، کہ بچے کو علوم ومعارف، علمی وفنی مہارتیں پیدا کرنے کے لئے

اساتذہ اور تعلیم گاہ کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے با قاعدہ تعلیم کے سلسلے میں بھی خانوادہ قاسمی کے اصول کے مطابق دینی تعلیم دلوانے کا فیصلہ کیا گیا، اور حفظ کلام اللہ کے بعد با قاعدہ داخلہ دارالعلوم کے فارسی خانے میں کرادیا گیا۔

حضرت خطیب الاسلام کی بلند قامت شخصیت کی علمی، ادبی ساخت و پرداخت میں دارالعلوم دیوبند کا اور اساتذہ دارالعلوم دیوبند کا بھی بڑا کردار ہے، کیونکہ حضرت والا کی ساری تعلیم از اول تا آخر دارالعلوم ہی میں ہوئی، وہ دارالعلوم دیوبند جو اہل سنت والجماعت کا برصغیر میں سب سے بڑا علمی، دینی اور دعوتی مرکز ہے، اور جو فی الواقع ام المدارس والمراکز ہے اور بقول حضرت حکیم الاسلام ایک الہامی ادارہ ہے، جس کا قیام ایک ایسے وقت میں اللہ نے حضرت نانوتوی اور ان کے رفقاء کے دل میں ڈالا، جس وقت ہندوستان سے مسلمانوں اور اسلام کو مٹانے کے منصوبے انگریز اور دشمنان اسلام بنا کر ان کو عملی جامہ پہنانا شروع کر چکے تھے اور قریب تھا کہ سرزمین ہندوستان میں بھی مسلمانوں کے ساتھ روس اور اندلس کی تاریخ دہرائی جائے، دوسری طرف ہندوستان میں فکر اسلامی کا اہل سنت والجماعت کے طرز پر احیا کرنے والے مسند الہند شاہ ولی اللہ کے یا ان کے صاحبزادگان کے فیض یافتگان دنیا سے جا چکے تھے، یا پھر ہجرت کر کے حجاز مقدس کی طرف روانہ ہو رہے تھے، اس وقت فکر ولی اللہی جس نے دین کو معقولات کے رنگ میں پیش کرنے کا اہم ترین فریضہ انجام دیا تھا، اس کی محسوسات کی شکل میں اس امتیاز کے ساتھ پیش کرنے کا بیڑا حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، بانی دارالعلوم دیوبند اور ان کے رفقاء و تلامذہ اٹھا چکے تھے کہ ابتداء وہ کسی بھی منکر اسلام کو دینی امور نہ محسوس ہوں بلکہ مسلمات اسلام کو اس رنگ میں پیش کیا جائے کہ وہ محسوسات کا جامہ بھی پہن لیں، اور ابتداء کسی کو بھی یہ نہ لگے کہ یہ کوئی دین اور مذہب کی تبلیغ کر رہا ہے، لیکن جب بات منکر اسلام کی سمجھ میں آجائے تو اس کو بتلا دیا جائے کہ یہی تو اسلامی عقائد اور مسلمات ہیں جن کے تم منکر تھے، دینی مسلمات کو اس رنگ میں پیش کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کیونکہ دینی تعلیم کے مراکز ختم ہو چکے تھے، اور انگریز اپنے ساتھ انکار خدا پر مبنی تہذیب لے کر آ رہا تھا۔ (ان تمام باتوں کی تفصیلات کے لئے رجوع کریں مقدمہ تاریخ دارالعلوم، از حضرت حکیم الاسلام)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ دارالعلوم کا فکری مزاج ولی اللہی ہے جو بعد کے زمانے میں حکمت قاسمیہ کی شکل میں ظاہر ہوا اور پھر قیام دارالعلوم نے جس کو لازوال بنا دیا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ

حضرت خطیب الاسلام کا مزاج اور طبیعت بھی فکر قاسمی کے مخصوص دعوتی، تعلیمی، دینی اور قائدانہ رنگ میں رنگی ہوئی تھی، جس کا امتیاز تعلیم وتعلم اور سو فیصد نافعیت ہے، فکر ولی الٰہی کی انتہائی ترقی یافتہ شکل فکر قاسمی کو امت میں دین کی صحیح تعبیر اور تشریح کے سلسلے میں تلقی بالقبول حاصل ہوا، جس کی اصل وجہ اکابر دارالعلوم کا تعلق مع اللہ، اتباع سنت کا ذوق، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عدالت پر مکمل اعتماد، فہم دین اور شریعت میں سلف صالحین کی تعبیرات وتشریحات کا خیال، رسوخ فی العلم انتہائی درجے کی تواضع اور کسر نفسی اور ہر حال میں اظہار عجز واظہار عبدیت ہے، جس کی دلیل تحریک دیوبند اور دارالعلوم کی عنداللہ اور عندالناس مقبولیت عامہ وتامہ ہے، جس کی وجہ سے اس ادارے کا فیض تمام براعظموں میں پہنچا، اور پوری آب وتاب کے ساتھ اسی طرح بحمداللہ جاری وساری ہے۔ (**اللھم زد ھذہ الدار شرفا و تعظیما**)

ان تمام باتوں کا مطلب یہ ہے کہ حضرت خطیب الاسلام نوراللہ مرقدہ کی بلند قامت شخصیت فکر قاسمی میں رنگی ہوئی ہے، اور تعلیم ودعوت دین، دین کی صحیح تعبیر وتشریح، امت کی خیرخواہی اور فکر، انسانیت کے لئے نفع مندی، فکر کا توازن واعتدال، اصابت رائے، ذکر وفکر، تعلق مع اللہ، اتباع سنت، تبلیغ دین کی مسلسل کوششیں، مدعووین کے ساتھ رحمت، راہ دعوت میں پہنچنے والی ایذاؤں پر صبر، تمام حالات میں استقامت اور جہد مسلسل ان کی شخصیت کے نمایاں پہلو ہیں، جن کا تذکرہ آگے آرہا ہے، یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جس وقت حضرت خطیب الاسلام دارالعلوم دیوبند سے بحیثیت طالب علم وابستہ ہوئے، اس وقت دارالعلوم کا حال یہ تھا کہ یہاں کا ہر ایک فرد، مہتمم سے لے کر نچلے درجے کے ملازمین تک تہجد گزار تھے۔

حفظ قرآن کریم مکمل فرمالینے کے بعد حضرت خطیب الاسلام کو دارالعلوم دیوبند کے درجہ اول[۱] فارسی خانہ میں داخل کرادیا گیا، جیسا کہ اس کی وضاحت خود حضرت خطیب الاسلام نے ان الفاظ میں فرمائی: ''اس کے بعد (حفظ قرآن کے بعد) میرا داخلہ درجہ فارسی میں ہوا۔''[۲]

جس میں ایک کتاب حضرت مولانا یٰسین صاحب سے بھی پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، یہ

۱؎ ۱۳۵۶ھ میں چند جدید عمارتیں تعمیر ہوئی، پہلی عمارت درجہ فارسی کی تھی، یہ وہ درسگاہ ہے جو اس درجے کی قدیم درسگاہوں کے قریب شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی یادگار کے طور ر'یادگار سعدی' کے نام سے موسوم ہوئی۔

۲؎ بیاض خطیب الاسلام دامت برکاتہم العالیہ

بھی حسن اتفاق ہے کہ حضرت خطیب الاسلام کے والد ماجد حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فارسی کی تمام کتابیں حضرت مولانا یٰسین صاحبؒ سے ہی پڑھی تھیں۔مفتی شفیع صاحب کے والد گرامی[1] جو اس وقت درجہ فارسی کے صدر المدرسین تھے، کچھ ہی عرصہ اور وقفہ گذرا ہوگا کہ حضرت مولانا یٰسین صاحب کی وفات ہوگئی۔

وہ فارسی نظم ونثر دونوں میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔اس وقت نظام برعکس تھا، پہلے داخلہ ہوتا تھا ۵ ویں کلاس میں، اس کے بعد چوتھی کلاس میں، اس طرح سب سے آخر میں پہلی کلاس تھی۔ان

[1] اس وقت حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب (م ۱۳۵۵ھ) درالعلوم میں درجہ فارسی کے استاذ تھے اور فارسی میں بڑی مہارت رکھتے تھے، مولانا موصوفؒ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی سابق مفتی اعظم پاکستان کے والد بزرگوار تھے۔آپ دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۰۸ھ سے لے کر ۱۳۵۵ھ تک فارسی کے استاذ رہے، آپ کی ایک خصوصیت تو یہ ہے کہ آپ کو دارالعلوم دیوبند کا شروع کا دور بالفاظ دیگر دارالعلوم دیوبند کا قرن اول نصیب ہوا جس میں آپ کو حضرت محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے فیوض و برکات سے خوب استفادہ کا موقع نصیب ہوا، آپ نے ان ہی بابرکت اکابر علماء کی خدمت میں رہ کر تعلیم وتربیت پائی اور پھر ان ہی حضرات کے زیر سایہ رہ کر دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی خدمات میں مشغول ہوگئے۔اور دارالعلوم دیوبند میں چالیس برس سے زیادہ تدریسی خدمات انجام دیں، فارسی کی نہائی کتابوں کا درس آپ نہایت شوق اور جانفشانی اور کامل تحقیق سے پڑھاتے تھے، اس طرز پر سکندر نامہ اور قصائد عرفی اور نثر ظہوری کامل تحقیق سے پڑھاتے تھے، اس طرز پر سکندر نامہ اور قصائد عرفی وسہ نثر ظہوری وغیرہ کا درس نہایت شاندار درس ہوتا تھا، ان کے درس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ طلبہ میں شروع ہی سے حق تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول اللہ ﷺ کی محبت اور بزرگان دین کی عقیدت جاگزیں ہوجاتی تھی، حضرت مولانا کے یہاں پابندیٔ شریعت، آداب طریقت اور ادائے اعمال وعبادات پر بہت زور تھا، وعظ ونصیحت اور اصلاح وطریقت کا سلسلہ آخر وقت تک جاری رہا، دیوبند میں تعلیم یافتہ لوگوں میں ایسے بہت کم لوگ ہوں گے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس سے مستفید نہ ہوئے ہوں۔

دارالعلوم دیوبند میں تعلیمی مصروفیت کے ساتھ ساتھ آپ کو کتب بنی اور تصنیف وتالیف کا بھی کس قدر شغل ضرور رہتا تھا، اس دوران رسائل اور اخبارات میں اپنے دینی واصلاحی مضامین اکثر شائع کراتے رہتے اور بعض نظریات باطلہ پر بھی زبردست رد فرمایا کرتے تھے۔آپ کو حضرت گنگوہی سے عشق کی حد تک محبت وعقیدت تھی ان ہی کے ارشادات اور ہدایات کے مطابق زندگی بسر کی اور سلوک وتصوف کے منازل طے کئے۔ماہ صفر ۱۳۶۶ھ میں انتقال فرمایا۔انا للہ وانا الیہ راجعون (دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب کی کتاب سے ماخوذ)

اس وقت حضرت خطیب الاسلام کے علاوہ شاید ہی اپنے بزرگان دین میں کوئی ایسا باقی ہو جس نے حضرت مولانا یٰسین صاحب دیوبندی سے براہ راست استفادہ کیا ہو۔

چار سالہ درجات کے نصاب کو مکمل کرنے کے بعد الحمد للہ، حق تعالیٰ شانہ نے ذوق دیا تھا، جس کی وجہ سے خلیفہ محمد عاقل کے یہاں ہی ہماری فارسی اتنی اچھی اور ہمارے اندر اس قدر استعداد پیدا ہوگئی تھی کہ اس زمانہ میں فارسی نظم بلا تکلف کہنے لگا تھا، اور نثر میں مضمون نگاری تو بآسانی کر لیتا۔[۱]

خطیب الاسلام کے اس بیان اور اس سابقہ تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو فارسی زبان وادب کا خصوصی ذوق اساتذہ کرام کی توجہات اور خود ان کی اپنی لگن کی وجہ سے نصیب ہوا تھا، اور حضرت نے دیگر اساتذہ کے علاوہ حضرت مولانا خلیفہ محمد عاقل صاحب[۲] رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی استفادہ کیا تھا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ علمائے دیوبند نے فارسی کو مدارس اسلامیہ میں باقی رکھ کر کس قدر اہم علوم سے محروم ہونے سے بچالیا، تصوف وشریعت اور اسلامی علوم کے اہم ترین ذخیرے ہمارے پاس بحمد اللہ آج تک محفوظ ہیں ورنہ مولانا رومؔی اور شیخ عطاؔر اور خاص طور پر گذشتہ آٹھ سو سالہ ہندوستان کا ماضی اور اس کی تہذیب سے ہمارا رشتہ بالکل منقطع ہو جاتا، راقم الحروف کو دو ہی سال فارسی زبان پڑھنے کا موقع ملا جس کی وجہ سے بحمد اللہ فارسی زبان بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے، حضرت خطیب الاسلام کو تو باقاعدہ چار سالہ نصاب مکمل کرنے اور فن کے کاملین اساتذہ سے استفادہ کا موقع ملا پھر اسی اعتبار سے ان حضرات کو فارسی زبان وادب کا ذوق نصیب ہوا، اللہ رب العزت ہمارے مدارس اسلامیہ کے بانیان اور ان کے ذمہ داران کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

حضرت کے فارسی خانہ میں دیگر اساتذہ کے اسماء گرامی

حضرت مولانا خلیفہ عاقل کے علاوہ جن حضرات اساتذہ کرام سے حضرت خطیب الاسلام نے استفادہ کیا ہے، ان میں حضرت مولانا سید حسن صاحبؒ، حضرت مولانا ظہیر صاحب اور ماسٹر کلن صاحب وغیر ہم کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں جن سے آپ نے ''فارسی خانہ'' میں پڑھا۔

---

[۱] حضرت مولانا شاہد صاحب خادم خاص حضرت خطیب الاسلام نے حضرت کی زندگی کا مختصر خاکہ لکھا ہے یہ مضمون اسی سے مقتبس ہے اور یہ مختصر خاکہ حضرت کی زبانی سن کر لکھا۔

[۲] حضرت مولانا خلیفہ محمد عاقل صاحب شعبہ فارسی کے صدر المدرسین تھے، دارالعلوم دیوبند میں اس شعبہ فارسی کو فارسی خانہ کہا جاتا تھا۔ مولانا کو فارسی زبان وادب کا خاص ذوق من جانب اللہ عطا ہوا تھا، انہوں نے یہ فن اپنے استاذ حضرت مولانا یٰسین صاحب سے بطور خاص سیکھا اور فارسی زبان وادب میں مکمل دستگاہ حاصل کی، پھر ان سے حضرت خطیب الاسلام نے یہ فن حاصل کیا۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی خدمت اقدس میں

حضرت والا خطیب الاسلام نے فارسی کا چار سالہ نصاب مکمل فرمالیا آپ کے والد ماجد حضرت حکیم الاسلام درجہ عربی کی پہلی کتاب ’میزان الصرف‘‘ کی ابتداء حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی سے کرانا چاہتے تھے، چنانچہ درجہ عربی میں علم الصرف کی پہلی کتاب ’’میزان الصرف‘‘ کی ابتداء حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں ۱۳۵۷ھ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ہمراہ تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ بھیج کر کروائی۔ حضرت خطیب الاسلام کے ساتھ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد ذکی صاحب مرحوم بھی تھے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ساتھ حضرت خطیب الاسلام کو حضرت حکیم الاسلام نے اس لئے بھیجا کہ دارالعلوم دیوبند کے ایک تقاضہ کی وجہ سے مدراس (چنئی) کا ایک سفر درپیش ہوگیا، حضرت حکیم الاسلام نے ایک خط حضرت حکیم الامت کو لکھا اور اپنے خود نہ حاضر ہونے کی وجہ لکھی کہ میرا مدراس کا سفر ہوگیا اس لئے خود اس وقت خدمت اقدس میں حاضر نہ ہوسکا، اور یہ خط حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کو دے دیا کہ یہ خط حضرت تھانوی کی خدمت میں پہنچادیں۔ حضرت حکیم الامت نے خط پڑھا، اور انتہائی فرحت ومسرت کے ساتھ فرمایا ’’اللہ یہ مدآپ کو راس لائے۔‘‘[1] سبحان اللہ کیسی بات فرمائی، کہ لفظ مدراس سے بھی خیر کا پہلو نکال لیا، یہی درحقیقت اہل اللہ کی شان عالی ہے کہ وہ ہر چیز سے خیر کا پہلو نکال لیتے ہیں، جو درحقیقت اتباع ہے رسول اللہ ﷺ کی کہ مزاج مزاج رسالت بھی یہی ہے کہ ہر چیز سے بلکہ ہر شر سے خیر کا پہلو نکال لیا جائے، تاکہ شر کا دفعیہ ہوجائے اور خیر عام ہوجائے۔

اگرچہ باقاعدہ طور پر درجات عربیہ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ہوگیا تھا، لیکن بربنائے حصول برکات حضرت خطیب الاسلام کو معدودے چند ایام کے لئے خانقاہ امدایہ تھانہ بھون بھیجا گیا، جس کا مقصد جہاں برکت کا حصول تھا، وہیں بچپن ہی سے حضرت خطیب الاسلام کو اس مخصوص رنگ میں ڈھالنے کا انتہائی شعوری اقدام تھا، کہ خانقاہ کے مخصوص ماحول میں کچھ روز قیام رہے گا تو طبیعت میں عاجزی اور استقامت پیدا ہوگی، اور خانقاہ کے ہمہ وقت نورانی ماحول کو دیکھ کر مزاج میں وہی مخصوص رنگ ابھرے گا جو آپ کے اکابر کا امتیاز رہا ہے، کیونکہ بچپن کی دیکھی یا سیکھی ہوئی چیزیں

[1] یہ واقعہ راقم الحروف کو حضرت کے خادم خاص حضرت مولانا شاہد صاحب دامت برکاتہم نے سنایا، انہوں نے اس واقعہ کو حضرت خطیب الاسلام سے براہ راست سنا۔

ہمیشہ دل ودماغ کو متاثر کرتی ہیں۔ حضرت خطیب الاسلام جب حضرت تھانوی کی خدمت میں پہنچے تو حضرت تھانوی نے دوران قیام خانقاہ فرمایا کہ یہ میرا مہمان رہے گا، چنانچہ ۱۵ یا ۱۶ روز خانقاہ تھانہ بھون میں حضرت کے پاس قیام رہا اور بقول حضرت خطیب الاسلام ''پندرہ سولہ دن کے قیام کے دوران معمول یہ تھا کہ حضرت کے یہاں ہی کھانا ہوتا، صبح کا ناشتہ، دوپہر کا کھانا اور رات کا کھانا ایک دن بڑے گھر میں ہوتا تھا اور دوسرے دن چھوٹے گھر میں ہوتا تھا، بڑے اور چھوٹے گھر سے مراد حضرت تھانوی کی بڑی زوجہ اور چھوٹی زوجہ کا گھر ہے۔ ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۹ء میں حضرت خطیب الاسلام کی عمر ۱۴ سال کی تھی، جس وقت حضرت حکیم الامت سے شرف تلمذ حاصل کیا اور ''میزان الصرف'' پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

۱۴ رسال کی عمر بس ایسی ہوتی ہے کہ اس عمر میں تعلیم وتعلم کا ہوش بچے کو ضرور آجاتا ہے، حضرت خطیب الاسلام کی تو بات ہی دیگر ہے، انہوں نے آنکھ ہی ایسے گھرانے میں کھولی تھی جہاں دن رات ہی تعلیم وتعلم کے چرچے تھے، ایسے ماحول میں تعلیم وتعلم کے تئیں شعور وآگہی کا پیدا ہوجانا ظاہری امر ہے، اس لئے یہ بات یقینی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس وقت حضرت خطیب الاسلام حضرت تھانوی کی خدمت اقدس میں پہنچے تو اپنی عمر سے زیادہ تعلیم وتعلم کا شعور رکھتے تھے۔

اس پندرہ دن کے عرصے میں حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے خود سبقا سبقا میزان الصرف پڑھائی۔ حضرت خطیب الاسلام کو اس کے علاوہ اور کچھ کام بھی نہیں تھا۔ بقول حضرت کے: ''یاد کرنے کی عادت پہلے سے تھی جتنا طلبہ عام طور پر دس دن میں پڑھتے میں اتنا روزانہ یاد کرلیتا اور حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ کو سنا دیتا، چند روز تک تو حضرت سبق سنتے رہے اور گردانیں بھی سنتے رہے، مگر میری لگن کو غالبا دیکھ کر مجھ پر اعتماد کرکے گردانوں کے سننے کا سلسلہ حضرت مفتی شفیع صاحب کے سپرد فرمایا مگر سبق کی گردانیں خود ہی سنا کرتے اور بار بار سنا کرتے پھر سبق دے کر ہمیں رخصت فرمادیتے۔

حضرت حکیم الامت کا خطیب الاسلام کے سلسلے میں اظہار اطمینان واظہار خوشی

حضرت حکیم الامت کے اظہار اطمینان واظہار خوشی کو خطیب الاسلام کی زبانی سنیں وہ فرماتے ہیں: ''مجھے چونکہ حفظ کے ساتھ یاد کرنے کی عادت ہوگئی تھی اس وجہ سے بڑی پابندی کے ساتھ میں یاد کرلیتا تھا او سنادیتا تھا، اس سے حضرت بہت خوش، مسرور اور مطمئن اور دعا گو رہا کرتے تھے، الحمدللہ۔''

حضرت حکیم الامت کا کسی کی تعلیم پر اس طرح اظہار خوشی ومسرت کرنا اور دعاؤں سے نوازنا گویا کہ خود حضرت خطیب الاسلام کے حق میں ایک سند کا درجہ رکھتا ہے اور یہ سند بھی حکیم الامت نے تعلیمی کارکردگی پر عنایت فرمائی اور ساتھ ساتھ دعاؤں سے بھی نوازا۔

یہ عظیم سعادت بھی اس وقت پوری دنیا میں آپ ہی کو حاصل ہے، آپ کے علاوہ حضرت حکیم الامت کے براہ راست تلامذہ میں کوئی بھی اب موجود نہیں، حق تعالیٰ شانہ آپ کی عمر میں مزید برکت عطا فرمائے۔ فی الحال برصغیر کی ہماری جماعت دیوبند میں اتنی عظیم نسبتوں کی حامل اور اس قدر جامع الکمالات شخصیت نظر نہیں آتی، یقیناً یہ حضرت حکیم الامت کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کے علم وعمل، عمر اور اولاد واوقات میں خوب برکت عطا فرمائی، حق تعالیٰ شانہ اس خانوادہ کو دین اسلام کی خدمت اور امت محمدیہ کی آبیاری کے لئے نسلاً بعد نسل قبول فرمائے۔ (یہ سطور اس وقت میں نے لکھیں تھے جب حضرت خطیب الاسلام بقید حیات تھے)

دارالعلوم دیوبند میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے داخلہ

اس طرح ان بابرکت ہاتھوں سے درجہ عربی کا آغاز ہوا اور یہ عظیم سعادت حاصل کر کے حضرت خطیب الاسلام واپس مادر علمی دارالعلوم دیوبند واپس آ گئے، اس کے بعد حضرت کا داخلہ دارالعلوم دیوبند درجہ عربی میں ہوا اور سب سے پہلی کتاب درجہ عربی کی دارالعلوم دیوبند میں جو پڑھی وہ منشعب تھی، خود اپنے بارے میں حضرت تحریر فرماتے ہیں ''وہاں سے آنے کے بعد (یعنی حضرت تھانویؒ کے یہاں سے آنے کے بعد) میں نے منشعب دارالعلوم دیوبند میں باضابطہ داخلہ لے کر پڑھی۔'' باقی درسی کتابوں میں کنز الدقائق حضرت مولانا اختر حسین صاحب سے، میبذی قاری اصغر صاحب سے، مختصر المعانی اور سلم العلوم حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب سے اور ہدایہ اولین مولانا عبدالاحد صاحب سے پڑھی، ہدایہ اولین میں حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم صدر مسلم پرسنل لاء بورڈ حضرت خطیب الاسلام کے دارالعلوم دیوبند میں ہم جماعت تھے، اتفاقی بات کہ ان کی طبیعت کافی علیل ہوگئی جس کی وجہ سے حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم کو دیوبند سے واپس جانا پڑا۔ اسی زمانہ میں مدرسہ صولتیہ کے ناظم حضرت مولانا محمد سلیم صاحب رحمہ اللہ اپنے پورے خاندان کے ساتھ دہلی تشریف لائے ہوئے تھے، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب

صاحبؒ کے حضرت مولانا محمد سلیم صاحب سے قدیم روابط اور گہرے مراسم تھے، حضرت مولانا محمد سلیم صاحب نے باصرار حضرت حکیم الاسلام سے درخواست کی کہ ''سالم میاں'' کی تعلیم یہاں کے بجائے ہمارے یہاں مدرسہ صولیتہ میں ہوتو بہتر ہے، ان کے اصرار پر آپ نے ایک سال مدرسہ صولتیہ میں حضرت مولانا سلیم صاحب کے پاس قیام فرمایا، لیکن ایک سال بعد اساتذہ دارالعلوم دیوبند کے مشورہ سے دارالعلوم واپس بلایا گیا اور پھر دارالعلوم میں رہ کر اپنی تعلیم مکمل فرمائی، حضرت خطیب الاسلام اپنے بارے میں خود رقمطراز ہیں ''لیکن سب حضرات کی رائے پر مجھے دارالعلوم دیوبند واپس بلایا گیا، پھر میں نے دارالعلوم میں رہ کر تعلیم کی تکمیل کی۔ بخاری شریف، ترمذی شریف حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے پڑھی، مسلم شریف علامہ ابراہیم بلیاوی سے، ابوداؤد شریف مولانا اعزاز علی صاحب سے، نسائی شریف مولانا فخرالدین صاحب سے اور دیگر اساتذہ کرام سے کتب حدیث پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ میری فراغت ۱۳۶۷ھ ۱۹۴۷ء کو دارالعلوم سے ہوئی جو تقسیم کا سال ہے، سال پورا ہوتے ہوتے ۱۹۴۸ء شروع ہو چکا تھا۔''[۱]

دستار بندی

حضرت کی دستار بندی کے سلسلے میں راقم کے پاس کوئی صحیح معلومات نہیں، خود احقر نے حضرت خطیب الاسلام سے اس بارے میں دریافت کیا تھا تو حضرت نے فرمایا تھا کہ باقاعدہ کوئی دستار بندی کی تقریب میرے ذہن میں نہیں، بہرحال میرے پاس اس وقت حضرت کے علاوہ اور کوئی ایسا معتبر ذریعہ بھی نہیں۔ جس سے اس سلسلے میں مزید معلومات حاصل ہو سکے۔

علوم شریعت وعلوم اسلامیہ کی تکمیل اور اساتذہ کرام کا اعتماد وخصوصی توجہات

ہمارے اسلاف دیوبند جب کسی کے لئے اس طرح کے کلمات بولتے یا لکھتے ہیں کہ فلاں صاحب نے علوم اسلامیہ کی تکمیل یا علوم شریعت سے فراغت حاصل کر لی یا فلاں صاحب کو سند فضیلت دیدی گئی تو ان کا مقصد اس سے یہ ہوتا کہ اب ہم مدرسہ والوں نے ان صاحب کے اندر اتنی لیاقت پیدا کر دی کہ اگر یہ محنت کریں گے تو آگے چل کر فنون اسلامیہ اور علوم شریعت میں ان کو کامل دسترس حاصل ہو جائے گی، جس کے معنی بالفاظ دیگر یہ ہوتے کہ اب ان کے اندر اس راستے پر چلنے کی

[۱] بیاض حضرت خطیب الاسلام

استعداد پیدا ہوگئی، مگر حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت دارالعلوم دیوبند سے فراغت اور علوم اسلامیہ کی تکمیل اور سند فضیلت لیتے وقت مذکورہ بالا اصول سے مستثنیٰ تھی، کیونکہ ان کا ماحول، ان کا مزاج ان کی فکر، ان کا گھرانہ، ان کے اساتذہ ان کے شیوخ، مجالس مشائخ میں شرکت کی برکات ان کی صحبت اور ان سب سے بڑھ کر وہ عرفانی وروحانی نسبت قاسمی جو کم لوگوں کا نصیب ہوتی ہیں، ان وجوہات کی بنا پر حضرت خطیب الاسلام دوران تعلیم ہی اس راہ کے پختہ کار اور گرم رو مسافر بن گئے تھے، چنانچہ اس سلسلے میں بہت سے واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اساتذہ کی نگاہیں بچپن ہی سے حضرت خطیب الاسلام میں نسبت قاسمیہ تلاش کررہیں تھی جو حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند میں ان کے اساتذہ نے تلاش کی تھیں اور ان کی ذات نے اپنے اساتذہ کے خواب کو شرمندہ تعبیر کیا، بفضلہٖ تعالی جب یہ سلسلہ آگے بڑھا تو حضرت خطیب الاسلام بھی اپنے اساتذہ کی امیدوں پر کھرے اترے اور اساتذہ نے اس کی گواہی بھی دی۔ ان ہی واقعات میں سے ایک واقعہ کا تذکرہ کرتا چلوں، چند ماہ قبل راقم الحروف کا ایک دعوتی سفر ناگپور و اطراف ناگپور مہارشٹر کا ہوا، ناگپور سے تقریباً ۲۰ کلومیٹر ایک جگہ پڑتی ہے' کامٹی' یہ انگریزوں کے زمانے سے فوجی چھاؤنی بھی ہے، وہاں پر جامع مسجد کے امام وخطیب اور دارالعلوم دیوبند کے فرزندان وابنائے قدیم میں ایک مشہور نام حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب امام وخطیب جامع مسجد کامٹی کا بھی ہے۔

میرا جب وہاں کا سفر ہوتا ہے تو حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں بھی حاضری ہوتی ہے، میری معمولاً حاضری ہوئی تو حضرت خطیب الاسلام کا ذکر خیر نکل آیا تو مفتی صاحب نے انتہائی قدر اور ادب واحترام سے حضرت کا ذکر خیر فرمایا اور یہ بتایا کہ میں نے حضرت سے شرح عقائد نسفی پڑھی، اور شرح عقائد کا درس حضرت استاذ محترم کا بہت مشہور اور بے انتہا مقبول تھا، انہوں نے مندرجہ ذیل واقعہ سنایا کہ حضرت خطیب الاسلام کا عین نوجوانی کے زمانے میں مسجد چھتہ میں انار کے درخت کے نیچے ایک پروگرام تھا جس کی صدارت حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب مرادآبادی شیخ الحدیث وصدر مدرس دارالعلوم دیوبندؒ فرمارہے تھے، حضرت خطیب الاسلام کی تقریر سننے کے بعد ان کے لئے بڑے کلمات تحسین اور بڑے عالی کلمات مولانا نے ارشاد فرمائے، وہ کلمات تو یاد نہیں ہاں البتہ مفہوم جہاں تک راقم الحروف مولانا کی بات سے سمجھا ہے کہ یہ سالم نہیں بلکہ نسبت قاسمی تھی جو مولانا

محمد سالم قاسمی کی زبان پر جاری تھی، حق تعالی شانہ نے اس خانوادہ کے افراد میں اس نسبت قاسمی بلکہ حکمت قاسمی (اگر کہیں تو زیادہ قرین قیاس ہوگا) کونسلا بعد نسل جاری کر رکھا ہے، حضرت خطیب الاسلام کے اساتذہ کی شہادتوں کے اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، اسی طرح کی شہادت مفسر قرآن حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی نے بھی حضرت خطیب الاسلام کے بارے میں دی۔

نفوس قدسیہ کی صحبت اور ان سے استفادہ

علاوہ ان عظیم نسبتوں کے حضرت خطیب الاسلام کو جن نفوس قدسیہ سے براہ راست شرف تلمذ حاصل ہوا وہ خود حضرت کے لئے مقام شرف بلکہ شرف بالائے شرف ہے، جس کی ابتداء اور بسم اللہ ایسی بابرکت ذات سے ہوئی ہو جس پر صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورا عالم اسلام فخر کرسکتا ہے۔ بقول مولانا شاہین جمالی اڈیٹر ''دیوبند ٹائمز'':

''آپ کا شمار ان شخصیتوں میں ہوتا ہے جن کا سینہ علم وتصوف کا سنگم اور دین وسیاست کا مجمع البحرین تھا، یہ اس دور کی یادگار ہستی تھے جب شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے جذبوں کی حرارت سے ان کا سینہ تپ رہا تھا اور یہ دوسرے دلوں کو گرما رہے تھے۔ ایمان ویقین، صلابت رائے، عرفان حق اور شریعت وطریقت کی چنگاری بانٹ رہے تھے، اس ذات سے مراد نمونہ اسلاف حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب ہیں،

مولانا شاہین جمالی آگے لکھتے ہیں:

''کلی یوں تو ہر شاخ پر کھل سکتی ہے، لیکن رسیدہ شاخ پر مسکرانے والی کلی کے حسن وجمال، بہار و نکھار کا جو عالم ہوگا اسے سیر چمن کرنے والوں کی نگاہوں سے پوچھیے۔ پھر جب عربی درجات میں قدم رکھا، تو آغاز کرانے کے لئے ایسی شخصیت کی خدمت میں پہنچے جو اس وقت پوری جماعت دیوبند کے ایک طرف سرپرست ہیں تو دوسری طرف عالم بھر میں پوری جماعت کی نمائندگی فرمارہے ہیں۔ آپ کی ذات علوم ظاہری وباطنی کا منبع آپ کی تحریریں علوم وفنون کا مخزن اور اسرار وحکم کا معدن تھی، حق تعالی شانہ نے حضرت خطیب الاسلام کو اس چشمۂ فیاض سے استفادے اور سیرابی کا ابتدا ہی میں موقع عنایت فرمایا۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خود حضرت اپنے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ: (فارسی کے نصاب کو مکمل کرنے کے بعد)
''پھر درجہ عربی میں داخلے کا وقت آیا تو والد ماجد کی تمنا اور آرزو کے مطابق فارسی کی پہلی (قواعد صرف میں) کتاب میزان الصرف کی ابتداء حکیم الامت (۱۳۶۱ھ) مولانا اشرف علی تھانوی سے کرانا چاہتے تھے، مزید مولانا شاہین جمالی صاحب لکھتے ہیں: ''۱۳۵۷ء دارالعلوم میں درجہ فارسی میں داخل ہوئے اور ۶۰ھ میں اس کی تکمیل کی - ۱۳۶۱ھ میں عربی کی تعلیم شروع ہوئی اور اس شان سے ہوئی کہ صاحبزادگان گرامی یعنی مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے صاحبزادے مولانا محمد سالم، مفتی محمد شفیع صاحب کے صاحبزادے مولانا محمد ذکی، مولانا شبیر احمد عثمانی کے بھتیجے رشید احمد مرحوم کے ساتھ چند اور ذہین لڑکوں کی مخصوص جماعت میں شامل کرلیا گیا۔''[۱]

بہر حال حضرت خطیب الاسلام کا اس جامع الکمالات شخصیت سے شرف تلمذ ہی خود ان کے لئے ایک عظیم سند ہے۔ گویا ابتداء میں بیک واسطہ (یعنی حضرت تھانوی کے واسطہ سے) خطیب الاسلام کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا فیض پہنچا اور انتہا میں بھی بیک واسطہ (یعنی دورہ حدیث میں حضرت مدنی کے واسطے سے) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی نسبت کمالیہ کے فیض سے حضرت خطیب الاسلام مستفید ہوئے، اپنے اکابرین میں اتنی عظیم نسبتوں کا حامل راقم الحروف کی نظر میں دنیا بھر میں کوئی نہیں بچا جو اتنا صاحب نسبت ہو۔ ان دونوں بزرگوں کے علاوہ جن سے حضرت نے باقاعدہ استفادہ کیا ان میں سے ہر ایک شخصیت اپنی ذات میں انجمن تھی، میری مراد حضرت خطیب الاسلام کے ان اساتذہ سے ہے جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، حضرت مولانا محمد یسٰین صاحب والد ماجد حضرت مفتی شفیع صاحب، حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا فخر الحسن صاحب، حضرت مولانا عبد الاحد صاحب، حضرت مولانا

---

[۱] مولانا شاہین جمالی اڈیٹر ''دیوبند ٹائمز'' کا مضمون حضرت مولانا سید جلیل میاں کے متعلق، بعنوان ''کچھ کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں''، ص ۸۔

بشیر احمد خان صاحب وغیرہ، ایسے صاحب علم وفضل اور صاحب تقوی حضرات اساتذہ کرام اگر کسی صاحب نصیب کو ملجائیں تو بشرط مراعات آداب علم وعمل اور بتوفیق وفضل خداوندی یقیناً بلند اقبالی اس کا مقدر ہوگی اور اس کا نصیب قابل رشک ہوگا، چنانچہ حضرت خطیب الاسلام اپنے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: ''۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۷ء کو میری فراغت دارالعلوم سے ہوئی جو تقسیم کا سال ہے،''[1]

جس سال حضرت خطیب الاسلام دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے (یعنی ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۷ء) اس سال ملک کے حالات ناساز تھے، چاروں طرف ایک افراتفری کا ماحول تھا، خاندان کے بہت سے حضرات ہندوستان کو چھوڑ کر پاکستان چلے گئے تھے، ایسے ماحول میں اپنے آپ کو سنبھالنا، گھر والوں کو آگے بڑھ کر مشورے دینا اور پھر اس پر قوت فیصلہ، مزید برآں اپنے آپ کو علمی مشاغل میں منہمک رکھنا اور کسی بھی طرح ان حالات سے متأثر نہ ہونا اپنے کام اور اپنی بات پر مستقیم رہنا، اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ صرف خداوند قدوس ہی کی دستگیری تھی، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس عمر میں انسان کو شعور تک نہیں ہوتا چہ جائیکہ وہ ان حالات کے سامنے چٹان بن کر کھڑا ہو جائے۔

بقول شاعر مشرق علامہ اقبال:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح
بزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن[2]

یہ استقامت اور نوجوانی کے لاابالی پن کے زمانے میں ایسا غیر معمولی شعور یہ اپنے بزرگوں اور اساتذہ کی ان توجہات اور اعتماد اور ان کی شبانہ روز دعاؤں کا ثمرہ تھا جو بچپن ہی سے حضرت خطیب الاسلام کے سر پر رہا گویا کہ آپ کے شیوخ واساتذہ آپ کو یوں دعاء دے گئے:

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

---

[1] حضرت کے خادم خاص مولانا شاہد صاحب کے نقل کردہ اقتباس سے (حضرت کا یہ قول اپنی فراغت کے بارے میں) نقل کیا گیا ہے۔

[2] کلیات علامہ اقبال

راقم الحروف کو ایک بات کا احساس ہمیشہ ہوتا رہا خاص طور پر گذشتہ دس سال کے عرصہ میں اس احساس میں مزید اضافہ ہوا کہ جب بھی میں آپ کی خدمت میں گیا تو مختلف بزرگوں، سلسلوں اور مجالس کا ایک حسین امتزاج آپ کی صحبت میں ملا، فائدہ اٹھانے والے دور ودراز سے آئے اور اپنی جھولیوں کو بھر کر لے گئے، ایک ہم بیچارے کہ کورے کے کورے ہی رہے، ''چراغ تلے اندھیرا'' کا مصداق بنے، حالانکہ ان کی مجلس تو بقول شاعر مشرق:

نرم دم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم، پاک دل و پاک باز
عقل کی منزل ہے وہ، عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں گرمئ محفل ہے وہ

بقول حضرت خطیب الاسلام:

''علم حدیث سے مناسبت اور لگاؤ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت والد محترم مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درس سے ہوا اور تراث کی کتابوں کے مطالعہ کا ذوق بھی حضرت والد محترم ہی کی دین ہے، منطق وفلسفہ سے مناسبت حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی کے درس سے ہوئی اور خاص ادبی وفنی ذوق حضرت شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب سے حاصل ہوا۔''

اس جملے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت خطیب الاسلام نے اپنے اساتذہ اور ان کے علوم سے خوب خوب استفادہ کیا، اور علم کلام کا معاملہ یہ ہے کہ یہ فن حضرت کو موروثی وخاندانی طور پر ورثہ میں ملا، کیونکہ حضرت کے جدامجد حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ مسائل کلامیہ پر کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

اساتذہ کی توجہات اور اعتماد کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت خطیب الاسلام کو خداداد ذہانت، علمی ذوق، وسعت مطالعہ اور کتب بینی سے خاص دلچسپی تھی، ان ہی وجوہات کی بنا پر آپ پر اساتذہ کی خصوصی توجہات ہوا کرتی تھیں۔

راقم الحروف کے خیال میں اساتذہ کی توجہات کی ایک معقول وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آپ کے اساتذہ میں نسبتوں کا غایت درجہ احترام تھا، چونکہ آپ کے تمام اساتذہ فیض یافتہ تھے اس لئے حضرت کے ساتھ بھی غیر معمولی شفقت کا معاملہ رہا۔

اسی کے ساتھ حضرت خطیب الاسلام کا طائرِ پرواز ذوق وشوق طلب میں بچپن ہی سے آفاق کی

بلندیوں پر تھا۔ ایک طرف طلب وجستجو، ذوق وشوق اور تڑپ ولگن کا شعلۂ جوالہ دل کی انگیٹھی کو سلگا رہا ہو اور دوسری طرف ان کے اساتذہ ان پر جاں نثار و مائل بکرم ہوں تو ہم اندازہ کر سکتے ہیں ایسے شخص کی علمی وعملی قوت کس قدر بلند ہوگی۔ ان کے اساتذہ کا طریقہ کار یہ رہا بقول شاعر:

دھر میں مجروح کوئی جاوداں مضموں کہاں
میں جسے چھوتا گیا وہ جاوداں بنتا گیا

دارالعلوم دیوبند میں حضرت خطیب الاسلام کے تعلیمی ریکارڈ کا ایک مختصر خاکہ

۱۳۶۳ھ سے ۱۳۶۷ھ تک

۱۳۶۳ھ حاصل شدہ نمبرات

کنز الاقائق	قطبی	اصول الشاشی	کافیہ	نور الایمان	ورزش
۵۶	۴۵	۵۰	۵۳	خارج از امتحان	غ

۱۳۶۴ھ

مقامات حریری	سلم العلوم	شرح جامی، بحث اسم	ہدایہ اولین
۴۵	۴۰	۴۵	۵۰

۱۳۶۵ھ

مختصر المعانی	ملاحسن	میبذی	ترجمہ اول	تلخیص المفتاح
۴۴	۴۵	۴۰	۴۸	۴۷

۱۳۶۶ھ

جلالین شریف	مشکوٰۃ شریف	شرح عقائد نفی	نخبۃ الفکر	الفوز الکبیر
۴۰	۵۰	۴۳	۵۰	۴۸

۱۳۶۷ھ

بخاری شریف	مسلم شریف	ترمذی شریف	ابوداؤد شریف	ابن ماجہ
۴۶	۴۰	۴۶	۵۰	۵۰
نسائی شریف	طحاوی شریف	شمائل ترمذی	مؤطاامام مالک	مؤطاامام محمد
۴۵	۵۰	۴۰	۵۱	۴۵

مذکورہ تعلیمی ریکارڈ سے معلوم ہوا کہ حضرت خطیب الاسلام دارالعلوم دیوبند کے ممتاز طلبہ میں رہے، کیونکہ سال درسال اکثر کتابوں میں امتیازی نمبرات ہیں حتی کہ بعض کتابوں میں انعامی نمبرات سے بھی نوازا گیا ہے کہ یہ دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی ثقافت کا حصہ تھا کہ طلبہ کو ان کی نہایت عمدہ کارکردگی پر ۵۰ میں ۵۰ نمبرات دینے کے بجائے اساتذہ کرام کسی بھی کتاب میں ۵۱ یا ۵۲ نمبر دیتے تھے۔ گویا پچاس تو پچاس میں سے اور ایک یا دو نمبرات انعامی تھے، یہ انعامی نمبرات ان ہی طلبہ کو ملتے تھے جو نہایت متفوق تھے۔

سال بہ سال یہ عمدہ کارکردگی حضرت رحمۃ اللہ کے دوران طالب علمی امتیازی پوزیشن کی غماز ہے، ایسا نہیں تھا کہ حضرت خطیب الاسلام خانوادہ قاسمی کے رکن تھے اس لئے نمبرات اچھے تھے، نہیں، بلکہ اساتذہ کرام ان کو مزید نکھارنے کے لئے ان پر اور زیادہ کڑی نظر رکھتے تھے، ایسا نہیں تھا کہ جیسے دیوبند کے شرفاء کے صاحبزادے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لینے کے بعد محنت نہیں کرتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ دارالعلوم میں پڑھایا جارہا ہے وہ تو ہمارے گھر کی میراث ہے، اور بس اسی میں رہ جاتے ہیں۔

ذیل کے نقشہ میں درس نظامی کی چند مشہور کتب اور خطیب الاسلام کے نابغۂ روزگار اساتذہ کے نام

بخاری شریف، ترمذی	حضرت مولانا حسین احمد مدنی
ابوداؤد شمائل ترمذی	حضرت مولانا اعزاز علی صاحب
مسلم	علامہ ابراہیم بلیاویؒ
مؤطا امام محمد	حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی
مؤطا امام مالک	حضرت مولانا فخر الحسن صاحب
طحاوی شریف	حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی
ابن ماجہ شریف	حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب
نسائی شریف	حضرت مولانا فخر الحسن صاحب
بیضاوی شریف	مولانا ادریس صاحب کاندھلوی
مشکوٰۃ شریف	حضرت مولانا عبد الخالق صاحب، پنجاب
جلالین شریف جلد اول	حضرت مولانا عبد الشکور صاحب
جلالین شریف جلد دوم	مولانا قاری محمد طیب صاحب
شرح عقائد	حضرت مولانا عبد الاحد صاحب

حضرت خطیب الاسلام کے نابغۂ روزگار اساتذہ کرام

یہ حقیقت ہر ایک آدمی جانتا ہے کہ کسی بھی چیز کو سیکھنے کے لئے، کسی فن میں مہارت حاصل کرنے کے لئے انسان کو کسی نہ کسی استاذ کی ضرورت ہوتی ہے، انسان چاہے کتنی ہی خداداد صلاحیتوں کا مالک ہو، اس کے پاس تحصیل علم کے تمام ذرائع بآسانی مہیا ہوں اور کتنا ہی تعلیم کے لئے ماحول سازگار ہو، اس کو تحصیل علم کے لئے کسی نہ کسی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنا پڑتا ہے، اساتذہ کرام کی جوتیاں سیدھی کرنی پڑتی ہیں، خاص کر اس وقت جب علم وہ علم مبارک ہو جو حضور ﷺ سے سینہ بہ سینہ منتقل ہو رہا ہو اور ہوتا چلا آیا ہو، اس کے لئے انسان کو ان تمام آداب، تحصیل علم کی رعایت کرنی پڑتی ہے جو صحابہ کرام نے اختیار کئے اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد امت کے علمائے کرام اور سلف صالحین کرتے آئے ہیں، بغیر استاذ کے انسان کو اپنے علم پر اعتماد نہیں ہوتا۔ کسی عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

من یأخذ العلم عن شیخ مشافهة
یکن من الزیغ والتصحیف في حرم،
ومن یکن آخذاً للعلم من کتب
فعلمه عند اهل العلم کالعدم

ایک اور عربی شاعر کہتا ہے،

یظن الغُمر أن الکتب تهدی
أخافهم لادراک العلوم
ولم یدرالجهول بأن فیها
غوامض حیرت فکر الفهیم
إذا رمت العلوم بغیر شیخ
ضللت عن الطریق المستقیم
وتلتبس الأمور علیک حتی
تصیر أضل من طوم الحکیم

علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اس بات کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے:

ھیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد
ھیچ آہن خنجرے تیغے نہ شد
ھیچ حلوائی نہ شد استاذ کار
تا غلام شکر ریزے نہ شد
مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزے نہ شد

یہ ایک حقیقت ہے کہ بغیر استاذ کے کوئی بھی ماہر فن نہیں ہوتا، استاذ کی ضرورت انسان کو ہوتی ہے، اور اگر استاذ اولیاء کاملین میں سے ہوں تو پھر انسان کے دل و دماغ پر ان کے ظاہری و باطنی کمالات کا گہرا اثر پڑتا ہے اور انسان بہت جلدی علم وفن میں کمال حاصل کر لیتا ہے۔

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو یہ دونوں ہی باتیں حاصل تھیں کہ انتہائی شریف الخصائل والدین کی آپ اولاد تھے، اور آپ کے گھرانے کے علمی تعلیمی، دینی اور دعوتی ماحول سے دنیا واقف ہے۔ جو حسن معاشرت، لطف وکرم، حلم وبردباری میں سرور کائنات ﷺ کے گھرانے کا نمونہ پیش کرتا تھا۔ جس کا مختصر تذکرہ گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے، اسی طرح حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اساتذہ کے معاملے میں انتہائی خوش قسمت واقع ہوئے تھے کہ آپ کے اساتذہ کرام جن کے سایہ عاطفت میں آپ نے اپنا تعلیمی سفر مکمل فرمایا وہ بھی انتہائی نابغۂ روزگار اور خدا ترس بزرگ تھے، جو راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے مالک حقیقی کو راضی کرتے تھے اور دن میں علوم نبویہ کی تعلیم وتدریس اور اسلام کی تبلیغ واشاعت اور اعلائے کلمۃ الحق میں اپنے قیمتی لمحات گزارتے تھے۔

حضرت فرماتے تھے: میرے ساتھ اللہ کا بڑا اکرم یہ بھی رہا کہ مجھے شرف تلمذ ایسے اساتذہ سے ہوا جو اخلاص اور خلوص کا مجموعہ اور کمال ادب اور کمال شفقت میں یکتا تھے اور ہم سب طلبہ کے ساتھ ان کا یہی حال تھا۔[1]

ان اساتذہ کرام رحمہم اللہ میں سے ہر ایک اپنے آپ میں انجمن اور پوری امت کی حیثیت رکھتا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

---

[1] حضرت رحمۃ اللہ نے ایک مجلس میں میرے سامنے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔

﴿اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيۡفًا﴾ (سورۃ النحل: ۱۲۰)

اللہ تعالیٰ نے ان حضرات سے ایسا کام لیا کہ ان کے فیوض و برکات پورے عالم میں پہنچے، اور آج بھی ان کے فیوض و برکات پورے عالم میں عام ہیں، انہی حضرات کی مخلصانہ کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم ہندوستان میں پوری آب و تاب کے ساتھ توحید خالص اور رسالت و آخرت کے بنیادی اسلامی عقیدوں پر ان کی صحیح شکل میں عمل پیرا ہیں اور پوری آزادی کے ساتھ کلمہ لا إله إلا الله کی دعوت دے رہے ہیں۔

اگر یہ مخلصین اس وقت دین کی بقاء کے لئے کوششیں نہ کرتے تو ہندوستان میں اندلس کی تاریخ دہرائی جانی یقینی ہوچکی تھی، اور دین کا صحیح تصور لوگوں کے ذہنوں سے اوجھل ہوتا جا رہا تھا، حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ کے ان مجاہد، رہبان باللیل فرسان بالنہار عابد وزاہد مشفق اساتذہ کرام کے سلسلے میں چند تفصیلات درج ذیل ہیں، ان حضرات کے عالی کردار اور مثبت سوچ، داعیانہ کردار، عالمینی فکر، مجاہدانہ رنگ عالمانہ شان تواضع وخشیت، کسر نفسی، اخلاص وللّٰہیت امت محمدیہ کی مکمل خیر خواہی، انسانیت کی تڑپ، یہ تمام باتیں حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت میں وقت پڑنے پر ابھر کر سامنے آئی، اور انہی صفات عالیہ سے حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت کی تکوین ہوئی۔

ذیل میں ان اساتذہ کرام کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جن سے حضرت کو طبعی وعلمی مناسبت رہی، ان اساتذہ کرام میں چند نام بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

۱) حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ

حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو مجدد دین وشریعت بنایا اور آپ سے ہر علمی ودینی اور دعوتی میدان میں اس قدر کام لیا کہ انسانی عقلیں آپ کے ہمہ گیر کام کو دیکھ کر حیران ہیں کہ چند دہائیوں میں آپ سے اتنا کام اللہ نے لیا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی یا حالات مختصر طور پر بھی اگر لکھے جائیں تو کئی جلدیں بھی ناکافی ہیں، سردست راقم یہاں پر مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مضمون کا اقتباس نقل کر رہا ہوں، جو حضرت کے انتقال پر حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے لکھا تھا، وہ لکھتے ہیں:

”اب اس دور کا بالکلیہ خاتمہ ہوگیا جو حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا یعقوب نانوتوی،

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا شیخ محمد تھانوی رحمہم اللہ کی یادگار تھا اور جس کی ذات میں حضرات چشت اور حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت سید احمد شہید کی نسبتیں یکجا تھیں، جس کا سینہ چشتی ذوق عشق اور مجددی سلوک ومحبت کا مجمع البحرین تھا، جس کی زبان شریعت وطریقت کی وحدت کی ترجمان تھی، جس کے قلم نے فقہ وتصوف کو ایک مدت کی ہنگامہ آرائی کے بعد باہم ہم آغوش کیا تھا اور جس کے فیض سے تقریباً نصف صدی تک اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے دنیا والے مستفید ہورہے تھے، اور جس نے اپنی تحریر وتقریر سے حقائق ایمانی، دقائق فقہی، اسرار احسانی اور رموز حکمت ربانی کو برملا فاش کیا تھا، اس لئے دنیا نے اس کو ''حکیم الامت'' کہہ کر پکارا اور حقیقت یہ ہے کہ اس اشرف زمانہ کے لئے یہ خطاب عین حقیقت تھا۔''[1]

حضرت حکیم الاسلام حضرت مجدد ملت حکیم الامت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات یگانہ روزگار اور ''آفتاب آمد دلیل آفتاب'' کی مصداق ہے، حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ شریعت وطریقت کے مجمع البحرین، جامع علم وعرفان اور دینی بصیرت وفقاہت، تقویٰ وطہارت کے درجہ کمال پر فائز تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کو دیکھ کر اسلاف کرام کی یاد تازہ ہوجاتی تھی، حضرت تھانوی قدس سرہ بجا طور پر سلف صالحین کے علوم وفیوض کے امین اور وارث تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کیمیا اثر صحبت اور بابرکت تعلیمات سے ہزارہا بندگان خدا کو یقین ومعرفت کی لازوال دولت میسر آئی اور بہت سے تشنگانِ معرفت کو اس چشمہ عرفان سے سیرابی وشادابی ہوئی، معاملات ومعاشرت، سیاست، عقائد وعبادات غرض یہ ہے کہ دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں حضرت والا قدس سرہ کی گراں قدر تجدیدی خدمات موجود نہ ہوں اور دین کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں حضرت نے تجدید واصلاح نہ کی ہو، اور اپنی تالیفات و ملفوظات ومواعظ میں ان کے بارے میں ہدایات نہ دی ہوں۔ حضرت حکیم الامت کی رفعت و بلندی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ہندو پاک کے بڑے بڑے صاحب علم وفضل اور اہل کمال وتقویٰ آپ کے علوم سے نصف صدی تک سیراب وشاداب ہوتے رہے، بقول حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ''اصلاح امت کی کوشش میں علمی وعملی زندگی کے ہر گوشے

[1] یادرفتگاں مولانا سید سلیمان ندوی، کراچی جنوری ۱۹۵۵ء

پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نظر تھی، بچوں سے لے کر بوڑھوں تک، عورتوں سے لے کر مردوں تک، جاہلوں سے لے کر عالموں تک، عاصیوں سے لے کر صوفیوں تک، درویشوں اور زاہدوں تک، غریبوں سے لے کر امیروں تک ان کی نظر مصروف اصلاح و تربیت رہی۔ پیدائش، شادی، بیاہ، غمی اور خوشی اور دوسری تقریبوں اور اجتماعوں پر ان کی نظر پڑی اور شریعت کے معیار پر جانچ کر ہر ایک کھرا کھوٹا الگ کیا۔ رسوم وبدعات اور مفاسد کے ہر ہر روڑے پتھر ہٹا کر صراط مستقیم کی راہ دکھائی۔ تبلیغ تعلیم، سیاست، معاشرت، اخلاق وعبادات اور عقائد میں دینِ خالص کے معیار سے جہاں کوتاہی نظر آئی، اس کی اصلاح کی، فقہ کے نئے نئے مسائل اور مسلمانوں کی نئی نئی ضرورتوں کے متعلق اپنے نزدیک پورا سامان مہیا کردیا اور خصوصیت کے ساتھ احسان وسلوک کی جس کا مشہور نام تصوف ہے، تجدید فرمائی۔''

حضرت حکیم الاسلام آگے فرماتے ہیں کہ

''میری زندگی کی ساخت پرداخت میں بھی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کا بہت بڑا حصہ ہے، ہندوستان کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا کہ سفر کر کے وعظ وتبلیغ نہ فرمایا ہو، تصنیف وتالیف کے ذریعہ ہر علم وفن میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہزار سے زائد تصانیف ورثہ میں چھوڑیں اور اصلاح وتربیت کا کام اپنے خلفاء، متوسلین کے حوالے کر کے ۱۶؍رجب المرجب ۱۳۶۲ھ کی شب میں تھانہ بھون میں اس جہان فانی کو خیرباد کہا اور حافظ محمد ضامن صاحب شہیدؒ کے مزار کے قریب ان ہی کے باغ میں جسے انہوں نے خانقاہ امدادیہ کے نام وقف کردیا تھا محوآرام ہوئے، حق تعالیٰ حضرتؒ کے درجات بلند فرمائے، آمین۔[۱]

حضرت خطیب الاسلام نے مرشد تھانوی نوراللہ مرقدہ سے خوب ظاہری وباطنی فیض حاصل کیا، اور علوم شریعت کا باقاعدہ آغاز حضرت تھانوی کے یہاں خانقاہ ''امدادیہ اشرفیہ'' میں فرمایا، اور حضرت کے علوم سے مستفید ہوئے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ چند سطور وہ بھی اقتباس کی شکل میں بطور تبرک لکھدی گئیں ورنہ تفصیلات کے لئے رجوع کریں اشراف السوانح از قلم خواجہ عزیزالحسن مجذوبؒ، حکیم الامت نقوش وتاثرات، مولانا عبدالماجد دریابادی، یادرفتگاں، مولانا سید سلیمان ندوی، کراچی جنوری ۱۹۵۵ء۔

[۱] ماخوذ از پچاس مثالی شخصیات

۲) حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

شیخ العرب والعجم، فخر المحدثین وفخر الأماثل، محدث وقت، مجاہد جلیل بطل کبیر حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب نور اللہ مرقدہ (متوفی ۱۳۷۷ھ) دار العلوم دیوبند کے پانچویں صدر المدرسین تھے۔ حضرت شیخ الہند کے مخصوص تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے، علم وفضل کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ نے غیر معمولی مقبولیت عطا کی تھی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلفاء ومجازین میں سے تھے، دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اپنے والد محترم کے ہمراہ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے، مدینہ منورہ کے اٹھارہ سالہ قیام کے دوران مختلف علوم وفنون اور بالخصوص حدیث شریف کا درس مسجد نبوی میں دیا۔ جو آپ کا سب سے بڑا اشرف وامتیاز ہے۔

زندگی کمال زہد وقناعت کی تھی جو کمال صبر وتحمل سے اس مدت میں بسر ہوئی، مدینہ منورہ کے قیام کے دوران ۱۳۱۸ھ میں ہندوستان تشریف لائے اور ۱۳۲۰ھ میں پھر دوبارہ واپس تشریف لے گئے، بعد ازاں ۱۳۲۷ھ میں دار العلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ اور ۱۳۲۹ھ تک درس دیا اور اسی سال مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ ۱۳۳۱ھ میں پھر ہندوستان واپس تشریف لائے، اور اسی سال مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے۔ ۱۳۳۵ھ میں حضرت شیخ الہند کے ہمراہ حجاز ہی میں گرفتار ہوکر مالٹا بھیج دئے گئے۔ ۱۳۳۸ھ مالٹا سے رہا ہوکر حضرت شیخ الہند کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے اور اسی سال اکابر کے حکم پر جامعہ اسلامیہ امروہہ میں صدارت تدریس کی خدمات انجام دیں[1] پھر ۱۳۳۹ھ میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں صدر مدرس رہے، مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد جامعہ اسلامیہ سلہٹ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوگیا۔ سلہٹ میں آپ ۱۳۴۵ھ تک قیام پذیر رہے، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ ڈھابیل تشریف لے گئے تو آپ شوال ۱۳۴۵ھ میں دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس بنائے گئے، آپ بڑے درجہ کے محدث تھے اور آپ کا درس حدیث بے انتہا مقبول تھا اور مقبول کیوں نہ ہوتا آخر روضۃ الرسول ﷺ کے پاس بیٹھ کر اس سے قبل درس حدیث دینے کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔ آپ نے کئی تصانیف فرمائیں جو سیاست وتصوف پر

[1] جامعہ اسلامیہ امروہہ جامع مسجد امروہہ میں چلتا ہے، جس کے مؤسس قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ہیں، ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۷۷ھ تک بتیس برس آپ دارالعلوم دیوبند میں صدر مدرس اور ناظم تعلیمات رہے، اس دوران ۴۴۸۳ طلباء نے آپ سے بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھ کر دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی آپ کے تلامذہ کا سلسلہ پوری دنیا میں پھیلا، حضرت خطیب الاسلام نے بھی آپ سے ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں بخاری شریف پڑھی اور شیخ الاسلام حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور علمی طور پر حدیث میں طبعی مناسبت آپ ہی سے پیدا ہوئی۔

حضرت مدنی ان تعلیمی خدمات کے ساتھ ساتھ سیاسی کام بھی پوری تندہی سے انجام دیتے رہے اسی دوران آپ جمعیۃ علماء ہند کے بار بار صدر بنائے گئے، آپ جمعیۃ علماء اور کانگریس کے قائدین میں سے تھے، ہندوستان کی جنگ آزادی میں آپ کا نمایاں کردار رہا اور ملک کو آزاد کرانے میں تن من دھن کی بازی لگا دی، کئی مرتبہ جیل بھیجے گئے، آخر کار سب کے ساتھ مل کر وطن کو آزاد کرایا۔ بہرحال آپ عالم باعمل، محی السنۃ، شیخ وقت، مجاہد و جفاکش، جری اور اولعزم فضلائے دارالعلوم دیوبند میں سے تھے۔

آپ کا حدیث کا درس مضامین اور جامعیت کے لحاظ سے دنیائے اسلام میں اپنی نوعیت کا منفرد درس ہوتا تھا، راقم الحروف نے حضرت خطیب الاسلام اور اپنے ہی خاندان کے دوسرے بزرگ حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب نانوتویؒ کو بارہا فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ کا درس بخاری سننے کے بعد کسی اور کے درس بخاری میں بیٹھ کر عجیب سے اجنبیت محسوس ہوتی ہے۔

۱۲ جمادی الاول ۱۳۷۷ھ ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کو آپ واصل بحق ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، جنازہ دارالحدیث میں لاکر رکھ دیا گیا اور مظاہر علوم سہارنپور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نے نماز جنازہ پڑھائی، قبرستان قاسمی میں اس عظیم محدث، جلیل القدر مجاہد کی تدفین عمل میں آئی، حق تعالیٰ شانہ آپ کے درجات بلند فرمائے۔[1] حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے اللہ نے دعوت وتبلیغ اور اصلاح امت وتربیت کا بہت بڑا کام لیا، چنانچہ آپ کے زمانہ میں مغربی یوپی کے اکثر شرفاء کی بستیوں میں رہنے والے لوگ اصلاح وتربیت کے باب میں حضرت مدنی علیہ الرحمہ ہی کے دست گرفتہ تھے، اور اکثر کا اصلاحی وتربیتی تعلق حضرت ہی سے تھا، جنہوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا وہ حضرت کے عاشق زار تھے، کیونکہ حضرت کے یہاں نہایت درجہ سنتوں پر عمل کرنے کا

[1] ماخوذ از حضرت قاری محمد طیب صاحب کی کتاب ''دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات۔''

اہتمام تھا، اور اتباع سنت آپ کا خاص الخاص رنگ تھا، اسی طرح غیر منقسم بنگال، کلکتہ واطراف میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا بے انتہا فیض جاری ہوا۔ فجز اہ اللہ عنا وعن الاسلام والمسلمین کل خیر۔ حضرت کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لئے دیکھیں حضرت کی خودنوشت سوانح حیات، موسوم ''نقش حیات''۔

۳) حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین رہے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے، آپ کو امام المنطق والفلسفہ اور جامع معقولات اور منقولات ہونے کے ساتھ ساتھ اکثر اساتذہ دارالعلوم دیوبند اور دیگر بہت سے ذمہ داران مدارس دینیہ کے استاذ ہونے کا شرف حاصل ہے، درس و تدریس میں حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو خاص ملکہ عطا فرمایا تھا اور درس حدیث میں آپ کو خاص طور پر امتیاز حاصل تھا، مختلف مدارس اسلامیہ میں آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں، مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی، مدرسہ امدادیہ دربھنگہ، مدرسہ ہاٹ ہزاری، ڈھاکہ وغیرہ میں صدارت تدریس کے مؤقر عہدوں پر فائز رہے اور آخر میں آپ کا انتخاب دارالعلوم دیوبند کے لئے بحیثیت صدر مدرس ہوا، یعنی ۱۳۷۷ھ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی وفات کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس و ناظم تعلیمات اور مجلس شوریٰ کے ممبر بنائے گئے، آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، راقم الحروف نے اپنے اساتذہ اور خاص طور پر اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے بارہا یہ جملہ سنا ''آپ کا درس انتہائی باوقار اور دلچسپ ہوتا تھا۔'' طلباء آپ کے افادات عالیہ سے مستفید ہونے کے لئے آپ کے درس میں انتہائی ذوق وشوق سے شرکت کرتے کیونکہ بڑے سے بڑے مسئلے کو آپ لطائف وظرافت، دقیقہ سنجی اور بالغ نظری سے حل فرمادیتے، ان تمام علمی کمالات کے ساتھ حضرت نانوتویؒ کے علوم پر گہری نظر تھی۔ حضرت شیخ الہند سے شرف تلمذ کے علاوہ بیعت کا شرف بھی حاصل تھا، درس وتدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنے پیچھے کئی تصانیف ورسائل بھی چھوڑے، حضرت خطیب الاسلام کو حضرت علامہ اور ان کے علوم سے خاص انسیت تھی، مزاج شناسی کے ساتھ ساتھ مزاج میں ہم آہنگی کی کئی اہم وجوہات تھیں، ایک تو خود خطیب الاسلام کا مزاج علمی، دوسری وجہ علمی مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ

طبیعت میں ظرافت و بذلہ سنجی، تیسری وجہ حضرت علامہ کو حضرت نانوتوی کے علوم سے گہری مناسبت، ان تمام وجوہات کی بنا پر حضرت خطیب الاسلام کو حضرت علامہ سے خوب خوب استفادہ کا موقع ملا۔ اس کے علاوہ ایک نسبت اور بھی تھی کہ حضرت علامہ آپ کے والد ماجد حضرت حکیم الاسلام کے بھی استاذ تھے، ان تمام نسبتوں کی وجہ سے حضرت کو حضرت علامہ سے مناسبت اور خاص انیست حاصل ہوگئی تھی۔[۱] آپ نے ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا اور قبرستان قاسمی میں آسودۂ خواب ہوئے۔ حق تعالیٰ شانہ درجات بلند فرمائے۔ آمین

آپ کے بارے میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا بلیاویؒ دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز محقق عالم تھے۔ درسیات کی مشکل ترین کتابوں کے اعلیٰ ترین استاذ تھے، اپنی حیات کا بہت بڑا حصہ علوم نقلیہ وعقلیہ کی تعلیم وتدریس میں صرف کیا اور پورے ساٹھ برس تک تدریس علوم دینیہ کی خدمت انجام دیں، ذکاوت وقوت حافظہ اور حسن تعبیر میں خصوصا معقول اور منقول کے مشکلات کے حل کرنے میں یکتائے روزگار تھے، ہندو پاک کے ہزاروں علماء کے استاد تھے اور اپنے علمی کمالات اور جامعیت کے اعتبار سے قدمائے سلف کی یادگار تھے۔''[۲]

میں نے علامہ بلیاوی رحمہ اللہ کے بعض شاگردوں سے یہ دلچسپ واقعہ سنا کہ ایک مرتبہ علامہ بلیاوی رحمہ اللہ نے دوران درس حدیث طلبا کے سامنے واقعہ طائف بڑے ہی مؤثر لب و لہجے میں سنایا، ایک تو واقعہ طائف اپنے اندر ایسے پہلو رکھتا ہے کہ جس انسان کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو وہ کفار طائف کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدتمیزی اور گستاخی سن کر تڑپ جاتا ہے، اس پر مستزاد ایک صاحب علم وفضل اور اخلاص وللّٰہیت کے پیکر کی زبان اور لب ولہجہ ہو تو اثر پذیری بڑھ جاتی ہے۔ حضرت علامہ کی زبان بافیض سے یہ واقعہ سن کر درس میں شریک ایک بنگالی طالب علم نے روتے ہوئے یوں کہا: حضرت، علامہ نے فرمایا، کون صاحب ہیں، ان طالب علم نے ہاتھ اٹھایا، علامہ نے کہا جی فرمائیں، بنگالی طالب علم نے اپنے مخصوص لب ولہجہ میں اردو بولتے ہوئے کہا، حضرت اگر اللہ

[۱] حضرت خطیب الاسلام نے حضرت علامہ سے مسلم شریف اور طحاوی شریف پڑھیں۔

[۲] ماہ نامہ بینات کراچی ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ ص ۲۵۔ علامہ ابراہیم بلیاوی کے بارے میں یہ مختصر معلومات ماخوذ ہیں از: حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی کتاب ''دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات''

رب العزت حضرت محمد ﷺ کو ہمارے یہاں بھیجتا تو ہم آپ کے ساتھ یہ سلوک ہرگز نہ کرتے اور یہ کہتے ہوئے رونے لگے۔ حضرت علامہ بھی استادوں کے استاد تھے، بڑا ہی عجیب وغریب جواب ارشاد فرمایا کہ خوش طبعی بھی ہوگئی، اوران کی بات کا جواب بھی ہوگیا، ارشاد فرمایا، مولوی صاحب! تم کس علاقے کے رہنے والے ہو، انہوں نے کہا کہ حضرت میں بنگال کا ہوں، فرمایا، بنگال کی کیا چیز مشہور ہے، بتایا گیا، بنگال کی کھاڑی اور زلف بنگال مشہور ہے، پھر فرمایا کہ عرب کے علاقے کی کیا چیز مشہور ہے، طلبہ نے بتایا، پہاڑ چٹانیں اور پتھر۔ ارشاد فرمایا، کیا تم نے کبھی سنا ہے کہ کسی نے کوئی چیز پانی پر لکھی ہو، پانی پر کوئی چیز لکھی نہیں جاسکتی، اور اردو کا محاورہ ہے پتھر کی لکیر، جو چیز پتھر پر لکھ دی جائے وہ مٹتی نہیں، پانی پر ہاتھ چلا کر کچھ بھی لکھ دیں وہ فوراً مٹ جاتا ہے، لیکن جو چیز پتھر پر لکھدی جائے وہ انمنٹ ہوجاتی ہے، لیکن پتھر پر لکھنا آسان نہیں، اگر اللہ تعالیٰ سرور کائنات ﷺ کو بنگال کے علاقے میں بھیج دیتے تو تم لوگ بات تو جلدی قبول کر لیتے لیکن اپنی طبیعت اور مزاجوں کی وجہ سے اسے بھلا بھی دیتے لیکن عرب کے لوگوں نے بیشک پیغام ابدی کو دیر سے اور بڑی جد وجہد کے بعد قبول کیا، لیکن جب قبول کرلیا تو بس پتھر کی لکیر بن گیا، اور تیرہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اسی آب وتاب کے ساتھ زندہ ہے، واقعہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ علامہ ابراہیم رحمۃ اللہ کا امتیاز یہ تھا کہ نکتہ آفرینی فرماتے اور بڑے بڑے گنجلک مسائل کو بآسانی حل کردیتے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

۴) شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ بھی دارالعلوم دیوبند کے ان ممتاز اساتذہ میں سے تھے جن سے حضرت خطیب الاسلام کو خوب خوب استفادہ کا موقع ملا، آپ کو ۱۳۲۱ھ میں بھاگلپور (بہار) کے مدرسہ نعمانیہ کے لئے حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے منتخب فرمایا، جہاں پر آپ نے سات سال تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا، پھر وہاں سے شاہ جہاں پور تشریف لائے اور ایک مسجد میں افضل المدارس کے نام سے مدرسہ قائم کیا، جس میں حِسبۃً للہ پڑھاتے رہے ۱۳۳۰ھ میں آپ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں ہوا، یہاں پر عربی ادب کے اکثر اسباق آپ سے متعلق رہے، چونکہ عربی زبان وادب کا خاص ذوق رکھتے تھے اس لئے دارالعلوم دیوبند کے حلقوں میں ''شیخ الادب'' کے نام سے معروف ہوئے۔ ۱۳۴۰ھ میں حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا ریاست حیدرآباد کے مفتی اعظم کے

عہدے پر انتخاب عمل میں آیا تو اپنی ضعیف العمری کی وجہ سے آپ کو اپنی معیت میں لے گئے۔ جہاں ایک سال قیام رہا۔ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب ہی کے ساتھ آپ دیوبند واپس تشریف لے آئے، پھر آپ کو مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی قدس سرہ کے انتقال کے بعد صدر مفتی دار العلوم دیوبند کے عہدے پر فائز کیا گیا اور اس کے بعد آخر عمر تک دار العلوم دیوبند ہی میں آپکا قیام رہا۔

گرچہ فقہ وادب آپ کا خاص موضوع تھا مگر آپ نے آخری دور میں کئی سال ترمذی شریف اور تفسیر کی بلند پایہ کتابیں بھی پڑھائیں، مولانا مدنی کی عدم موجودگی میں متعدد مرتبہ بخاری شریف پڑھانے کا بھی موقع ملا، غرض یہ کہ علم فقہ، علم حدیث، علم ادب اور علم تفسیر وغیرہ ہر فن کی کتابوں پر آپ کو مکمل عبور حاصل تھا، حضرت خطیب الاسلام کے یہ نامور اور نابغۂ روزگار اساتذہ کرام کا امتیاز اگر چہ کسی خاص فن اور علم میں ظاہر ہوجاتا تھا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام ہی حضرات علوم متداولہ پر کامل دستگاہ رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان میں اگر کوئی محدثانہ شان کے ساتھ مشہور ہوا، لیکن جب وہ دوسرے علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتا، تو یوں محسوس ہوتا کہ یہ اسی میدان کا شہسوار ہے۔ بڑے افسوس کے ساتھ یہ بات لکھنی پڑتی ہے کہ ذوق مطالعہ میں کمی آنے کی وجہ سے اب ایسے باکمال اساتذہ اور افراد خال خال ہی نظر آتے ہیں کہ جنکا علم موسوعی اور ہمہ گیر انداز کا ہو۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

> ''حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ ہمارے ان اساتذہ میں سے ہیں جن کی تعلیم وتربیت ہماری تعلیم کا اصل قوام تھی، دار العلوم دیوبند میں درس وتدریس کی والہانہ خدمت آپ کا شب وروز کا محبوب مشغلہ تھا، اس کے ساتھ ادب اور فقہ کی بہت سی کتابوں پر حواشی لکھے جو اہل علم میں نہایت مقبول ہوئے۔[۱]

آپ تواضع، اخلاق واوصاف میں اپنے اسلاف کے نمونہ تھے، انتظامی امور میں بھی آپ کی اہلیت مسلم تھی، بقول حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ''وقتاً فوقتاً ادارہ اہتمام میں بھی آپ کی انتظامی صلاحیتوں سے استفادہ کیا گیا۔[۲] ۱۳۷۴ھ میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا، حق تعالیٰ شانہ درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ (آمین)

---

۱ حیات طیب، ج اول ص ۳۷ مرتبان: مولانا غلام نبی قاسمی، مولانا محمد شکیب قاسمی

۲ دار العلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، مولانا قاری محمد طیب صاحب ص ۱۴۶

حضرت خطیب الاسلام کو حضرت شیخ الادب کے بارے میں کثرت سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کبھی کسی کو کچھ نہیں کہتے تھے، مگر رعب اس قدر تھا کہ کسی کی چوں و چرا کرنے کی ہمت نہیں تھی، دراصل یہ وہ ایمانی رعب تھا جو حق تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتا ہے۔[1]

بقول اقبال:

اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دلنواز[2]

۵) حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحبؒ سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند

حضرت کا آبائی تعلق مراد آباد کے قریب مقام موضع عمری سے تھا، مگر حضرت پچاس سال قبل (نصف صدی قبل) اپنا آبائی وطن ترک فرما کر دیوبند قیام پذیر ہوگئے اور محلّہ شاہ رمز الدین کے ایک مکان میں قیام فرمایا تھا، آپ نے تقریباً نصف صدی تک دار العلوم دیوبند اور دیگر مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں، حقیقت یہ ہے کہ میزان الصرف سے لے کر دورہ حدیث شریف تک کی شاید ہی کوئی کتاب ہو جو حضرت کے زیر درس نہ رہی ہو، وسعت مطالعہ، قوت حفظ اور تدریسی صلاحیت کے اعتبار سے مولانا خود اپنی نظیر آپ تھے۔

مادرِ علمی دار العلوم دیوبند میں نصف صدی قبل حضرت کا تقرر ہوا، اور درجہ وسطی کی کتب آپ سے متعلق فرمائی گئیں، آپ کی تدریسی خدمات کے پیش نظر دار العلوم کی انتظامیہ نے آپ کو صدر المدرسین بنایا، اور کچھ عرصہ دار العلوم میں بخاری شریف کا بھی درس دیا، حضرت خطیب الاسلام نے آپ سے نسائی شریف اور مؤطا امام مالک پڑھی تھیں آپ کے طرز تدریس کی خصوصیت بقول حضرت خطیب الاسلام:

''جس خوبی وسہل تر اور دلکش انداز میں بیان فرماتے وہ حضرت کی اپنی خصوصیت تھی،'' دوران

[1] تدریسی وعلمی خدمات کے ساتھ تصوف وسلوک کے منازل طے کرتے رہے، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت کا سلسلہ قائم فرمایا۔ مولانا اعزاز علی صاحب نے دیوان الحماسہ کا بڑی ہی سلیس اردو میں ترجمہ کیا، جو اکثر وبیشتر دیوان الحماسہ کے حاشیہ پر چھپا ہوا ہوتا ہے۔
[2] کلیات اقبال

درس طرز استدلال نہایت قوی اور جامع ہوتا اور گاہ بگاہ اپنے طرز استدلال کو مزید مدلل بنانے کے لئے یہ جملہ فرماتے ”من ادعی غیر ذلک فعلیه البیان الی آخر شعبان.“ حضرت کو خداوند قدوس نے تصنیفی ذوق بھی خوب عطا فرمایا تھا، آپ کی مشہور تصانیف میں تقریر حاوی شرح بیضاوی ہے جو تین حصہ یکجا شائع ہوئی، جس کو مولانا شکیل احمد صاحب سیتاپوری نے مرتب فرمایا، یہ کتاب بیضاوی شریف سورہ بقرہ کی مشہور اور مقبول ترین شرح ہے، اس کے علاوہ امام طحاوی پر ایک کتاب ”حیات امام طحاوی“ بھی آپ کی مشہور تصنیف ہے، حضرت مولانا کے صاحبزادگان میں مولانا بہاؤ الحسن اور حضرت مولانا انور حسن صاحب دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ میں سے تھے اور آخر الذکر صاحبزادے نے تو تقریباً چالیس سال دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمت انجام دی۔ حضرت مولانا فخر الحسن صاحب کی وفات ۱۳۹۸ھ میں ہوئی اور مزار قاسمی میں تدفین ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہ درجات عالیہ نصیب فرمائے۔[1]

٦) استاذ العلماء حضرت مولانا سید اختر حسین میاں صاحب

حضرت خطیب الاسلام نے فقہ کی مشہور کتاب ”کنز الدقائق“ حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی سے پڑھی، آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے غیر معمولی فطری صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ غیر معمولی حسن انتظام عطا کر رکھا تھا، جس کام کو کرتے بقول خطیب الاسلامؒ: ایسا معلوم ہوتا کہ آپ کو اسی کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے، آپ حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب محدث دارالعلوم دیوبند کے صاحبزادے تھے، حضرت کے جدامجد حضرت مولانا عبداللہ شاہ عرف حضرت میاں جی منے شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو حضرت نانوتویؒ کے قیام دارالعلوم کے سلسلے میں معاونین میں سے تھے۔

حضرت مولانا خورشید حسن اپنی کتاب ”دارالعلوم دیوبند کی تاریخی شخصیات“ میں لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب نے تقریباً چالیس سال تک دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں، آپ کو حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے ناظم تعلیمات مقرر فرمایا، اور تا وفات آپ اس باوقار عہدہ پر فائز رہے، انتظامی اعتبار سے حضرت طلباء کے لئے مشفق استاذ کے ساتھ منتظم کی

[1] دارالعلوم دیوبند کی تاریخی شخصیات مصنف مولانا خورشید حسن قاسمی ص ۷۹، ۸۰۔

حیثیت سے ادارہ کے قوانین وضوابط کے سخت پابند تھے، درس میں کسی قسم کی بے اصولی، سبق میں عدم حاضری، استاذ محترم کے ساتھ دیوار یا تپائی یا کتاب پر سہارا لے کر بیٹھنا یا دوران درس طالب علم کی دوسرے ساتھی کے ساتھ گفتگو وغیرہ نا قابل معافی حرکات تصور کی جاتی، جس کی مناسب اور حسب حال سزا میں تاخیر کی گنجائش نہ ہوتی۔[1]

آپ کا طرز تدریس بقول حضرت خطیب الاسلام ''اولا عبارت کتاب، مطلب خیز، ترجمہ پر توجہ رہتی، فقہ سے متعلق کتب کی تدریس میں دارالعلوم دیوبند کے فقہی ذوق کے مطابق ائمہ اربعہ کے مسلک کومختصرا بیان فرما کر حنفی ترجیحی دلائل کو بالکل آخر میں انتہائی سہل انداز میں بیان فرماتے۔''

ہدایہ اولین اور ہدایہ آخرین کا درس بہت مشہور تھا، آپ کی وفات اجلاس صد سالہ سے قبل ہوئی۔

اللھم اغفرہ وارحمہ واعف عنہ

۷) حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

حضرت خطیب الاسلام نے دورہ کے سال میں جن باکمال حضرات سے استفادہ کیا، ان میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی ذات بابرکت خاص طور پر قابل ذکر ہے، حضرت خطیب الاسلام کو آپ سے مؤطا امام محمد اور بیضاوی شریف پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔ ممتاز علمائے دین اور بلند پایہ ارباب تدریس میں آپ کا شمار ہوتا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ ایک عظیم محدث، مؤرخ اور کثیر التصانیف مصنف تھے۔ آپ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون میں ہوئی، اس کے بعد اعلیٰ دینی تعلیم کے حصول کے لئے مظاہر علوم تشریف لے گئے، اور مظاہر علوم سے ہی دورۂ حدیث شریف تک تعلیم حاصل کی، مزید تعلیم کا شوق دارالعلوم دیوبند میں لے آیا اور دوبارہ دورہ حدیث شریف میں داخلہ لیا۔ ۱۳۳۷/۱۹۱۹ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی، صلاح وتقویٰ کے آثار شروع ہی سے نمایاں تھے اور بقول حکیم الاسلام ''آپ دارالعلوم کے ممتاز فضلاء میں سے تھے، حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ قدس سرہ کے مخصوص اور معتمد علیہ تلامذہ میں سے آپ کا شمار ہوتا تھا۔[2]

[1] دارالعلوم دیوبند کی تاریخی شخصیات مصنف مولانا خورشید حسن قاسمی ص ۵۶، ۵۶
[2] دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، ص ۱۶۸، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ

مدرسہ امینیہ دہلی سے انہوں نے تدریسی زندگی کا آغاز کیا، پھر چند ماہ بعد ہی دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہو گیا اور مختلف کتابیں پڑھانے کا موقع ملا، ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء تک دارالعلوم میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، پھر حیدرآباد چلے گئے اور دس بارہ سال تک وہاں مقیم رہ کر درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء پھر انہیں واپس دارالعلوم بلایا گیا اور تفسیر وحدیث کے اسباق ان کے سپرد کئے گئے، ان کا درس تفسیر وحدیث اہل علم میں مشہور ومقبول تھا، اس طرح اٹھارہ سال تک انہوں نے دارالعلوم میں مسند تدریس کو رونق بخشی تقسیم وطن کے وقت ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۸ء میں لاہور چلے گئے اور وہاں جامعہ عباسیہ بہاولپور میں شیخ الجامعۃ مقرر ہوئے، پھر ۱۹۵۲ء سے آخر تک جامعہ اشرفیہ لاہور میں بہ حیثیت شیخ الحدیث ۲۲ سال تک فرائض تدریس انجام دیتے رہے، لاہور میں ہر جمعہ کو ان کا وعظ ہوتا تھا جس میں بڑے ذوق وشوق سے لوگ شریک ہوا کرتے تھے۔

تفسیر وحدیث، علم کلام اور عربی ادب سے انہیں شغف تھا، عربی اور فارسی میں برجستہ اشعار کہنے کا انہیں اچھا ملکہ تھا، علم وفضل، زہد وتقویٰ اور اتباع سلف میں ان کا بڑا مقام تھا۔ تقویٰ اور خشیت الٰہی کے آثار نمایاں طور پر ان کے چہرے پر محسوس ہوتے تھے۔ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے، حق گوئی میں نہایت جری اور بے باک تھے، حق بات بلا خوف لومۃ لائم برملا کہنے میں ذرا تأمل نہیں ہوتا تھا۔ علم وعمل میں سلف صالح کا نمونہ تھے، بقول حضرت حکیم الاسلام ''علوم اور کتب کا استحضار تام تھا۔ ہر وقت درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہتے تھے یہ ذوق یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ دنیوی ساز وسامان سے ہمیشہ بے نیاز رہے۔ تفسیر، حدیث اور عقائد وغیرہ میں ان کی جملہ تصانیف کی تعداد سو کے قریب ہے، دارالعلوم کے کتب خانہ میں ان کی تین درجن سے زائد تصنیفات موجود ہیں۔ جن میں سیرت المصطفی بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اس کتاب میں بیان سیرت میں صحیحین کی مرویات کو ہی بیان کرنے اور لکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ مولانا قاضی اظہار صاحب کاندھلوی[1] رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے اپنے ذاتی کتب خانے کی کتابوں کے گرد کو ایک جگہ جمع کیا ہوا

[1] حضرت مولانا قاضی اظہار صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے ہی جید عالم اور فقیہ النفس انسان تھے، رئیس کاندھلہ جناب قاضی نثار صاحب مرحوم کے دوسرے نمبر کے صاحبزادے تھے، میرے بھائی جان کے استاذ تھے، انتہائی متواضع اور صاحب علم انسان تھے، زندگی کے اکثر اوقات فقہی وعلمی کتب کے مطالعے میں گذرتے تھے۔ سن ۱۹۹۷ء میں مولانا کی وفات ہوئی اور کاندھلہ کے مشہور قبرستان عیدگاہ میں آسودۂ خواب ہیں۔ ان کے ایک صاحبزادے ہیں جو آج کل مدینہ منورہ میں مقیم ہیں۔

تھا، انتقال کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ اس گرد کو میری قبر میں میرے ساتھ دفن کر دینا، جس سے علمی شغف اور علوم اسلامیہ کے ساتھ انتہائی دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے، آج کل تو موبائیلوں نے لوگوں کے اندر سے یہ علمی ذوق اور شغف، کتب بینی کا ذوق ختم کر دیا ہے، جس سے امت کو بے انتہا نقصان ہوا۔

۷/رجب المرجب ۱۳۹۴ھ ,۲۸/جولائی ۱۹۷۴ء کو لاہور میں وفات پائی اور وہیں شادمان کالونی کے قبرستان میں آسودۂ خواب ہیں۔[1]

۹) حضرت مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندیؒ

حضرت خطیب الاسلام نے درس نظامی کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی حضرت مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندی، صاحبزادے حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب سے پڑھی، استاذ اور شاگرد میں بڑی گہری نسبت یہ رہی کہ جس طرح حضرت مولانا عبدالاحد صاحب کا شرح عقائد کا درس مشہور تھا، اسی طرح حضرت خطیب الاسلام کو بھی اس کتاب سے بڑا خاص تعلق رہا، بقول والد محترم[2] (میرے والد نے شرح عقائد حضرت خطیب الاسلام سے پڑھی) ''حضرت کا شرح عقائد کا درس اس قدر مقبول تھا کہ دیگر مدارس سے طلبہ شریک درس ہونے کے لئے آجاتے اور اس قدر جامع کلام فرماتے کہ سارے کلامی مضامین ذہن نشین ہوتے چلے جاتے اور کوئی گوشہ تشنہ نہ چھوڑتے، جیسا کہ خانوادہ قاسمی کی خصوصیت ہے کہ جب یہ حضرات کسی مسئلہ پر کلام کرتے ہیں تو وہ مسئلہ کسی بھی جانب سے تشنہ نہیں رہتا۔''

بہرحال حضرت مولانا عبدالاحد صاحب حضرت خطیب الاسلام کے اساتذہ میں سے ہیں، حضرت مولانا اپنے وطن دیوبند میں ۱۱/رمضان ۱۳۲۹ھ بوقت تراویح پیدا ہوئے، تاریخی نام اختر حسین، رکھا گیا اور عرفی نام 'عبدالاحد' آپ کے والد حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندی دارالعلوم کے استاذ تھے، اس لئے مولانا عبدالاحد صاحب کی تعلیم از اول تا آخر دارالعلوم دیوبند میں ہوئی جس طرح حضرت خطیب الاسلام کی تعلیم از اول تا آخر دارالعلوم دیوبند ہی میں ہوئی۔

---

[1] تاریخ دارالعلوم دیوبند ج دوم ص ۱۳۷، ۱۳۸ مشاہیر علماء دیوبند، دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات

[2] میرے والد محترم نے 'مشکوٰۃ المصابیح' حضرت مولانا عبدالاحد صاحب سے پڑھی ایک مرتبہ دوران درس حضرت مولانا عبدالاحد صاحب نے ایک سوال طلبہ سے فرمایا اور جواب دینے والے کو انعام کی پیش کش کی میرے والد محترم نے برجستہ جواب دیا تو جیب سے دس پیسے نکالے اور والد محترم کو عنایت فرمائے اور یہ فرمایا کہ یہ خاندان صدیقی نانوتہ (یعنی حضرت نانوتوی کے خاندان) کی خصوصیت ہے۔

مولانا نے پہلے حفظ کیا، پھر فارسی پڑھی اس کے بعد دیگر علوم متداولہ، ۱۳۵۵ھ میں آپ نے دورہ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، اور ۱۳۵۶ھ میں دیگر فنون کی تکمیل کی۔

۱۳۵۷ھ سے آپ دارالعلوم دیوبند میں عربی کے ابتدائی مدرس ہوگئے اور بتدریج ترقی کرکے بہت جلد علیا کے استاذ ہوگئے، اخیر میں کئی سال مسلم شریف کا درس دیا، آپ نے ۱۳۷۷ھ میں پہلا حج کیا، اس کے بعد وقفہ وقفہ سے پانچ حج ادا کئے، بیعت کا شرف شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھا۔ عام طور پر طلبہ آپ سے بہت مانوس اور خوش رہتے تھے، مہمان نوازی آپ کا خاص وصف تھا، قرآن پاک پڑھنے پڑھانے سے بہت مناسبت اور تلاوت کلام اللہ سے خاص شغف تھا۔ ہزاروں طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا، صدسالہ اجلاس میں پیش پیش رہے، اس کے بڑے حامی تھے، رمضان ۱۳۹۹ھ میں کوئی بیماری ہوئی جس سے کافی کمزور ہوگئے، مگر چند ماہ بعد ہی اس مرض سے افاقہ ہوگیا، یکم ذیقعدہ کو اچانک طبیعت ناساز ہوئی، اور ۹ کا دن گذار کر شب کے سوا دو بجے جاں جان آفریں کے سپرد کردی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۳۱/ اکتوبر ۱۹۷۹ء چہار شنبہ کی شب تاریخ وفات ہے۔ آپ کی متعدد تصانیف بھی ہیں جن میں کنز الفرائد کے نام سے ''شرح عقائد'' کی شرح بھی ہے۔ جامع مسجد دیوبند میں خطیب تھے اور دارالعلوم دیوبند میں بیالیس سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ حق تعالیٰ شانہ نے ان کو زہد وتقویٰ اور سنت نبوی کا عملی نمونہ بنایا تھا۔[1]

۱۰) حضرت مولانا عبدالشکور دیوبندیؒ

حضرت والا سے حضرت خطیب الاسلام نے جلالین شریف (حصہ اول) پڑھی، مولانا کو حق تعالیٰ شانہ نے غیر معمولی ذہانت اور فراست ایمانی عطا فرمائی تھی، جس کا نتیجہ فکری پرواز کی بلندی اور طلبہ کے درمیان درس کی مقبولیت کی شکل میں ظاہر ہوا، آپ کا تعلق دیوبند کے شیوخ خاندان سے تھا، آپ کے والد کا نام مولانا نورالحسن نقشبندی اور جد امجد کا اسم گرامی مولانا عبدالخالق دیوبندی ہے جن کا دیوبند کی تاریخی جامع مسجد کے قیام میں بنیادی مقام رہا اور ان کے نام کا کتبہ بھی جامع مسجد کے صدر گیٹ پر تاحال نصب ہے اور مذکورہ مسجد کی امامت وخطابت کا شرف بھی اسی خاندان کو حاصل تھا۔

---

[1] مشاہیر علماء دیوبند ص ۱۰۵ مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب، دارالعلوم دیوبند کی تاریخی شخصیات۔

دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی اور ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں سند فراغت حاصل کی۔

مدرسہ صدیقیہ دہلی اور مدرسہ حسین بخش دہلی میں مدتوں بسلسلہ تدریس خدمات انجام دیں، ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء میں دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے لئے ان کا تقرر ہوا، شوال ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ میں حجاز چلے گئے اور مدرسہ العلوم الشرعیہ مدینہ منورہ میں مدرس مقرر ہوگئے، حجاز میں اللہ رب العزت نے ان کے درس کو بڑی مقبولیت بخشی اور ہزاروں عرب وعجم کے طلبہ ان کے درس سے مستفید ہوئے۔

مولانا موصوف کی شخصیت اپنے علم وفضل کے ساتھ ساتھ اخلاص وللّٰہیت اور عاجزی وانکساری کا ایک مجموعہ تھی، ان کو قرآن کریم اور خدمت قرآن سے خاص شغف تھا، ان کی پوری زندگی قرآن کریم، تفسیر اور حدیث کے درس اور خدمت میں گذری، دیوبند کے بڑے جید حفاظ میں سے تھے، اسی کے ساتھ ساتھ آواز میں ایسی تاثیر اور گداز تھا کہ ان کی تلاوت کے وقت دل کھنچے جاتے اور سننے والوں پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ/ستمبر ۱۹۶۳ء میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں حضرت عثمان غنیؓ کے مزار کے نزدیک تدفین عمل میں آئی۔[۱]

حضرت خطیب الاسلام کو اپنے استاذ مولانا عبدالشکور صاحب سے ایک خاص انسیت اس لئے تھی کہ مولانا کا انداز تدریس انتہائی عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ مدلل اور جامع ہوتا یہی وجہ ہے کہ حضرت خطیب الاسلام کو ان سے بہت کم وقفہ میں خاص تعلق پیدا ہوگیا تھا، اور ان کے درس میں عبارت خوانی میں بھی پیش پیش رہتے تھے۔

حضرت کی ذات گرامی دارالعلوم دیوبند کے اس بابرکت دور کی دلکش یادگار تھی جس نے حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ وغیرہ کا جلوہ جہاں آرا دیکھا تھا۔ یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جس کسی نے حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کے چہرہ کی زیارت کی ہے، بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت کے فیض صحبت سے فیضیاب ہوا ان کے نقوش دل ودماغ سے نہیں مٹ سکے۔

مولانا کی علمی استعداد اور حدیث وتفسیر سے غیر معمولی شغف کی بنا پر اکابر علماء مدینہ منورہ نے آپ کو حرم مقدس کے نزدیک واقع مدرسہ علوم الشریعہ میں تدریسی خدمات کے لئے مقرر فرمایا، جہاں پر خاص طور پر درس حدیث حضرت سے متعلق رہا۔

[۱] تاریخ دارالعلوم دیوبند ج دوم ص ۱۱۲۔ دارالعلوم دیوبند کی تاریخی شخصیات ص ۹۲

حضرت کی شخصیت ان سب بابرکات شخصیات کے فیوض کی جامع ہے، حق تعالیٰ شانہ حضرت خطیب الاسلام کی عمر عزیز میں مزید برکت عطا فرمائے تاکہ ہم جیسے نااہلوں کو حضرت سے مستفید ہونے کا مزید موقع مل سکے۔ بقول علامہ اقبال:

تجھ سے ہوا آشکار بندہ مؤمن کا راز
اس کے دنوں کی تپش، اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند، اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز[1]

۱۱) حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب بلند شہری

حضرت مولانا بشیر احمد صاحب کا دارالعلوم دیوبند کے صف اول کے اساتذہ میں شمار ہوتا تھا، ان کا آبائی وطن ضلع بلند شہر ہے، انہوں نے کافی عرصہ قبل دیوبند ہی میں مستقل رہائش اختیار کر لی تھی، حضرت کا مکان محلّہ کوٹلہ دیوبند میں لب سڑک واقع ہے، حضرت خطیب الاسلام نے حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب سے جلالین شریف پڑھی۔ بقول حضرت خطیب الاسلام: ''حضرت الاستاذ کے درس کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ آپ درسی تقریر، سلیس، عام فہم اور انداز بیان مختصر اور جامع ہوتا تھا۔'' حضرت نے مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں تقریباً چالیس سال تک تدریسی خدمات انجام دیں اور ہر سال کوئی نہ کوئی کتاب دورۂ حدیث شریف کی آپ کے زیر درس رہی اور تکمیلات (تخصصات) کی کتب میں علم ہیئت کی مشکل ترین کتابیں شرح چغمینی، میر زاہد، ملا جلال، شمس بازغہ، صدرا وغیرہ اور علم کلام میں مسامرہ اور امور عامہ وغیرہ زیر درس رہیں، حضرت کے درس حدیث میں طرز تدریس اس طرح ہوتا کہ حضرت اولاً کتاب کی عبارت حل فرماتے، پھر حدیثی لغات پر کلام فرماتے، اس کے بعد ترجمہ ومطلب کے بعد بوقت ضرورت حدیث کے راویوں پر سیر حاصل بحث فرماتے، فقہی احکام سے متعلق احادیث شریفہ میں ائمہ اربعہ کا مسلک بیان فرمانے کے بعد جامع طرز پر آخر میں فقہ حنفی کے ترجیحی دلائل بیان فرماتے حضرت تدریسی اعلیٰ صلاحیت رکھنے کے ساتھ ساتھ انتظامی اعلیٰ صلاحیت سے بھی بہرہ ور تھے، چنانچہ آپ کی اسی انتظامی صلاحیت کی وجہ سے حضرت حکیم الاسلام

[1] دیوان اقبال، بال جبرئیل، ہسپانیہ کی سرزمین قرطبہ میں لکھی گئی نظم 'مسجد قرطبہ' کے دو اشعار

قاری محمد طیب صاحب نے آپ کو اپنے دور اہتمام میں نائب مہتمم اور قائم مقام مہتمم منتخب فرمایا، چنانچہ کافی طویل عرصہ تک آپ اسی منصب پر فائز رہے اور ساتھ میں تدریسی خدمات بھی حسب سابق انجام دیتے رہے۔ ۸/ جمادی الثانیہ ۱۳۸۶ھ/۲۴ دسمبر ۱۹۶۶ء کو تقریبا چالیس سال تک مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے وابستہ رہ کر انتقال فرمایا اور مزار قاسمی میں مدفون ہوئے۔

بقول حضرت خطیب الاسلام ''آپ انتہائی اصول کے پابند اور باوقار شخصیت کے مالک تھے، آپ کی بات مختصر مگر جامع ہوتی تھی، حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی زندگی علامہ اقبال کے اس شعر کی مصداق تھی۔

پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہان پیدا کرے

۱۲) حضرت مولانا عبدالسمیع دیوبندیؒ

دارالعلوم دیوبند کے ان مایہ ناز اساتذہ میں ہیں جن پر خود ان کے اساتذہ کو بڑا ناز تھا، آپ کی پیدائش ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں ہوئی، تاریخی نام چراغ محمد رکھا گیا، آپ کی تعلیم شروع سے آخر تک دارالعلوم دیوبند میں ہی ہوئی، اور ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں تکمیل علوم سے فراغت حاصل کی، آپ نے دارالعلوم میں تقرری سے قبل فتح گڑھ ضلع فرخ آباد، مدرسہ اسلامیہ روڑکی ضلع سہارنپور اور مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی درجات کی تعلیم کے لئے تقرر ہوا۔ حضرت مولانا عبدالسمیع صاحبؒ سے حضرت خطیب الاسلام نے درس نظامی کی دو اہم کتابیں پڑھیں (۱) سلم العلوم اور (۲) مختصر المعانی۔

آخر الذکر یعنی مختصر المعانی کا درس حضرت کا بڑا مشہور تھا، حضرت نے ۳۸ سال تک دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں اس لمبے عرصے میں حضرت نے ابتدائی درجات سے لے کر دورۂ حدیث کی کتابوں کا درس دیا، طلبہ سے آپ غیر معمولی محبت وشفقت فرماتے اور طلبہ آپ کے درس کو بہت پسند فرماتے۔

مولانا وعظ فرماتے تو بڑا مؤثر وعظ فرماتے، فن مناظرہ میں بڑا درک تھا، اور قادیانیوں سے کئی مناظرہ کیئے اور ان کو شکست دی، قادیانیت کے خلاف کام کرنے والوں میں حضرت کا نام دارالعلوم

دیوبند کی تاریخ میں سرفہرست ہے. چنانچہ ان کے خلاف ایک درجن کے قریب رسائل لکھے، جن سے حضرت کے تحریری ذوق کا پتا چلتا ہے۔ بستان المحدثین، مصنفہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا ارض الریاحین کے نام سے اردو میں سلیس اور شستہ ترجمہ کیا ہے۔ جو ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء میں مطبع قاسمی دیوبند سے طبع ہوا، بعد میں ان کے فرزند حضرت مولانا عبدالاحد صاحب بھی دارالعلوم دیوبند کے بڑے اساتذہ میں رہے۔ حضرت کی وفات ۱۱صفر ۱۳۶۶ھ/۴جنوری ۱۹۴۷ء کو دیوبند میں ہوئی۔[1]

حضرت خطیب الاسلام کو حضرت مولانا سے شاگردی کے علاوہ ایک مزید نسبت اور ہے کہ جس طرح مولانا، حضرت خطیب الاسلام کے استاذ ہیں، اسی طرح حضرت حکیم الاسلام کے بھی استاذ ہیں اور یہ بھی اتفاق ہے کہ جو کتاب حضرت خطیب الاسلام نے مولانا سے پڑھی وہی کتاب آپ کے والد ماجد حضرت حکیم الاسلام نے بھی حضرت مولانا سے پڑھی تھی، وہ کتاب ''مختصر المعانی'' ہے۔

راقم الحروف نے یہاں پر آپ کے چندان اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے جو اپنے اخلاص وللّٰہیت، ورع وتقوی، خلوص عمل اور علوم وفنون میں راسخ وکامل اور درس وتدریس، تصنیف وتالیف، ارشاد و تلقین اور جذبہ جہاد میں اپنے اسلاف کے امین اور خزینہ دار تھے، ان حضرات کے اخلاص وللّٰہیت اور فیوض و برکات سے حضرت خطیب الاسلام نے ظاہری وباطنی طور پر خوب استفادہ کیا، جس کے اثرات حضرت کی غیر معمولی مقبولیت اتباع سنت اخلاص وللّٰہیت، علمی استحضار، ذوق مطالعہ، ذوق تحریر، تحمل اور حلم، صبر واستقامت ذات حق جل مجدہ پر یقین کامل، طلبہ پر شفقت، امت کی خیرخواہی، ہمہ گیر مطالعہ کا ذوق، خوردنوازی ودلنوازی، وسیع الظرفی اور وسیع المشربی کی شکل میں ظاہر ہوئے اور حضرت کی پوری زندگی ان حضرات اساتذہ کرام کے فیوض وبرکات کا نچوڑ اور ان کے اخلاص وللّٰہیت کا خلاصہ ہے۔ اس قدر عظیم شخصیات اور بابرکت اساتذہ کرام کے فیوض وبرکات کا خلاصہ کرنا چند اوراق میں ناممکن ہے، گویا حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت کا تعارف کرانا ہی ان حضرات کے فیوض وبرکات کا خلاصہ کردینا ہے۔

یہ ان اساتذہ کرام کے حالات مختصراً اوپر ذکر کردیئے گئے جن کی حضرت خطیب الاسلام) پر خصوصی توجہات تھیں اور حضرت خطیب الاسلام کو ان حضرات اساتذہ کرام سے طبعی وعلمی مناسبت رہی۔

[1] تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۸۶۔۸۷۔

ملفوظ حضرت خطیب الاسلام:

''بانیٔ دارالعلوم دیوبند نے دارالعلوم دیوبند میں درس نظامی کے نام سے جو نصاب تعلیم رائج کیا وہ دراصل ملا نظام الدین انصاری معاصر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا مرتب کردہ ہے اور اس میں حسب موقع تغیر اور نظر ثانی کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ قدامت کو برقرار رکھتے ہوئے جدیدیت کے نظری وعملی پہلوؤں میں فرق کیا جائے اور مقصد سے ہم آہنگ جزوی تبدیلی کی جائے۔''

تغیر کی ضرورت ہے مگر ہو انقلاب ایسا
جو ماضی کے بھی کچھ آثار مستقبل میں رہنے دے

(مجالس خطیب الاسلام، ص:۲۸۶)

باب دوم

قال اللہ تعالیٰ:
﴿ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون﴾
(سورة البقرة: ۱۵۱)

قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم:
"نضرا اللّٰہ امرأً سمع مقالتي فوعاھا وحفظھا وبلغھا فرب حامل فقه إلی من ھو أفقه منه. ثلاث لا یغل علیھن قلب مسلم، إخلاص العمل للّٰہ، ومناصحة أئمة المسلمین ولزوم جماعتھم، فان الدعوة تحیط من ورائھم."
(رواه الترمذی)

شعر

حضرت سالم رہے ہیں عالموں کے تاجدار
وہ فدائے مصطفیٰ تھے، عاشق پروردگار،
پیکر علم و عمل تھے، ماہر جملہ علوم
تھے نگہبان شریعت، دین حق کے پاسدار

باب دوم کے مشمولات

☆ سن ۱۹۴۷ء اور خانوادۂ قاسمی
☆ حضرت خطیب الاسلام کی عملی تدریسی زندگی کا آغاز
☆ دارالعلوم میں مسند تدریس پر فائز
☆ تدریسی خصوصیات
☆ چند ہم عصر علمائے کرام
☆ چند نامور تلامذہ

سن ۱۹۴۷ء اور خانوادۂ قاسمی

۱۹۴۷ء کے شدید ترین حالات نے ہندوستان کو دو حصوں ہند و پاک میں تقسیم کر دیا، یہ بٹوارہ در اصل ہندوستان کی تاریخ کا وہ تاریک باب ہے جس نے نہ صرف رشتوں کے تقدس کو پامال کیا بلکہ رشتوں کو توڑ کر پارہ پارہ کر دیا اور رشتے بھی دور پرے کے نہیں برادری اور دوستی کے نہیں بلکہ بھائی کو بھائی سے، بہن کو بہن سے، ماں باپ کو اولاد سے، اولاد کو ماں باپ سے ایسا جدا کیا کہ مرتے مر گئے مگر پھر ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کو ترس گئے، ہندوستان کے بے شمار مسلمان گھرانے، خاندان، محلے، بستیاں اس عظیم حادثہ کا شکار ہوئیں اور اجڑ گئیں، بقول شاعر:

جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی
شہر ان کے اجڑ گئے آبادیاں بن ہوگئیں
سطوت توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نظر برہمن ہوگئیں

اسی ہنگامے میں خاندان صدیقی نانوتہ کے بے شمار لوگ نانوتہ چھوڑ کر پاکستان چلے گئے مگر حضرت حکیم الاسلام کے خانوادہ کے لوگ اسی طرح ہندوستان (جن میں اپنے دینی مراکز، مساجد خانقاہیں اور مدارس تھے) کو چھوڑ کر جانے کے بالکل حق میں نہ تھے، پھر حضرت حکیم الاسلام پاکستان میں کچھ دن کے لئے کیوں رکے، اس سلسلے میں لوگوں کے درمیان یہ غلط فہمی پھیلا دی گئی کہ حضرت حکیم الاسلام پاکستان ہجرت کر گئے اور ہندوستان کو چھوڑ دیا، اس بابت راقم الحروف نے حضرت خطیب الاسلام سے سوال کیا تھا، حضرت خطیب الاسلام نے مجھے تفصیل سے حضرت حکیم الاسلام کے پاکستان جانے کی پھر وہاں سے واپسی کی روداد سنائی اور جو غلط فہمیاں لوگوں کے درمیان پھیلی ہوئی ہیں ان کی صحیح صورتحال سے باخبر کیا، اس کی کچھ تفصیل ''حیات طیب'' سے نقل کرتا ہوں۔

''واقعہ یہ ہوا کہ اس وقت حضرت حکیم الاسلام اپنے بعض اعزاء سے ملنے کے لئے پاکستان تشریف لے گئے تو ارباب حکومت پاکستان حضرت کو پاکستان میں مستقل طور پر روکنے کے لئے نہ صرف کوشاں ہوئے بلکہ ان کی طرف سے وزارت امور مذہبی کی بھی بہ قوت و بہ اصرار بار بار پیش کش کی گئی تھی لیکن حضرت حکیم الاسلام کا جواب صرف یہ تھا کہ ''میرے بزرگ میری زندگی کا مقصد

میرے حسب تقاضائے فطرت ''دارالعلوم دیوبند'' کی خدمت قرار دے گئے ہیں، میں اپنے اس موقف حیات سے ہٹنے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہوں''۔

دوسری طرف عوامی طور پر حضرت کے قیام پاکستان کے لئے جلسے اور جلوسوں کا راستہ اختیار کیا گیا جس کے سب سے بڑے قائد کراچی کے ایک معزز بڑے تاجر جناب یوسف سیٹھی صاحب تھے، ان کے ساتھ اہم معاونین میں بعض علماء کرام بھی تھے، حضرت حکیم الاسلام کو یقین دہانی کی کوشش کی گئی کہ حضرت آپ کے اہل خانہ پاکستان آنا چاہتے ہیں حالاں کہ یہ خلاف واقعہ تھا، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند فرماتے ہیں کہ:

''حضرت حکیم الاسلام کے خطوط مجھ تک اور میرے خطوط حضرت تک اس لئے پہنچنے نہیں دیئے جاتے تھے تاکہ یہ حقیقت کھل کر سامنے نہ آجائے کہ نہ حضرت پاکستان میں رہنا چاہتے ہیں اور نہ حضرت کے اہل خانہ پاکستان میں جانا چاہتے ہیں۔ پاسپورٹ ختم کر دینے کی وجہ سے حضرت والد صاحب کی واپسی میں زبردست پریشانی پیدا ہوگئی، جس کا اظہار حضرت نے یوسف سیٹھی صاحب سے کیا، نیز انہوں نے پہلی مرتبہ مجھ سے فون پر رابطہ قائم کیا اور حضرت کو وہاں روکنے کی جدوجہد کے تحت کہا کہ ''پاکستان کو حضرت جیسے عالم شدید کی ضرورت ہے، اس لئے آپ تمام بھی پاکستان کا ارادہ کرلیں''، میں نے کہا کہ: سیٹھی صاحب! میں حضرت والد صاحب مدظلہ کے بارے میں سو فیصد یقین رکھتا ہوں کہ وہ کسی قیمت پر پاکستان میں نہیں رہیں گے اور فوراً ہی مدینہ طیبہ ہجرت کا ارادہ فرمالیں گے، اس کا ہونا چوں کہ میرے نزدیک یقینی ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دارالعلوم سے وابستگی اور خود حضرت والد کی دینی، علمی شخصیت سے جو عالمی پیمانے پر دینی فیضان دنیا بھر کے مسلمانوں کو پہنچ رہا ہے اس کو ختم کرنے کے اور اس عظیم دینی فیض سے دنیا بھر کے مسلمانوں کو محروم کرنے کے ذمہ دار آپ ہوں گے، سیٹھی صاحب براہ راست حضرت کے پاس پہنچے اور پہلا سوال احقر کے بارے میں کیا کہ محمد سالم کی عمر کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ تیس سے کم ہی ہے، اس وقت میری عمر یہی تھی، یہ سن کر سیٹھی صاحب نے کہا کہ عمر تو بہت تھوڑی ہے مگر بات انہوں نے بڑے تجربہ کاروں کی سی کہی۔

پھر اس کے بعد انہوں نے حضرت کو میری گفتگو سنائی، میرا جواب سن کر حضرت حکیم الاسلام نے فرمایا کہ:

''جو کچھ محمد سالم نے کہا ہے وہی قطعی طور پر میرے دل میں ہے، اس پر سیٹھی صاحب نے کہا کہ محمد

سالم کی بات سن کر میں تو ڈر گیا ہوں اور اب میری رائے بالکل بدل گئی ہے اب اگر آپ پاکستان میں ٹھہریں تو سر آنکھوں پر اور واپس انڈیا جانا چاہیں تو اس کے لئے ہر ممکن تعاون دینے کے لئے تیار ہوں۔''

اس کے بعد پھر حضرت حکیم الاسلامؒ نے مجھ سے فون پر بات کی اور فرمایا کہ سیٹھی صاحب نے تمہاری گفتگو مجھ سے نقل کی ہے، یہ میرے دل کی وہ آواز تھی جسے تم نے بڑے سلیقہ سے ان تک پہنچا دیا اور سیٹھی صاحب اس قدر متأثر ہوئے کہ وہ میری واپسی کے مؤید بن گئے، اس کی وجہ سے الحمد للہ صورت حال قطعاً بدل گئی لیکن ہمارے پاس پاسپورٹ نہیں ہے، میں اس کے لئے بھی کوشش کرتا ہوں، میرا دیرینہ تعلق حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی (ناظم جمعیۃ علماء ہند) سے تھا۔ اور مجھے معلوم تھا کہ وہی تن تنہا حضرت حکیم الاسلام کی ہندوستانی واپسی کے بہ خلوص تمام متمنی تھے، میں فوراً دہلی پہنچا اور مولانا مرحوم کو صورتحال سے آگاہ کیا، وہ اسی وقت مجھے ساتھ لے کر مولانا ابوالکلام آزاد سابق وزیر تعلیم، حکومت ہند کے پاس پہنچے اور صورتحال بتائی مولانا نے جواب دیا کہ: ''مولانا طیب صاحب ملک کے قیمتی افراد میں سے ہیں اور ان کا آنا ضروری ہے'' اور نیا پاسپورٹ بنوانے کے لئے مولانا آزاد نے وعدہ فرمایا۔ تین روز بعد میں خود مولانا کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ:

''کراچی میں انڈین ہائی کمیشن کو کہہ دیا گیا ہے۔ آپ والد صاحب سے کہئے کہ وہ انڈیا ہائی کمیشن کراچی تشریف لیجا کر پاسپورٹ وصول کرلیں۔ احقر نے دہلی سے حضرت کو فون کیا، حضرت کو لے کر یوسف سیٹھی صاحب ہی انڈین ہائی کمیشن گئے مگر وہاں سے جواب ملا کہ ہمارے پاس کوئی ہدایت نہیں آئی ہے۔ غرض دو مرتبہ ایسا ہی ہوا پھر مولانا آزاد نے وزارت خارجہ سے خصوصی رابطہ قائم کر کے ہائی کمیشن کو ہدایت بھجوائی اور بحمد اللہ مولانا حفظ الرحمانؒ کے تعاون اور مسلسل ایک ماہ کی میری کوشش کے بعد حضرت کو اور حضرت کے ساتھ حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا محمد طاہر صاحبؒ دونوں حضرات کو نئے پاسپورٹ دیدئے گئے۔ حضرت حکیم الاسلام چند روز بعد پانی کے جہاز سے کراچی سے بمبئی کے لئے روانہ ہو گئے، ہم لوگ کافی تعداد میں ایک روز قبل استقبال کے لئے بمبئی پہنچ چکے تھے، وہاں سے فوراً ہی بذریعہ ریل دیوبند کے لئے روانہ ہوئے، یہاں بھی طلبہ اور اہل شہر نے پر خلوص استقبال کیا، پھر دارالعلوم میں جلسہ ہوا، جس میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے حضرت حکیم الاسلام کی آمد پر خوش آمدید فرمایا غرض حضرت کو ہندوستان واپس لانے میں میرا اور مولانا حفظ الرحمان صاحب کے علاوہ کسی کی جدوجہد کو کوئی دخل نہیں تھا۔

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم کی اس وضاحت کے بعد حکیم الاسلامؒ کی پاکستان سے واپسی کے بارے میں جو کہانیاں عوام وخواص میں ایک خاص مقصد اور مصلحت کے پیش نظر مشہور کی گئیں وہ قطعاً بے حقیقت اور خود ساختہ ہوجاتی ہیں۔[1]

گذشتہ اقتباس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ خانوادۂ قاسمی کے افراد کے ساتھ یہ ایک حادثہ (ٹریجڈی) ہوئی کہ یہ حضرات پاکستان میں جاکر پھنس گئے اور پاسپورٹ وہاں پر عارضی قیام کی مجبوری بن گیا تھا ورنہ نظریہ قیام پاکستان کے یہ خانوادہ کس قدر خلاف تھا اس کا اندازہ مذکورہ بالا اقتباس سے ہوگیا، اسی طرح دوسری بات اقتباس بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت خطیب الاسلام اور حکیم الاسلام کے مزاج میں کس قدر مماثلت تھی اور خطیب الاسلام کو بصیرت افروز نگاہ شروع ہی سے عطا ہوئی تھی، کہ اپنی نگاہ بصیرت سے پہچان لیا کہ پاکستان میں ابا جی کا قیام مستقل طور پر ممکن نہیں اور اگر ایسی مجبوری آگئی تو پھر ہجرت مدینہ کی طرف ہوگی، پاکستان نہیں جائیں گے۔ حضرت خطیب الاسلام اور حضرت حکیم الاسلام کے مذکورہ موقف سے یہ بات واضح ہوکر سامنے آجاتی ہے کہ خانوادۂ قاسمی کے ایک ایک فرد نے دارالعلوم دیوبند اور دعوت اسلام اور دارالعلوم کے ذریعہ عام مسلمانوں میں پیدا ہونے والی عام تعلیمی بیداری اور نہضت علمی کو کس طرح اپنے خون جگر سے سینچا، اور اس کو اسلام کی عالمینی دعوت اور تعلیم کا عالمی مرکز بنادیا کہ تقسیم ملک کے بعد پاکستان میں ملنے والی تمام آسائشوں اور رعایتوں کو لات ماری، اور اپنے اسلاف دیوبند کے لگائے ہوئے شجرۂ طوبی سے ایک منٹ کے لئے بھی دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہوئے اور دارالعلوم کو اکابرین تحریک ولی اللہی کے مخصوص منہج پر قائم رکھنے میں اپنی بہترین صلاحیتیں لگادیں، جس کا کچھ اندازہ آئندہ صفحات میں ہوجائیگا کہ حضرت خطیب الاسلام نے فارغ ہونے کے بعد ہی دارالعلوم دیوبند کی تعمیر وترقی کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا، اور پھر یہیں سے عملی وتدریسی زندگی کا آغاز کیا۔

---

[1] حیات طیب سے لیا گیا ج اول ۳۴۳ تا ۱۳۵ اگرچہ یہ تمام تفصیلات راقم الحروف کو بھی حضرت نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنے مخصوص لب ولہجہ میں بتلائی تھیں۔

خطیب الاسلام دار العلوم دیوبند میں مسند تدریس پر فائز

اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ تدریس صرف حضرت خطیب الاسلام کے فرائض منصبی ہی میں داخل نہیں تھی بلکہ تدریس آپ کا شوق تھا، دار العلوم میں اپنے تقرر کے سلسلے میں حضرت خطیب الاسلام اپنی بیاض میں لکھتے ہیں:

''۱۹۴۷ء/ ۱۳۶۷ھ کو میری فراغت دار العلوم سے ہوئی جو تقسیم ہند کا سال ہے، تقسیم ملک کے پرآشوب حالات کی وجہ سے مولانا حسین احمد مدنیؒ کا سفر کم ہونے لگا، اس کی وجہ سے تعلیم زیادہ ہوئی۔ ۱۹۴۸ھ شروع ہو چکا تھا، امتحان میں کامیاب ہوکر ۵/ ماہ بعد ۲۹ صفر المظفر میں میرا تقرر تدریس میں بطور اعزازی کر دیا گیا، سب سے پہلی کتاب تدریس کے لئے دار العلوم دیوبند میں ''نور الایضاح'' دی گئی، اس کے علاوہ بھی کتابیں تھیں، سب سے پہلا درس میں نے ''نور الایضاح'' کا پڑھایا، اس وقت میرے کچھ ساتھی بھی تھے جو پڑھ رہے تھے۔''[۱]

حضرت کا یہ اقتباس بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس اقتباس سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حضرت کی فراغت ۱۹۴۷ء/ ۱۳۶۷ھ کی ہے، گرچہ یہ سال ملک کے حالات کے اعتبار سے انتہائی پرآشوب تھا، مگر حضرت خطیب الاسلام کے درج ذیل اقتباس ''تقسیم کی وجہ سے مولانا مدنیؒ کا سفر کم ہونے لگا، اس کی وجہ سے تعلیم زیادہ ہوئی'' سے معلوم ہوا کہ اس سال دورۂ حدیث کے اسباق اور سالوں کے مقابلے کثرت سے ہوئے اور چونکہ حضرت مدنیؒ کے اسفار کا سلسلہ موقوف رہا اس لئے اسباق پابندی کے ساتھ بلا فصل ہوئے جبکہ دیگر سالوں میں حضرت مدنی کے دعوتی و دینی اسفار کی کثرت کی وجہ سے اسباق کے درمیان فصل ہوتا رہتا تھا۔ گرچہ حضرت مدنی رحمہ اللہ قیام دیوبند کے زمانے میں انتہائی پابندی سے حدیث کے اسباق پڑھاتے بلکہ اگر سبق کا وقت ہوتا اور حضرت آجاتے تو فوراً سبق پڑھانے کے لئے درس گاہ تشریف لے آتے، جس کی وجہ سے طلبہ کو اس سال حضرت سے استفادے کے مواقع زیادہ میسر آئے۔

دوسری بات اقتباس سے یہ معلوم ہوئی کہ حضرت خطیب الاسلام کا تقرر دار العلوم دیوبند میں ۱۳۶۷ھ ماہ صفر میں ہوا۔

تیسری بات یہ ہے کہ حضرت خطیب الاسلام کا دار العلوم دیوبند میں سب سے پہلے اعزازی تقرر ہوا اور بحیثیت ''اعزازی مدرس'' آپ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز فرمایا۔

---

[۱] بیاض خطیب الاسلام۔

چوتھی بات یہ ہے کہ سب سے پہلی کتاب جس کا حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہٗ نے درس دیا وہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''نور الایضاح'' ہے۔ البتہ اس سال ''نور الایضاح'' کے علاوہ بھی دیگر درسی کتابوں کے دروس آپ سے متعلق رہے۔

اقتباس کے آخری جملے ''اس وقت میرے کچھ ساتھی بھی تھے جو پڑھ رہے تھے'' سے یہ بھی مترشح ہے کہ حضرت پر اپنے اساتذہ کرام کی نظر انتخاب پہلے ہی سے تھی اور حضرت خطیب الاسلام کی صلاحیتوں پر ان کے اساتذہ کرام کو زمانہ طالبعلمی ہی سے اعتماد تھا، یہی وجہ ہے کہ مجلس شوری نے فراغت کے فوراً بعد آپ کا تقرر دارالعلوم جیسے مؤقر ادارے کی مدرسی کے لئے کرلیا، ابھی حضرت خطیب الاسلام کے درسی ساتھی اپنے تعلیمی سلسلے کو مزید بڑھا رہے تھے کہ آپ تدریس کے میدان میں قدم رکھ چکے تھے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جس وقت حضرت خطیب الاسلام کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں ہوا وہ وہ وقت تھا، جب دارالعلوم دیوبند کی مسند تدریس کو شیخ الادب مولانا اعزاز علی، حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب جیسی نادرۂ روزگار عالمی شخصیات رونق بخش رہی تھیں، اور دارالعلوم میں تقرر کے جو سخت شرائط ارباب حل وعقد دارالعلوم دیوبند نے طے کیں تھیں ان کا کسی بھی شخص کے تقرر میں پورا پورا خیال رکھا جاتا تھا۔ دارالعلوم سے فراغت کے فوراً بعد تقرر اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اساتذہ دارالعلوم کو آپ کی علمی صلاحیتوں اور استعداد پر اطمئنان تھا، یہ بات نہیں تھی کہ آپ حضرت حکیم الاسلام کے صاحبزادے تھے یا پھر خانوادہ قاسمی کے رکن رکین تھے، اس لئے آپ کا تقرر ہوا، جس کی دلیل یہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کے گھرانے سے اس طرح کسی کا تقرر فوراً فراغت کے بعد نہیں ہوا۔

دارالعلوم میں حضرت سے متعلقہ دروس کی سال بہ سال تفصیلات

حضرت خطیب الاسلام کا اعزازی تقرر ۲۹ صفر ۱۳۶۹ھ میں ہوا اور مستقل تقرر شوال ۱۳۷۱ھ ہوا۔ حضرت نے دارالعلوم دیوبند میں کم وبیش ۳۵ سال مسند تدریس کو رونق بخشی جس کا دورانیہ ۱۳۶۹ھ سے لے کر ۱۴۰۲ھ تک ہے۔ اس دوران حضرت نے درس نظامی کی اکثر کتابیں پڑھائیں، اور وقفے وقفے سے تدریسی درجہ بندی میں ترقی ہوتی رہی۔ علم حدیث میں ابوداؤد شریف، بخاری شریف جلد ثانی اور ابن ماجہ شریف آپ سے متعلق رہیں۔ اسباق کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

۱۳۶۹ھ

نورالایضاح، طلبہ ۶، قدوری، طلبہ ۶، ہدایۃ النحو، طلبہ ۱۴، مفید الطالبین، طلبہ ۲۱، نفحۃ الیمن، طلبہ ۸۔

۱۳۷۰ھ

قدوری، طلبہ ۸، نفحۃ الیمن، طلبہ ۳۵، قدوری، طلبہ ۳۴، مرقات، طلبہ ۳۴، شرح تہذیب، طلبہ ۳۲۔

۱۲۷۱-۷۰ھ

قدوری، طلبہ ۳۰، اصول الشاشی، طلبہ ۱۹، مرقات، طلبہ ۳۱، شرح تہذیب، طلبہ ۴۹۔

۱۳۷۶-۷۱ھ

شرح وقایہ، طلبہ ۶۴، اصول الشاشی، طلبہ ۱۱، قدوری، طلبہ ۳۳، نفحۃ العرب، طلبہ ۴۷۔

۱۳۷۳-۷۲ھ

شرح وقایۃ، طلبہ ۸۷، نفحۃ الیمن، طلبہ ۴۹، نفحۃ العرب، طلبہ ۱۳، نحو میر، طلبہ ۸، شرح مائۃ عامل، طلبہ ۴، مفید الطالبین، طلبہ ۶۔

۱۳۷۴-۷۳ھ

شرح وقایہ، طلبہ ۱۶، مرقات، طلبہ ۱۷، شرح تہذیب، طلبہ ۱۶، نورالانوار، طلبہ ۳۶، شرح مائۃ عامل، طلبہ ۹، ہدایۃ النحو، طلبہ ۵۔

۱۳۷۵ھ

ہدایۃ اولین، طلبہ ۳۲، نورالانوار، طلبہ ۲۳۔

۱۳۷۶ھ

نورالانوار، طلبہ ۶۸، شرح وقاہ، طلبہ ۱۷، ہدایۃ اولین، طلبہ ۲۵۔

۱۳۷۷ھ

نورالانوار، طلبہ ۳۸، شرح وقایۃ، طلبہ ۱۷، ہدایۃ اولین، طلبہ ۲۵۔

۱۳۷۸ھ

قطبی، طلبہ ۳۷، ہدایۃ اولین، طلبہ ۲۸، صف العربی الانشاء، طلبہ ۱۳، ترجمتین، طلبہ ۱۵۔

۱۳۷۹ھ

صف العربی، طلبہ ۱۰، ترجمہ نصف اول، طلبہ ۴۵، ہدایۃ اولین، طلبہ ۸۷۔

۱۳۸۰ھ

ترجمہ ثانی، طلبہ ۷۱، قطبی تصورات، طلبہ ۶۱، ہدایۃ اولین، طلبہ ۶۷۔

۱۳۸۱ھ

نورالانوار، طلبہ ۵۵، ترجمہ ثانی، طلبہ ۴۸، شرح عقائد نسفی، طلبہ ۴۶، ہدیۃ السعیدین، طلبہ ۵۔

۱۳۸۲ھ

ہدیہ سعیدین، طلبہ ۵، ترجمہ قرآن شریف، طلبہ ۶۴، شرح عقائد نسفی، طلبہ ۶۵، ہدایۃ اولین، طلبہ ۹۱۔

۱۳۸۳-۸۴ھ

نورالانوار، طلبہ ۶۳، شرح عقائد نسفی، طلبہ ۱۰۵، نفحۃ العرب ۴۹۔

۱۳۸۴-۸۵ھ

شرح عقائد نسفی، طلبہ ۱۵۲۔

۱۳۸۵-۸۶ھ

جلالین شریف مع الفوز الکبیر، طلبہ ۱۶۱۔

۱۳۸۷ھ

جلالین شریف مع الفوز الکبیر، طلبہ ۴۸۔

۱۳۸۸ھ

جلالین شریف مع الفوز الکبیر، شرح عقائد نسفی، طلبہ ۹۸، طلبہ ۴۵۔

۱۳۸۹ھ

جلالین شریف، طلبہ۸۶، الفوز الکبیر، طلبہ۸۶، شرح عقائد نسفی، طلبہ۱۰۴، مشکوۃ شریف، طلبہ۵۴، نخبۃ الفکر، طلبہ۵۔

۱۳۹۰ھ

مشکوۃ شریف مع نخبۃ الفکر، طلبہ۱۷، شرح عقائد نسفی، طلبہ۱۸۰، اصول الشاشی، طلبہ۳۷، جلالین شریف مع الفوز الکبیر۷۰طلبہ۔

۱۳۹۰-۹۱ھ

شرح عقائد نسفی، طلبہ۲۲۷، مشکوۃ شریف نصف اول، طلبہ۹۴، جلالین شریف نصف اول، طلبہ۴۸۔

۱۳۹۱-۹۳ھ

شرح عقائد نسفی ۲۲۷ طلبہ، عقیدۃ الطحاوی، ۱۰۱ طلبہ، جلالین شریف نصف ثانی مع الفوز الکبیر، ۶۶ طلبہ، مشکوۃ شریف نصف ثانی، ۶۷طلبہ، شرح نخبۃ الفکر، ۶۷طلبہ، مؤطا امام محمد، ۳۶۳ طلبہ۔

۱۳۹۲-۹۳ھ

حجۃ اللہ البالغہ، مشکوۃ شریف اول مع شرح نخبۃ الفکر، شرح عقائد نسفی مع عقیدۃ الطحاوی، مؤطا امام محمد (صبح یوم جمعہ)

۱۳۹۳-۹۴ھ

حجۃ البالغہ، ۴طلبہ، شرح عقائد نسفی مع عقیدۃ الطحاوی، ۸۸طلبہ، مشکوۃ شریف نصف ثانی مع شرح، ۱۴۱طلبہ، ابن ماجہ شریف، ۴۹۹، (سہ ماہی بعد مغرب)

۱۳۹۴-۹۵ھ

حجۃ اللہ البالغۃ، مشکوۃ شریف جلد اول مع نخبۃ الفکر، ۱۶۵، شرح عقائد نسفی، ۱۵۳، عقیدۃ الطحاوی، ۱۵۳ طلبہ، ابن ماجہ شریف، ۳۶۰ طلبہ، شرح عقائد گھنٹہ کے بعد۔

۱۳۹۵-۹۶ھ

ابن ماجہ شریف، ۳۰۶ طلبہ، شرح عقائد نسفی، ۴۰۹ طلبہ، عقیدۃ الطحاوی، ۴۰۹ طلبہ، حجۃ اللہ البالغۃ، طلبہ ۱۰، تفسیر مظہری، ۱۱ تا ۱۵۔

۱۳۹۶-۹۷ھ

مشکوۃ جلد اول، ۱۶۱ طلبہ، مع شرح نخبۃ الفکر، ۱۶۱ طلبہ، شرح عقائد نسفی، ۱۶۱ طلبہ، ابن ماجہ شریف ۳۶۰۔

۱۳۹۷-۹۸ھ

مشکوۃ شریف جلد ثانی، تفسیر مدارک، ۱ تا ۵، ابوداؤد شریف جلد ثانی۔

۱۳۹۸-۹۹ھ

شرح عقائد نسفی، ابوداؤد شریف جلد ثانی، بخاری شریف جلد ثانی، بعد نماز عشاء۔

۱۳۹۹-۱۴۰۰ھ

ابوداؤد شریف جلد اول، ۴۰۹ طلبہ، بخاری شریف جلد ثانی، ۴۰۹۔

۱۴۰۰-۱۴۰۱ھ

شرح عقائد نسفی، ۱۰۲، ابوداؤد شریف، ۴۸۵، بخاری شریف جلد ثانی، ۴۸۵۔

۱۴۰۱-۱۴۰۲ھ

شرح عقائد نسفی، نسائی شریف، بخاری جلد ثانی۔[1]

---

[1] حضرت خطیب الاسلام کا یہ تدریسی ریکارڈ راقم الحروف نے دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تعلیمات سے ہمارے رفیق خاص حضرت مولانا محمد اصغر قاسمی سہارنپوری (کارکن شعبۂ تعلیمات دارالعلوم دیوبند) کی مدد اور ان کے توسط سے حاصل کیا، حق تعالی شانہ اس علمی معاونت پر ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

حضرت خطیب الاسلام کا دارالعلوم دیوبند میں یہ تدریسی سفر رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ تک جاری رہا، جس کے دوران حضرت خطیب الاسلام کے تمام علوم وفنون کی کتابیں زیر درس رہیں، البتہ حضرت خطیب الاسلام پر اور آپ کی ذہنی پرداخت آپ کے جد امجد حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے چونکہ غایت درجہ اثرات تھے، اس لئے درس نظامی میں پڑھائی جانے والی علم کلام اور عقائد اسلام سے متعلق مشہور کتاب شرح العقائد النسفیہ کا درس طلبۂ دارالعلوم دیوبند میں انتہائی مقبول ہوا۔ ۱۴۰۲ھ میں دارالعلوم دیوبند کا قضیہ نامرضیہ پیش آیا، جس کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند میں تدریس کا انقطاع ہوگیا، لیکن بحمد اللہ تدریس کا سلسلہ اس کے فوراً دارالعلوم وقف دیوبند میں شروع ہوگیا اور تاحین وفات انتہائی آب وتاب کے ساتھ باوجود تمام انتظامی امور کی انجام دہی کے مسلسل جاری رہا، جس کا دورانیہ تقریباً ۳۵ سال ہے۔

خطیب الاسلام کا دوسرا مرحلہ ۱۴۰۲ھ کے بعد کا ہے، جب دارالعلوم دیوبند میں کچھ ناخوش گوار واقعات رونما ہوئے اور خطیب الاسلام کے لئے ان حالات میں تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ مزید ذمہ داریاں عائد ہوگئیں اور زیادہ تر وقت دارالعلوم وقف دیوبند کے استحکام کے لئے اسفار میں گزرنے لگا۔ لیکن حضرت نے اپنا تدریسی عمل برابر جاری رکھا اور بخاری شریف کے اسباق حضرت خطیب الاسلام اور فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری اور حضرت مولانا نعیم صاحب دیوبندیؒ سے متعلق رہے اور قیام دارالعلوم وقف کے بعد مستقل بخاری شریف پڑھاتے رہے ابھی دو سال سے بوجہ انتہائی ضعف وکمزوری تدریسی عمل موقوف فرمایا۔ ان تمام تفصیلات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت نے کم وبیش ۵۶ سال درس نظامی کی کتابیں مسلسل پڑھائیں اور تقریباً چالیس سال حدیث مبارک کا درس دیا۔

بہرحال اپنی گوناگوں مصروفیات ادارہ سازی کی ضروریات اور کثرت اسفار کے باوجود زندگی بھر تدریسی عمل اور نظام سے یک لمحہ غافل نہ ہوئے، بلکہ اسی کو بنیاد بنائے رکھا، بلکہ اتباع نبوی میں بھی تعلیم ودعوت کا یہ سلسلہ دوران اسفار جاری رہتا، جیسا کہ حضور ﷺ دوران سفر تعلیم ودعوت میں مشغول رہتے۔ یہی معمول ہمارے اپنے اسلاف دیوبند کا رہا کہ درس وتدریس کا سلسلہ ضرور زندگی بھر ان کے معمول میں رہا، لیکن ساتھ ساتھ تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ راقم الحروف کو حضرت خطیب الاسلام کے درسی ساتھی مولانا سید محمد رابع الحسنی دامت برکاتہم ناظم دارالعلوم ندوۃ

العلماء لکھنؤ کا دہلی کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے، حضرت مولانا کا قیام ابوالفضل اوکھلا میں بھائی حسین مرحوم کے یہاں تھا، میرے ساتھ میرے بھائی جان مولانا محمد اویس صدیقی صاحب اور میرے بہنوئی مولانا عمر انصاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مجلس میں تشریف فرما تھے، اس مجلس میں ایک صاحب اپنے کارنامے بتانے لگے کہ میں یوں کام کرر ہا ہوں ادارہ جاتی اور دعوتی وغیرہ وغیرہ، مولانا نے ان کی ساری باتیں سنی اور یہ فرمایا کہ: آپ کہیں پڑھاتے بھی ہیں کہ نہیں انہوں نے نفی میں جواب دیا تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ پڑھانا بہت ضروری ہے۔ اور خاص طور پر ایک عالم کے لئے تدریس کا عمل از حد ضروری ہے۔

حضرت خطیب الاسلام کا طرز تدریس

حضرت خطیب الاسلام کے طرز تدریس پر لکھنے سے قبل راقم الحروف نے اس کا اہتمام کیا کہ ان کے تلامذہ سے اس سلسلے میں گفتگو کی جائے، چنانچہ میں آپ کے بہت سے تلامذہ سے ملا اور آپ کے طرز تدریس کے سلسلے میں گفتگو کی، اس لئے کہ استاذ کی تدریس کے بارے میں طلبہ سے بہتر کون بتا سکتا ہے۔

استاذ کی کامیابی کا اندازہ درسگاہ میں اس کی تدریس کے مؤثر ہونے سے لگایا جاسکتا ہے، جس کی گواہی سب سے پہلے درجے میں بیٹھے وہ تلامذہ دیتے ہیں جن سے وہ مدرس براہ راست مخاطب ہوتا ہے اور یہی طلبہ اس کی خصوصیات چہار دیواری سے نکال کر دنیا بھر میں عام کرتے ہیں، میرے استاذ محترم حضرت مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے ۱۹۹۶ء میں ترمذی شریف کے درس میں یہ بات بارہا دہرائی اور مثال بھی دی تھی کہ امام اوزاعی، حضرت سفیان ثوری اور امام لیث بن سعد فقہاء اربعہ سے کم درجہ کے فقہاء نہیں ہیں بس فرق یہ ہے کہ ان فقہاء اربعہ کو تلامذہ اچھے مل گئے جنھوں نے ان کی باتوں کو دنیا بھر میں پھیلایا جبکہ مذکورہ ائمہ فقہ کو اس طرح کے شاگرد نہ مل سکے۔ لیکن علم اور عملی درجے میں یہ مذکورہ بالا حضرات کسی طرح بھی ان سے کم نہیں۔

حضرت خطیب الاسلام کے درس کی خصوصیات

ہر انسان کا طرز بیان اور طرز تدریس دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر مدرس اور معلم، معلمیت کی چند مشترکہ خصوصیات کے ساتھ اپنی منفرد خصوصیات بھی رکھتا ہے، جن کی وجہ سے اس کی طلباء کے مابین الگ پہچان بنتی چلی جاتی ہے، کسی کو اللہ رب العزت بات کہنے کا خاص سلیقہ اور

ملکہ عطا فرماتے ہیں، کسی کو مختصر الفاظ میں جامع بات کرنے کی صلاحیت عطا کر دیتے ہیں، کسی کو غیر معمولی طور پر مربوط بات کرنے کا قرینہ عطا ہوتا ہے، کسی کو افہام و تفہیم کا خصوصی ملکہ کسی کو غیر محسوسات اور غیر مرئی شیٔ کو محسوسات اور مثالوں کے ذریعہ سمجھانے کا خاص فن عطا فرماتے ہیں، کسی کو اشاروں و کنایوں سے اپنی بات اور مافی الضمیر ادا کرنے کا قرینہ، کسی کو منطقی دلائل و براہین، کسی کو اتمام حجت کی صلاحیت سے نوازتے ہیں، کسی کو شعری ذوق، کسی کو طلباء کی مزاج شناسی کی خصوصیت عطا درحق سے ملتی ہے کسی کو تربیت کا ذوق خاص سے نوازا جاتا ہے۔ کسی کو کمال ذہانت، کسی کو بلا کا قوتِ حافظہ عطا ہوتا ہے، اور بعضے ایسے بھی ہیں جن کو بیک وقت یہ سب خصوصیات حق تعالیٰ شانہ مرحمت فرمادیتے ہیں، حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت بھی ان معدودے چند حضرات میں سے ایک ہے، جن کو حق تعالی شانہ نے مذکورہ بالا صفات سے متصف فرما کر فطری جو ہر تدریس اور معلمیت کا فن عطا فرمایا۔

حضرت کے طرز تدریس سے متعلق حضرت کے کسی بھی ایسے صاحب علم وفضل شاگرد کی گواہی جو خود ایک لمبے عرصے تک تدریس کے شعبے سے عملی طور پر وابستہ رہا ہو بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

راقم الحروف ایک ماہ تقریباً اسی تلاش میں رہا کہ خطیب الاسلام کے افراد خانہ کے علاوہ کوئی موزوں شخصیت ایسی مل جائے جو حضرت کے طرز تدریس اور اس کی خصوصیات کا خاکہ خواہ مختصراً ہی سہی بیان کر سکے، راقم کی نظر انتخاب اس کام کی انجام دہی کے لئے ایک ایسی شخصیت پر پڑی جو خود کامیاب مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کے مصنف بھی ہیں۔ میری مراد استاذ محترم حضرت مولانا قاری ابو الحسن صاحب اعظمی دامت برکاتہم سابق صدر القراء دارالعلوم دیوبند سے ہے، چنانچہ میں حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی کے دولت خانہ پر ۱۴محرم الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۵اکتوبر ۲۰۱۷ء بروز جمعرات حاضر خدمت ہوا، قاری صاحب، والد گرامی حضرت مولانا زکریا صاحب و دیگر تلامذہ نے جو باتیں احقر کو حضرت خطیب الاسلام کے طرز تدریس کے متعلق بتلائیں، ان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

(۱) درسی تمہیدات بیان کرنا

حضرت خطیب الاسلام کے درس کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ حضرت درس کے آغاز میں تمہیدات باندھتے وہ تمہیدات اس قدر اہم ہوتیں کہ نفس مسئلہ اور اصل موضوع ان تمہیدات ہی سے

سمجھ میں آجاتا، قاری ابوالحسن صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: ''آپ کے سبق میں تمہیدات ہی اصل ہوتی تھیں اور وہ تمہیدات اس قدر جامع اور مانع ہوتیں کہ نفس مسئلہ اور اصل موضوع کے تعلق سے شکوک وشبہات، کسی طرح کا اعتراض یا اشکال باقی نہیں رہتا حضرت ان تمہیدات میں ایسی قیودات کا اضافہ فرماتے کہ سامعین کے ذہن میں کسی طرح کے اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہتی، یہ بات دیگر اساتذہ کے درس میں کم ہی ملتی تھی، گرچہ وہ اپنی تدریسی خصوصیات کے حامل تھے۔

حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کے مذکورہ بالا کلمات اور راقم الحروف کی حضرت خطیب الاسلام سے ظاہری و باطنی قربت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ کسی بھی حل طلب مسئلے کی وضاحت کے لئے تمہیدات اور قیودات باندھنے کا یہ سلسلہ حضرت کو خاندانی طور پر ورثہ میں ملا تھا، حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فیض نسلا بعد نسل حضرت خطیب الاسلام کی طرف منتقل ہوا- حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی کا مزاج یہ تھا کہ کسی مسئلہ کو سمجھانے کے لئے قیود پر قیود اور تمہیدات پر تمہیدات باندھتے کہ ہر تمہید نفس مسئلہ کو سمجھانے کے لئے کافی ہوتی، اس مسئلے کی ہندی کی چندی فرما کر اور محسوسات سے اس کی مثالیں بیان فرما کر سامعین کے سامنے پیش فرمادیتے اور ادق ترین علمی مسائل کو خواص کے علاوہ عوام کے لئے بھی سمجھنا آسان ہوجاتا۔اسی طرح ان کے جملے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کو علوم شریعت اور زیر درس کتاب کے جملہ مضامین پر کامل دستگاہ تھی کیونکہ قیودات اور تمہیدات وہی شخص بڑھا سکتا ہے یا بیان کرسکتا ہے جس کو کتاب کی عبارتیں بالکل واضح ہوں اور کتاب میں بیان کردہ مسئلے کے ملابسات اور جزئیات کا گہرا علم ہو۔حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم العالیہ مزید فرماتے ہیں کہ:

''ہم لوگ ابن ماجہ شریف کے درس میں خطیب الاسلام کے یہاں مطالعہ کرکے جاتے اور مختلف ساتھی مختلف اشکالات اپنے ذہن میں لیکر درس گاہ آتے، لیکن درس کے اختتام پر وہ اشکالات سب کافور ہوجاتے۔''

چونکہ حضرت کا سلسلہ بھی حکیم الاسلام کے واسطے سے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا سلسلہ ہے اور حضرت حکیم الامت کے براہ راست تلمیذ رشید بھی ہیں، یہ فیض بھی (یعنی ایسی تقریر فرمانا کہ ہر سننے والے کے شکوک وشبہات بھی دور ہوجائیں اور ہر شخص کے اعتراض کا جواب بھی ہوجائے) حضرت خطیب الاسلام میں حضرت حکیم الامت کا منتقل ہوا ہے۔

طلباء کو ان تمہیدات سے فائدہ یہ پہنچتا ایک تو ان تمہیدات سے نفس مسئلہ اور اصل موضوع سمجھنا آسان ہوجاتا اور دوسری چیز بقول قاری صاحب ''باذوق طلبہ کو تمہیدات باندھنے کا سلیقہ بھی آجاتا اور مثالوں سے کسی بھی مسئلے کی وضاحت کا طریقہ بھی طلبہ سیکھ لیتے۔''

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کو تمہیدات باندھنے کا تدریس اور تقریر میں سلیقہ وقرینہ آجائے تو اس میں اپنے مافی الضمیر کو مختلف پیرائے اور مختلف انداز سے پیش کرنے کا سلیقہ آجاتا ہے۔

پھر حضرت ان تمہیدات میں مزید حدود وقیود کا اضافہ فرمادیتے، جن قیودات کے ہوتے ہوئے ممکنہ اعتراضات، یا شکوک وشبہات یا طلبہ کے ذہن میں موجود سوالات سب خود بخود درفع ہوجاتے۔

(۲) انتہائی مربوط کلام

حضرت کے درس کی جو تقریر ہوتی وہ اس قدر مربوط ہوتی کہ ہر طرح کے حشو وزوائد افراط و تفریط اور طول لاطائل سے بالکلیہ پاک ہوتی، ہر بات ان کی ایک اصول اور مسلمہ قاعدہ ہوتا، جو اس درس کو سمجھانے میں بنیادی کردار ادا کرتا، ویسے بھی انسان فطری طور پر غیر مربوط کلام سے اکتاتا ہے اور اس کی طبیعت میں ایک طرح کی الجھن پیدا ہوتی ہے اور اگر گفتگو میں ربط ہے، تسلسل ہے تو انسان کی طبیعت خود بخود اس مربوط کلام کو سننے کے لئے آمادہ ہوتی ہے اور متکلم کی شخصیت دوسرے پر اثر انداز بھی ہوتی ہے، والد گرامی حضرت مولانا محمد زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ ''حضرت لطیفہ اور واقعہ اگر بیان کرتے تو اس میں انتہائی ربط وتسلسل ہوتا، ان کا کلام غیر معمولی طور پر مربوط ہوتا، جیسے کوئی کتاب سنا رہا ہو، حشو وزوائد سے بالکلیہ خالی، حضرت کی درسی تقریر بھی بڑی مربوط ہوتی، ذرا سی توجہ سے وہ تقریر طالبعلم کے ذہن میں نقش ہوجاتی، اگر حضرت کی درسی تقریر کو طالبعلم توجہ سے سن لیتا تو زندگی بھر کے لئے ذہن نشین ہوجاتی۔ ان کی تقریر کا ہر لفظ اپنی جگہ پر خاص مقام رکھتا، افراط وتفریط، مبالغہ آرائی، لفاظی اور تصنع وتکلف نام کی چیز کا شائبہ بھی نہیں ملتا۔ درسی تقریر کے مربوط ہونے میں حضرت کے گھریلو علمی ماحول اور والد گرامی کی طویل معیت ورفاقت کا بھی بڑا دخل تھا کہ خانوادۂ قاسمی کے افراد کو مربوط کلام کرنے اور قصہ گوئی میں کمال حاصل تھا، اور یہ سلسلہ الحمد للہ مسلسل اولادوں میں منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔

(۳) وقت اور سبق کی غایت درجہ پابندی

راقم الحروف نے حضرت کو بہت قریب سے دیکھا اور مشاہدہ بھی بار بار کیا کہ حضرت مزاجاً تنظیم الاوقات اور پابندیٔ اوقات کے سلسلے میں انتہائی غیور واقع ہوئے تھے۔ میں نے حضرت سے یہ دو شعر (جن میں ایک عربی کا ہے اور ایک اردو کا) بہت سنے، میں نے ایک مرتبہ پابندیٔ اوقات کے سلسلہ میں معلوم کیا تو اس وقت بھی حضرت نے یہ دو شعر سنائے۔

دَقَّات قَلب الْمَرْءِ قَائِلَةٌ لَهُ

انَّ الْحَيَاةَ دَقَائِقٌ وثوان

ترجمہ: انسان کی دل کی دھڑکن مستقل اس سے یہ کہہ رہی ہے کہ: یہ زندگی چند منٹوں اور سیکنڈوں کا کھیل ہے۔

دوسرا شعر

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
خالق نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹادی

پابندیٔ اوقات کا درس میں یہ حال تھا بقول مولانا اسعد قاسم صاحب بستوی، ''حضرت نے یہ اعلان باقاعدہ کر رکھا تھا کہ پانچ منٹ اگر میں لیٹ ہوگیا تو سمجھنا کہ آج درس نہیں ہوگا۔ اور میں دیوبند میں نہیں ہوں، ہم طلبہ حضرت کے معمولات کو دیکھ کر اپنی گھڑیاں ملاتے تھے۔

ایسا ممکن نہیں کہ حضرت دیوبند میں تشریف فرما ہوں اور سبق کا ناغہ ہوجائے، حضرت کی یہ پابندی دراصل طلبہ کے لئے ایک عملی پیغام تھا جس سے ان کی تربیت مقصود تھی کہ اسلام میں وقت کی بڑی اہمیت ہے، چنانچہ حضرت خطیب الاسلام کے اس عمل کے اثرات ان کے شاگردوں میں دیکھنے کو ملے، راقم الحروف نے حضرت کے بہت سے تلامذہ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا، دورانِ گفتگو حضرت کے تلامذہ نے خود بتایا کہ ہمیں اللہ نے تھوڑی بہت جو پابندیٔ اوقات عطا فرمائی وہ حضرت ہی کی زندگی سے سیکھا یعنی پابندیٔ وقت کا شعور ہمیں حضرت کی عملی زندگی سے ملا۔

پابندیٔ اوقات کے سلسلے میں بھی میں نے حضرت مولانا سفیان صاحب دامت برکاتہم سے بارہا سنا کہ بھائی صاحب (تمام صاحبزادگان والد گرامی کو بھائی صاحب کہتے تھے) کو پابندیٔ وقت

کے سلسلے میں اگر کوتاہی ہوتی تو نہایت کوفت ہوتی اوراگر کبھی میں کسی کام کے سلسلے میں یہ کہہ دیتا کہ دس پندرہ منٹ میں آرہا ہوں تو فرماتے: ’’تمہارے یہاں کیا پانچ منٹ کی کوئی حیثیت نہیں یا تو دس منٹ کہو یا پھر پندرہ منٹ۔ یہ اوقات کی پابندی عظمائے قوم کے یہاں ہوتی ہے، کہ وہ اپنے ایک ایک منٹ کا خیال رکھتے ہیں، اور وقت کو انتہائی بڑا سرمایہ تصور کرکے اپنے اوقات کو کسی نہ کسی مفید کام میں گذارنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں، حتیٰ کہ علمائے اسلام نے خاص کر امام سیوطی اور علامہ ابن حجر کا یہ معمول لکھا ہے کہ جتنی دیر قلم کو لکھنے کے لئے دوات میں ڈبوتے اتنی دیر میں بھی زبان سے سبحان اللہ اور الحمدللہ کا ورد کرتے، اور اپنی حیات مستعار کو اللہ کی طرف سے دیا گیا عطیہ تصور کرکے دنیاوی یا اخروی مفید کاموں میں بسر کرتے، اوقات کو خالی نہ جانے دیتے، حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عظیم ترین خصوصیت ہے کہ آپ وقت کے بہت پابند تھے کیونکہ حضرت کی علمی وعملی پرداخت بھی علمائے متقدمین کی طرح ہوئی تھی کہ حضرت کے زمانہ طالبعلمی میں دارالعلوم کی اسلوب تعامل اور طرز تعلیم پر علمائے متقدمین اسلام کا رنگ غالب تھا، اور مادیت والحادیت دور دور بھی نظر نہیں آتی تھی۔ جس کے ہوتے ہوئے حضرت نے اعلائے کلمۃ الحق اور حفاظت ونفاذ شریعت، تعلیم وتدریس، تقریر وخطابت، تحریر وکتابت، میدان دعوت وتبلیغ، تربیت اسلامی کے باب میں انمنٹ ولازوال نقوش چھوڑے ہیں جن کی تفصیلات آگے کتاب میں آرہی ہیں، پابندیٔ اوقات اور عمر عزیز کے اوقات کی حفاظت میں ہی نسل نو کے لئے بہت بڑا درس ہے کہ جو اوقات کو ضائع کرنے میں پچھلی تمام اقوام سے بازی لے گئے، اور اپنے اوقات کو ایسے جدید آلات کے اندر ضائع کررہے ہیں جس نے نسل نو کو نکما اور استھلاکی کلچر کا عادی بنادیا ہے۔ انسانیت کے لئے نافع وہی لوگ بنتے ہیں، جنہوں نے اپنے اوقات کی حفاظت کرتے ہوئے ان کو تعمیری کاموں میں لگایا۔ ان کی اس عظیم الشان خصوصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی چھوٹی صاحبزادی محترمہ عظمیٰ ناہید صاحبہ اپنے تاثراتی مضمون میں تحریر فرماتی ہیں:

’’ان کی زندگی میں وقت کی پابندی کی بڑی اہمیت تھی، اگر کسی سے کسی خاص وقت میں ملنے کا وعدہ کیا ہے، یا کہیں جانا ہے، تو اس میں ذرا سی دیر بھی انہیں انتہائی ناگوار ہوتی تھی، بلکہ وہ ہر کام کو وقت سے پہلے کرنے کے عادی تھے، تاکہ دیر نہ ہوجائے اور کسی کو انتظار نہ کرنا پڑے۔

یہی اہتمام ان کی نمازوں میں بھی ملتا تھا۔ خاندان میں مشہور تھا کہ اگر گھڑی بند ہوگئی ہو اور کسی کو وقت ملانا ہو تو ان کی نمازوں کے اوقات سے گھڑی ملائی جاسکتی ہے۔''[۱]

(۴) تدریس میں حسن عمل واتقان عمل کا خاص لحاظ

خانوادہ قاسمی کا امتیاز رہا ہے کہ یہ حضرات جب کوئی کام کرتے ہیں تو اس کام کو سرسری انداز سے نہیں کرتے بلکہ اس کام کی تمام جوانب کا احاطہ کرتے ہیں، پھر اس میں بھی اتقانِ عمل وحسن عمل مطلوب و ملحوظ رہتا ہے، شریعت مطہرہ، قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی سیرت مقدسہ نے بھی ایک مسلمان کا مزاج یہی بنایا کہ وہ جو کام بھی کرے اس کو اتقان کے ساتھ کرے اور احسن طریقہ پر کرے۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿صُنْعَ اللهِ الَّذِیْ أَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ﴾ (سورۃ النمل: ۸۸)

اور ایک جگہ ارشاد عالی ہے: ﴿لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (سورۃ الملک: ۱)

حدیث میں ارشاد فرمایا گیا: ''ان اللہ یحب اذا عمل أحَدُكُمْ أَتْقَنَه''

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس بات کو نہایت پسند فرماتے ہیں کہ تم میں سے جب کوئی کام کرتے تو اس کو اچھی طرح کرے۔

ان نصوص کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت کی زندگی پر راقم الحروف نے نظر ڈالی اور اس زاویہ سے حضرت کی زندگی کو جب دیکھا تو زندگی کے بے شمار مراحل میں آپ کو ان نصوص پر عمل پیرا پایا، چنانچہ اس سلسلے میں حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب فرماتے ہیں کہ:

''خطیب الاسلام کے یہاں یہ بات خاص طور پر قابل اعتنا ولائق ذکر ہے کہ آپ جو کام بھی کرتے ہیں اس میں حسن عمل اور اتقانِ عمل کا خاص لحاظ رہتا ہے۔''

تقریر کو اگر اختیار کیا تو خطابت کے میدان میں اس حد تک پہنچے کہ ''خطیب الاسلام'' آپ کے نام کا جزو لاینفک بن گیا، حضرت کا مزاج یہ تھا کہ جب تم کوئی کام کرو تو اس کے مالہٗ وماعلیہ کے ساتھ کرو کوئی گوشہ ایسا باقی نہ رہے جس کی بنا پر اس کی حلاوت جاتی رہے اور معنویت ختم ہوجائے، جو حکم اور شریعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہم تک پہنچی جو نظام ہمیں ملا وہ انتہائی اکمل واتم ہے، اس میں نقص کا کوئی شائبہ تک نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بقول حضرت: شریعت مطہرہ اور اس کے تمام

[۱] ایک تاثراتی مضمون بعنوان 'میرے بھائی صاحب' از: عظمیٰ ناہید قاسمی صاحبہ

احکامات کو نازل فرمانے کے بعد حق تعالی شانہ نے جو آخری حکم نازل فرمایا وہ اس پورے نظام شریعت پر مہر تصدیقِ ثبت فرمائی کہ ہمارے نبی کا لایا ہوا نظام اور دی ہوئی شریعت کا ہر حکم اس قدر کامل و اکمل ہے کہ کمی یا زیادتی کی اب اس میں کوئی گنجائش باقی نہیں، لہٰذا اے لوگو! تم کام کو ناقص انداز سے مت کیا کرو، ارشاد فرمایا:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً﴾(سورۃ المائدۃ:۳)

حضرت خطیب الاسلام فرماتے ہیں ''اس آیت میں پہلے اکمال دین اور اتمام نعمت کا تذکرہ فرمایا اور اکمال واتمام کے بعد اپنی رضا کا اعلان فرمایا۔ معلوم ہوا کہ جب تک کام میں اکمال واتقان نہ ہو اس کام میں رضائے الٰہی کا حصول ناممکن ہے، رضائے الٰہی موقوف رہے گی جب تک کے اس کام میں اکمال، اتمام واتقان نہیں ہوگا۔''

ان سطور سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کے یہاں اتقان عمل کا کس قدر لحاظ تھا یہی وجہ ہے کہ راقم الحروف نے بارہا مشاہدہ کیا کہ ناقص کام کرنے والوں سے حضرت کو اختلاج کی کیفیت پیدا ہوتی، مزاج بچپن ہی سے ایسا بنا تھا کہ حسن عمل اور اتقانِ عمل کی عملی تصویر والد محترم حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو قریب سے دیکھا اور استفادہ کیا تھا، اس پر مستزاد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے براہ راست شرف تلمذ حاصل کر کے اپنے آپ کو مرتب ومنظّم بنالیا تھا۔ اس تربیت وتنظیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتقان عمل زندگی میں پیدا ہوگیا۔ یہی مجموعی صفت آپ کی تدریس میں بھی واضح تھی۔ کیونکہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہر عمل میں اتقان اور نظم ونسق نظر آئے گا پھر یہی چیز حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے یہاں اور ان کی زندگی میں نظر آئے گی اور وہی فیض حضرت خطیب الاسلام کو پہنچا، گویا کہ حضرت تھانویؒ کا یہ فیض حضرت علمی وعملی دونوں شکلوں میں پہنچا۔ عظمیٰ ناہید صاحبہ مذکورہ بالا مضمون میں لکھتی ہیں:

''وہ ہر کام کو خوش اسلوبی سے کر لینے کے عادی تھے، کسی کام کی مشکل نے بھی انہیں حراساں نہیں کیا بلکہ وہ مسلسل کوشش کر کے اس کام کو پایاں تک پہنچانے کے عادی تھے۔''

(۵) علمی تبحر

حضرت خطیب الاسلام نے جس فن کو بھی پڑھایا اس طرح پڑھایا گویا کہ آپ اسی فن کے ماہر ہیں، چنانچہ قاری ابوالحسن صاحب اعظمی حضرت خطیب الاسلام کے علمی تبحر کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت اپنے درس میں تمہیدات و قیودات ایسی لگاتے کہ ان قیودات کے ذریعہ تمام اعتراضات ختم ہوجاتے درس کی تقریر کے دوران ایسے الفاظ و قیود کا اضافہ صرف وہی شخص کرسکتا ہے جس کو موضوع پر کامل دستگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ طلبہ تک نفس مضمون کے ابلاغ کا بھی ملکہ نامہ ہو۔ اور ایک کامیاب مدرس کے لئے ان دو چیزوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔ ایک تو اس کو موضوع اور فن پر کامل دستگاہ ہو اور دوسرے اس کے اندر ابلاغ کی صلاحیت ہو، اور یہ دونوں ہی باتیں حضرت کے درس میں موجود تھیں کہ موضوع پر کامل دستگاہ بھی اور ابلاغ کا ملکہ اللہ رب العزت نے وافر مقدار میں عطا فرمایا تھا،

حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کے مذکورہ بالا جملہ اس بات کا غماز ہے کہ حضرت کو علوم عقلی و نقلی پر کامل دسترس حاصل تھی۔ قاری صاحب مزید فرماتے ہیں:

''ہم میں سے بعض طلبہ کے ذہنوں میں کسی بھی علمی درسی مسئلے کے متعلق اشکالات پیدا ہوتے اور جب کبھی بھی کسی نے حضرت سے کسی اشکال کے متعلق معلوم کیا تو ہمیشہ جواب یہ ہوتا کہ درس کی تقریر کے دوران میں نے فلاں قید لگائی تھی، ہم اقرار کرتے کہ جی حضرت! آپ نے یہ قید لگائی تھی فرماتے یہ قید اسی لئے لگائی گئی تھی تاکہ مذکورہ اشکال پیدا نہ ہو، اس وقت اس جملے اور اس قید کی اہمیت اور معنویت کا اندازہ ہوتا کہ حضرت کا یہ جملہ کیف ما اتفق نہیں بلکہ پیدا ہونے والے اشکال کو رفع کرنے کے لئے تھا، بعض ذہین طلبہ ان قیودات و تمہیدات کو سمجھ جاتے کہ یہ قید حضرت نے کیوں لگائی اور اس کی معنویت کیا ہے؟''

(۶) درس کی جامعیت

حضرت کا درس اس قدر جامع ہوتا کہ موضوع سے متعلق کسی طرح کی کوئی تشنگی باقی نہیں رہتی، اسی کے ساتھ ساتھ حشو وزوائد سے بالکل خالی، مفہوم و معانی کو ادا کرنے کے لئے زبان سے وہی

الفاظ وکلمات نکلتے جن کے لئے ان الفاظ وکلمات کو واضع نے وضع کیا ہے۔ جیسے کسی نے اپنے مافی الضمیر کوادا کرنے کے لئے پہلے سے الفاظ، کلمات اور جملے تیار (سیٹ) کرر کھے ہوں، یہی وجہ ہے کہ حضرت کا درس اس قدر جامع ہوتا کہ کتاب میں ایک سبق کے دوران جتنے بھی موضوعات کا تذکرہ آجاتا ان موضوعات کے ضروری تمام پہلوؤں پر روشنی پڑتی، اور سبق کا موضوع ذہن نشین ہوجاتا اور ذہن میں نفس موضوع کا کامل تصورا بھرتا۔ اس بات کی گواہی حضرت کے تمام ان شاگردوں نے دی جن سے میری ملاقات ہوسکی۔ انہوں نے مزید یہ بات بھی بتلائی کہ استاذ محترم کے درس میں اکتاہٹ نہیں ہوتی تھی اور نہ ذہنی طور پر تھکن کا احساس ہوتا، بلکہ طبیعت یہ چاہتی کہ آپ درس میں تقریر فرماتے رہیں اور طلبہ بیان کردہ علمی نکات سے لطف اندوز ہوتے رہیں۔

ایک کامیاب مدرس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خشک سے خشک علمی مضامین کو بھی ایسے پیرایہ بیان میں واضح کرے یا ایسے دلچسپ انداز میں بیان کرے، کہ طالب علم میں وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اکتاہٹ نہ ہو، بلکہ زیر درس کتاب یا موضوع کے تئیں دلچسپی بڑھتی چلی جائے اور طلبہ اس استاذ کے درس کا انتظار کریں، جیسا کہ ان حضرات کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہے جو گذشتہ تیس چالیس سال کے عرصہ میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے کسب فیض کرنے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں کہ طلبہ حضرت مفتی سعید صاحب پالنپوری دامت برکاتہم العالیہ کے سبق کا کس قدر شدت سے انتظار کرتے ہیں، مفتی سعید صاحب میرے استاذ ہیں کہ میں نے حضرت والا سے ترمذی شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی، اور حضرت والا حضرت خطیب الاسلام کے شاگرد ہیں جیسا کہ کتاب میں آگے تذکرہ آرہا ہے۔

(۷) طلبہ کے ساتھ رحمت وشفقت

سابق صدر جمہوریہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اکثر بڑی شدومد سے یہ بات فرمایا کرتے تھے کہ استاذ کی پیشانی پر علم کے بجائے رحمت اور شفقت کا نور ہوتا ہے۔ رحمت وشفقت اور حلم و بردباری کی عظیم نبوی صفات حضرت رحمۃ اللہ علیہ کونسلا بعد نسل حضرت صدیق اکبر سے ملی تھیں۔ جن کی پہچان ہی ”أرحم أمتی بأمتی أبوبکر“ ہے۔ دوران درس طلبہ، اساتذہ کرام سے ایسی بات کرتے ہیں کہ جس سے طبیعت میں ناگواری ہوتی ہے، لیکن حضرت خطیب الاسلام کے طلبہ اس بات

سے مامون رہتے کہ حضرت خطیب الاسلام دوران درس ان کے کسی علمی استفسار پر برانگیختہ ہوجائیں گے۔جیسا کہ حضرت کے مایہ ناز تلمیذ جناب مولانا اسرارالحق صاحب قاسمی فرماتے ہیں کہ

''مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے حضرت حکیم الاسلام اوران کے گرامی قدر صاحبزادے استاذ محترم مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمہما اللہ سے دارالعلوم دیوبند میں پڑھا، ہم طلبہ دونوں حضرات کے سلسلے میں ہرطرح کی ڈانٹ ڈپٹ سے مامون تھے۔''

حضرت کے خلیفہ ومجاز اور رفیق سفر جناب مولانا اقبال صاحب جوگیشوری، ممبئ حضرت کے ساتھ اسفار میں کثرت سے رہے، وہ فرماتے ہیں:

''سفر میں تو ہم ساتھ رہے، کبھی کسی بھی طرح کی غلطی ہوجاتی تو ہمیشہ نظرانداز فرمادیتے، اور کبھی مجھے یاد نہیں کہ حضرت نے مجھے ڈانٹا ہو۔اسی طرح حضرت کے خادم خاص مخدوم مکرم جناب مولانا شاہد صاحب دامت برکاتہم نے بارہا مجھ سے یہ بات بتائی کہ حضرت نے مجھے بڑی سے بڑی غلطی پر کبھی ڈانٹا نہیں۔''

کسی کو تعلیم دینے کے لئے سب سے بڑی صفت معلم کی یہی صفت رحمت اور شفقت ہے کہ معلمیت بغیر صفت رحمت کے ناقص ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے حضور ﷺ کو معلم بنا کر بھیجا اور یہ ارشاد فرمایا: ﴿وما أرسلناک الا رحمة للعالمین﴾ (سورۃ الانبیاء:۱۰۷) یہ اعلان اس لئے فرمایا گیا کہ امت کو تعلیم ہو کہ تمہیں بھی حضور ﷺ کی نیابت میں معلّمی کے فرائض انجام دینے ہونگے، اس کے لئے صفت رحمت بنیادی صفت ہے خاص کر قرآن وحدیث کے علوم کے لئے اس صفت کا معلمین میں ہونا سب سے اہم اور ضروری ہے۔جیسا کہ تعلیم قرآن کے سلسلہ میں اللہ نے اپنی صفت رحمت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ارشاد عالی ہے: ﴿الرحمن علم القرآن﴾ (سورۃ الرحمان:۱)

رحمان نے قرآن سکھایا یہ نہیں فرمایا: ''العلیم علم القرآن''، یہ بھی نہیں کہا ''العلام علم القرآن''، بلکہ ارشاد فرمایا کہ اس ذات نے قرآن سکھلایا جس کی رحمتوں کے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔

(۸) کلیات کے ساتھ جزئیات کا استحضار

حضرت کے علمی تبحر کے بارے میں ذکر کیا جا چکا، حضرت کے درس کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ حضرت کو شریعت کے جزوی مسائل کا غیر معمولی استحضار تھا، جس کا اظہار اس وقت ہوتا جب کوئی طالب علم کسی جزیئے کے متعلق سوال کرتا، یا کوئی حضرت کے قدیم شاگرد کسی بھی علمی مسئلے کے بارے میں دریافت کرتے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ علمائے متقدمین کے واقعات اور ان کی علمی کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے مسئلے کی وضاحت فرما دیتے۔۔

(۹) قوت استدلال

دوران تقریر، چاہے درسی تقریر ہو یا عوامی تقریری ہو، آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ سے برموقعہ استدلال فرماتے اور استدلال اس قدر نادر ہوتا کہ سامعین اور طلباء عش عش کر جاتے۔

(۱۰) طلبہ کی توجہ ادھر ادھر نہ بھٹکنے دینا

حضرت خطیب الاسلام درس میں اس بات کا بے حد خیال فرماتے کہ موضوع سے ہٹ کر کوئی بات نہ ہو، ادھر ادھر کی بات کرنے سے طلبہ کا ذہن منتشر ہوتا ہے اور اصل موضوع سے ذہن ہٹ جاتا ہے۔ سبق سے متعلق جزئیات کا بیان بھی نہایت مربوط ہوتا، البتہ درمیان میں ان مسائل کی وضاحت کے لئے مثالیں بیان فرماتے جس سے مشکل مسائل محسوس ہو کر طلبہ کے ذہن نشین ہو جاتے۔

(۱۱) ابلاغ کا مخصوص ملکہ

حضرت خطیب الاسلام اپنے انداز گفتگو اور طرز تخاطب کی وجہ سے طلباء میں بہت مقبول تھے، کسی ایک بات کو مختلف پیرائے میں بیان کرنے کا ملکہ حاصل تھا، انداز تخاطب ایسا کہ جیسے منھ سے پھول جھڑ رہے ہوں، بڑے سے بڑے پیچیدہ مسائل سہل انداز میں سمجھاتے کہ ہر طرح کا غموض ختم ہو جائے، اسی بات کو پیش کرنے اور مافی الضمیر کو ادا کرنے کا سلیقہ وقرینہ اس قدر خوبصورت ہوتا کہ بڑی سے بڑی بات کو انتہائی لطیف پیرائے میں بیان فرما دیتے۔

بقول غالب مرحوم ''مزہ کہنے کا جب ہے کہ ہم کہیں اور سارا جہاں سمجھے۔'' یہ ابلاغ کا قرینہ اور ملکہ ایک کامیاب معلم سے اول درجے میں مطلوب ہے۔

دوران درس ایسے خوبصورت الفاظ اور تعبیرات زبان سے ادا ہوتیں جیسے کسی نے پہلے سے ریکارڈ کیا ہو، دوران درس کہیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ متکلم کے پاس ذخیرہ الفاظ کی کمی ہے، بلکہ الفاظ یکے بعد دیگرے نہایت تسلسل کے ساتھ زبان سے ادا ہوتے۔

حضرت خطیب الاسلام کی درسی خصوصیات کے بارے میں اور مزید بھی لکھا جاسکتا ہے۔ لیکن انہی پر اکتفا مناسب معلوم ہوتا ہے، ان تمام درسی خصوصیات کو جاننے کے بعد یہ کہنے میں ذرہ برابر بھی تأمل نہیں رہ جاتا کہ حضرت نے دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم وقف دیوبند جیسے ہر دو مؤقر اداروں میں معلمیت کے فرائض منصبی بڑی ہی کامیابی کے ساتھ ایک طویل عرصے تک انجام دیئے، جس کے دوران درس نظامی میں رائج اکثر علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں، اور درس نظامی میں پڑھائی جانے والی مشہور کتاب، شرح عقائد نسفی ایک لمبی مدت تک آپ کے زیر درس رہی، اور آپ کا شرح عقائد کا درس نہایت مقبول ہوا۔ اسی طرح آپ نے تقریبا چالیس سال حدیث شریف کی مشہور کتابیں پڑھائیں۔ جس سے آپ کی محدثانہ اور متکلمانہ شان کا پتہ چلتا ہے۔ جس کا تذکرہ کتاب میں آگے مستقلاً آرہا ہے۔

حضرت خطیب الاسلام کے چند ہم عصر علماء

حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں احسن الخالقین کی طرف سے کچھ ایسی جاذبیت اور کشش تھی کہ کوئی بھی انسان ان سے ایک ملاقات میں ان کی شخصیت کا قائل ہو جاتا، اور ان کی خصوصیات کو دیکھ کر بخوبی یہ اندازہ کر لیتا کہ یہی وہ خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے ان کی شخصیت دوسروں سے بہت ممتاز ہے، اور اہل مکہ کی کہاوت 'لامر مایسود من یسود' ان پر صادق آتی، اس عاجز کو بھی حضرت کی مختلف مجالس میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی، اور دوران طالب علمی بارہا جامع مسجد دیوبند میں درس بخاری میں شرکت کی سعادت میسر آئی۔ اسی طرح اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتوی دامت برکاتہم العالیہ کی معیت میں بھی حضرت کے دولت کدہ پر حاضری کی سعادت ملی۔ میں نے حضرت کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں زمانہ طالب علمی کے دوران بعنوان 'سیرت طیبہ' ۱۲؍ربیع الاول ۱۹۹۹ء کینڈی ہال میں بھی سنا۔

ایک بات تو یہ محسوس کی کہ حضرت کی کسی بھی طرح کی مجلس ہو، درس ہو، تقریر ہو، علمی مجلس ہو یا پھر ملاقات یا مذاکرہ کی مجلس ہو، آپ سے مستفید ہونے والا کبھی اکتاہٹ اور بوریت کا شکار نہیں ہوتا، یہ بات یہ عاجز ہی نہیں بلکہ حضرت کے تمام ہی شاگردوں کا تقریبا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت کے پاس بیٹھنے والا سفر میں ہو یا حضر میں وہ کسی طرح کی اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا تھا، اگر پہلے سے کسی پر اکتاہٹ چھائی ہو تو بھی حضرت کی مجلس میں جاتے ہی دور ہو جاتی۔

دوسری خصوصیت حضرت کی علم حدیث پر دسترس تھی، اس طرح کا کمال اور عبور بہت کم لوگوں کے حصہ میں آیا خاص طور پر علم اسماء الرجال پر حضرت شاہ صاحب کا جو کلام ہوتا، وہ اپنی مثال آپ تھا۔

تیسری خصوصیت حضرت کا خاص اپنا طرز تقریر وتحریر ہے، حضرت کا انداز گفتگو، تسلسل، روانی کا یہ حال کہ جیسے کسی ساز پر حسین غزل گا دی ہو، اور تحریر کا حال یہ کہ اگر ان کی کسی تحریر پر ان کا نام نہ بھی

لکھا ہوا ہو، تب بھی ان ان کے علوم سے تھوڑی بہت مناسبت رکھنے والا پہچان لے گا کہ یہ تحریر حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی ہے، ان کے قلم کی جولانیاں، ان کے مضامین کی فکر انگیزیاں مزید ان کے علوم کی سحر انگیزی اتنی جلی، اتنی پاکیزہ، اتنی صاف شفاف، اتنی رسیلی، اتنی میٹھی، اتنی شیریں کہ خواجہ حسن نظامی کا روزنامچہ اپنا لطف کھو بیٹھے، اتنی پرشکوہ، اتنی باوقار اور اتنی جاذب نظر کہ ابوالکلام آزاد کی تحریروں کی چاشنی وذائقہ کا حصہ بن جائے، تحریر میں وہ کسی کے مقلد نہیں، اپنا ہی انداز، اپنا ہی اسلوب وہ بھی اتنا جداگانہ اور متنوع کہ کوشش کے باوجود اس اسلوب تک رسائی ممکن نہ ہو، ہزاروں مقالات ومضامین ان کے گوہر بار قلم سے نکلے۔''

حضرت شاہ صاحب نے از اول تا آخر دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی، اپنے شوق اور لگن مزید برآں خداداد ذہانت وفطانت کی وجہ سے ممتاز طلبہ میں شامل رہے اور چونکہ ذہانت وفطانت اور بلا کا حافظہ تھا، اسی کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے کی لگن جو جنون کی حد تک تھی اس لئے جس راہ کے مسافر بنے منزل مقصود تک پہنچ کر ہی دم لیا۔

حضرت نے ۱۳۷۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت حاصل کی اور اسی سال آپ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں ہوا۔ آپ کی تدریسی زندگی کی بابت حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''اول دن سے ان کی تدریسی صلاحیتوں کے چرچے شروع ہوئے، میزان سے ابتدا اور بخاری پر آکر ٹھہراؤ، مقامات ان کے زیر درس رہی، ملاحسن اور سلم کو انہوں نے پڑھایا، جلالین اور بیضاوی ان کی نکتہ آفرینیوں کا مرکز بنی، مختصر المعانی، شرح عقائد اور ہدایہ میں پختگی کا ثبوت دیا۔ ترمذی، مسلم، ابوداؤد، مشکوٰۃ جیسی کتب احادیث بھی طویل زمانے تک پڑھانے کی سعادت حاصل رہی۔''

حضرت قاری صاحب مزید لکھتے ہیں

''خدا نے ذہن، فکر، حافظے اور افہام وتفہیم کی بے پناہ دولتوں سے نوازا اور قدرت کی ان فیاضانہ عنایات کا انہوں نے فیاضانہ استعمال کیا، دارالعلوم کے وہ چند نام جو اپنے علم وعمل، صلاحیت اور مقبولیت میں شہرت کی منزلوں تک پہنچے ان میں شاہ صاحب کا نام نمایاں ہے۔''[1]

[1] فرشتہ صفات، از قاری ابوالحسن صاحب اعظمی

حضرت کی تصانیف وتالیفات کی تعداد بقول حضرت قاری ابوالحسن صاحب دامت برکاتہم العالیہ ایک درجن سے زائد ہے (۱) تذکرۃ الاعزاز: سوانح حضرت مولانا اعزاز علی صاحب (۲) ایمان کیا ہے؟ ترجمہ تکمیل الایمان مصنفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۳) طریقہ تعلیم ترجمہ تعلیم المتعلم، مصنفہ الامام برہان الاسلام (الزرنوجی) تلمیذ صاحب ہدایہ (۴) فروغ سحر مجموعہ مضامین (۵) گل افشاں گفتار مجموعہ تقاریر (۶) خطبات کشمیری مجموعہ خطبات (۷) نقش دوام، سوانح امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری (۸) لالہ وگل، شخصیات پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ (۹) اسمائے حسنی کی برکات (۱۰) تفسیر ابن کثیر پر وقیع اور علمی کام (۱۱) بیضاوی کے ایک حصہ کی شرح، ترتیب بنام، 'تقریر شاہی' وغیرہ ان کے علاوہ چند کتابیں زیر تالیف تھیں۔ ان کے زیر ادارت ماہنامہ 'نقش' اور پندرہ روزہ 'یثرب' ایک طویل عرصہ تک شائع ہوئے۔ ماہنامہ 'محدث عصر' ان کی قلم کی جولانیوں کا ثبوت تھا، تصنیفات اور تالیفات پر ان کی تقریظات اور مقدمات کا شمار تو اب ممکن نہیں۔

حضرت شاہ صاحب حضرت خطیب الاسلام کے شانہ بشانہ ہر موقع اور ہر جگہ پر کھڑے نظر آئے، حضرت خطیب الاسلام کو اپنا سرپرست اور بڑا مان کر احسان شناسی کے جذبہ کے ساتھ دارالعلوم وقف دیوبند کی تعمیر وترقی میں وہ کردار ادا کیا جو تاریخ دارالعلوم وقف دیوبند میں ناقابل فراموش ہے، اس ادارہ کی تاریخ میں حضرت شاہ صاحب کی حیثیت ایک ایسے بنیادی معمار کی ہے جنہوں نے ادارہ کی اپنی جان و مال اور اپنے جذبات سے آبیاری کی، بے شمار مواقع ایسے آئے جہاں ایک طرف صدر جلسہ حضرت خطیب الاسلام ہیں تو مہمان خصوصی حضرت شاہ صاحب اور دونوں حضرات اخلاص وعمل کے پیکر ایک نبی کریم ﷺ کے دین کا ترجمان ہے اور نسبت قاسمی کا حامل وشارح اور دوسرا وارث نبی اور علوم علامہ انور شاہ کشمیری کا حامل جب یہ دونوں حضرات کسی اسٹیج پر جلوہ افروز ہوئے ہوں گے تو سامعین اور شرکائے جلسہ کی لطف اندوزی کا کیا حال ہوا ہوگا۔ ان دونوں حضرات کا حال یہ کہ ان جیسا دوسرا کوئی مقرر اور خطیب اپنی تقریر اور خطابت کا ایسا جوہر قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا اور ان کے متعلق اگر یوں کہا جائے تو بجا ہوگا کہ

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
محو حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر

ان حضرات نے اپنی تقریروں سے، تحریروں سے، اپنے جذبات اور اپنے کردار سے شہر در شہر،

قصبہ درقصبہ، قریہ قریہ، گاؤں درگاؤں جاکر علم وعمل کی جوت جگائی جہاں علم کی جگہ جہالت کی ظلمات نے لے رکھی تھی، بقول شاعر:

کوئی بزم ہو کوئی انجمن یہ شعار اپنا قدیم ہے
جہاں روشنی کی کمی ملی وہیں اک چراغ جلادیا

اس کا صحیح اندازہ اس عاجز کواس وقت ہوا جب ہندوستان کے اکناف واطراف میں دعوتی اسفار میں محض اللہ کے فضل وکرم سے جانے کا اتفاق ہوا، وہاں جاکر مکمل طور پر ان حضرات کی عظمتوں کا قائل ہوا کہ جہاں گیاوہ معلوم ہوا کہ اس مسجد یامدرسہ کی بنیادرکھنے کے لئے حضرت خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب یا پھر حضرت شاہ صاحب تشریف لائے تھے، حقیقت یہ ہے کہ ان پر لکھنے لئے ان کی زندگی کے دیگر پہلوؤں کواجاگر کرنے کے لئے ایک کتاب چاہئے۔

آپ کی پیدائش ۱۹۲۸ء کو ہوئی آپ حضرت خطیب الاسلام سے تقریبا دوسال چھوٹے تھے، ہوش سنبھالنے کے بعد آخر تک اپنے آپ کوعلوم وفنون کی عظمتوں سے وابستہ رکھااورتازندگی اکتساب فیض کرتے رہے۔

حضرت شاہ صاحب حضرت خطیب الاسلام کے بحیثیت رفیق کار مسلسل دارالعلوم کے قضیہ نامرضیہ کے وقوع پذیر ہوجانے کے بعد دارالعلوم وقف دیوبند کی ترقی میں راہ عمل میں گامزن رہے، چنانچہ مولانا شکیب قاسمی 'حیات طیب' جلداول میں ان حضرات کی مسلسل کوششوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی دامت برکاتہم، فخر المحد ثین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری، حضرت مولانا نعیم صاحب دیوبندی، حضرت مولانا خورشید عالم صاحب دیوبندی جیسے فخر روزگاراساتذہ جن کی تدریس دارالعلوم دیوبند کا طرۂ امتیاز، علمی کمالات ضرب المثل اورشہرت ونیک نامی ہندوستان ہی میں نہیں پوری دنیا میں تھی اور دیوبندی مکتبۂ فکر کے بیشتر نامورعلماء مدارس اسلامیہ کے ذمہ داران اورملی تنظیموں کے سربراہان کوان کے شرف تلمذ پر نازاوران کی شخصیات پر ہمیشہ نازرہا۔ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی دامت برکاتہم اورفخر المحد ثین حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری انتظامی وتدریسی خدمات کے ساتھ فراہمی سرمایہ اوردارالعلوم وقف دیوبند کے مالی

استحکام کے لئے سرگرم عمل بھی رہے۔ حکیم الاسلام اوران کی جماعت کے متعلق اس وقت ملک و بیرون ملک جو غلط فہمیاں پائی جارہی تھیں اور جس انداز سے پروپیگنڈہ کیا گیا تھا اس کی وجہ سے ابتدا ان حضرات کو بڑی مشکلات کا سامنا رہا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کی مسلسل محنت، اخلاص نیت اور مسلک دیوبند کی حفاظت پر کمر بستہ رہنے کی وجہ سے ان مشکلات کو سہولیات میں تبدیل فرمادیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے حضرت حکیم الاسلام کے بعد جو مشکلات اٹھائیں، جن سختیوں کا سامنا کیا اور جو بے بنیاد تہمتیں اور الزامات اپنے سر لے کر دارالعلوم وقف کی نشوونما، استحکام اور ترقی کے لئے حوصلہ دکھایا وہ ان حضرات کی اولعزمی اور عزیمت کا ایک روشن باب ہے اور انشاء اللہ آخرت میں ان حضرات کی یہ بے لوث خدمات اجر عظیم کا باعث ہوں گی۔''[۱]

اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحب کی مغفرت فرمائے اور ان کی علمی، دینی اور دعوتی کوششوں کو قبول فرمائے۔

حضرت مولانا نعیم صاحب عثمانی

ولادت: ۷/۱۲/۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء چہارشنبہ وقت صبح صادق آپ کی ولادت ہوئی 'تنویر عثمانی' آپ کی تاریخ پیدائش برآمد ہوئی ہے۔

مولانا کا بچپن کھیل کود اور تفریحی رنگینوں، شوخیوں اور دلچسپیوں سے یکسر سادہ گزرا ہے۔ تقریباً ۱۳۴۲ھ میں دارالعلوم دیوبند کے درجۂ قرآن پاک میں داخل کئے گئے۔ پھر ۲/۱۲/۱۳۵۰ھ درجہ فارسی وریاضی سے اور ۲/۸/۱۳۶۳ھ میں درجہ تجوید وقرأت سے فراغت حاصل کی، اس دوران خوش نویسی بخط نسخ ونستعلیق کی تکمیل کی اور کچھ طب کی کتابیں پڑھیں اور ۱۳۶۳ھ میں دورۂ حدیث کی تکمیل ہوئی۔

آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب امروہوی[۲] تلمیذ حضرت نانوتوی جن

[۱] حیات طیب جلد اول

[۲] سن ولادت تقریباً ۱۸۶۰ء ہے، ممبئی میں پیدا ہوئے مکہ مکرمہ میں قرآن شریف حفظ کیا، ابتدائی تعلیم بھی مکہ مکرمہ میں پائی، پھر حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہوی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ (بقیہ)

سے آپ نے ترمذی شریف کا ابتدائی حصہ پڑھا اور بخاری شریف کا ابتدائی حصہ حضرت مولانا علامہ شبیر عثمانی (متوفی ۱۹۴۹ء) سے اور پھر مکمل بخاری شریف حضرت مولانا سید فخر الدین[1] صاحب سے اور ترمذی شریف حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب، مسلم شریف کے کچھ حصے کی سماعت علامہ ابراہیم بلیاوی سے اور ابوداؤد شریف حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی وغیرہ سے پڑھیں۔ اسی طرح مسلم شریف کا باقی حصہ حضرت مولانا بشیر احمد صاحب گلاؤٹھی (متوفی ۱۹۶۶ء) سے پڑھیں مؤطا امام محمد مولانا عبدالخالق صاحب ملتانی سے اور مؤطا امام مالک مولانا عبدالشکور صاحب سے، شمائل ترمذی مولانا عبدالحق صاحب سرحدی[2] سے طحاوی شریف اور ابن ماجہ شریف مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب سے۔

دورہ حدیث شریف سے فراغت کے بعد آپ نے تدریسی زندگی کا آغاز ۱۳۶۳/۹/۳ھ کو مدرسہ فیضان القرآن بنجاران سہارنپور سے کیا۔

۱۳۶۴ھ کی ابتداء میں مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی بھاولپور میں صدر مدرس کے منصب پر تقرر ہوا، آپ نے یہاں علیا کی کتابیں بیضاوی شریف، مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ آخرین وغیرہ کتابیں پڑھائیں، پھر تقسیم ملک کے بعد وہاں سے دیوبند شریف لے آئے۔

پھر ۱۹۴۷ء میں دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت عربی استاذ تقرر ہوا اور پھر رفتہ رفتہ علیا اور پھر دورہ حدیث کی کتابیں زندگی بھر پڑھاتے رہے، آپ کے علمی انہماک اور یکسوئی کے لئے شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی شہادت کافی ہے۔ آپ ان کو تحریری سند دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حامداً ومصلیا مسلماً! عزیز مکرم جناب مولوی قاری حافظ نعیم صاحب دیوبندی خلف الصدق

(بقیہ[2] صفحہ گذشتہ) اخیر میں تفسیر وحدیث کے چند اسباق حضرت نانوتوی سے پڑھے، امروہہ میں نوے سال کی عمر میں مئی ۱۹۴۷ء میں انتقال ہوا، اور امروہہ میں ہی تدفین ہوئی۔ (تاریخ دارالعلوم ج ۲ ص ۵۰)

[1] مولانا سید فخر الدین صاحب مرادآبادی، دارالعلوم کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے، حضرت خطیب الاسلام کے استاد بھی تھے، اور شیخ الہند کے آخری شاگردوں میں تھے، مولانا حسین احمد مدنی کے انتقال کے بعد دارالعلوم کے شیخ الحدیث بنائے گئے، آپ کا اصل وطن مأ لوف ہاپوڑ ضلع میرٹھ ہے، ۱۹۷۲ء میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور سرزمین مرادآباد میں مدفون ہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے جامع ومختصر تاریخ دارالعلوم دیوبند ص ۵۲۸)

[2] مولانا عبدالحق صاحب نے دارالعلوم میں تعلیم حاصل کی اور پھر دارالعلوم ہی میں حدیث کے استاذ رہے، اور پھر تقسیم ملک کے بعد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی بنیاد رکھی، آپ کا انتقال ۱۹۸۸ء میں ہوا۔ (مشاہیر علمائے دیوبند ص ۲۵۲)

جناب مولوی حکیم محمد منعم صاحب دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل طلبہ میں سے ہیں اور ان معدودے چند طلبہ میں سے ہیں جنہوں نے از ابتدا تا انتہا تعلیم کا پورا زمانہ دارالعلوم دیوبند ہی میں صرف کیا ہے۔ ان کا زمانہ طالب علمی کامیاب زمانہ رہا۔ اپنے اقران ومعاصرین کے اعتبار سے ان کی جگہ صف اول میں رہی، جہاں تک مجھے یاد ہے کسی امتحان میں ناکام نہیں ہوئے، بلکہ ممتاز درجہ کی کامیابی ہر امتحان میں حاصل کرتے رہے۔ اخلاق کے اعتبار سے خصوصی امتیاز حاصل تھا، دارالعلوم پر مختلف ادوار گذرے، مگر ان کو ان کے علمی انہاک نے کسی دوسرے شغل میں مشغول ہونے کی اجازت نہ دی۔ اس کے بعد تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں، دعا گو ہوں کہ جس طرح اس سے قبل نیک نام رہے ہیں۔ خدا کرے کہ یہاں بھی علمی درجات کے ذر، وۂ علیا کے اہل ثابت ہوں۔ آمین (حضرت مولانا) محمد اعزاز علی (صاحب) ۳؍ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ'' (تفصیلات ماخوذ از کتاب 'فرشتہ صفات' قاری ابوالحسن صاحب)

حضرت مولانا نعیم صاحب کے بارے میں یہ سنا اور دارالعلوم دیوبند میں زمانہ طالب علمی میں کے درمیان طلبہ میں مشہور تھا کہ حضرت غیر معمولی پابندی فرماتے، اور اوقات کے بڑے پابند تھے۔ پابندیٔ اوقات کے ساتھ ساتھ آپ کے درس کی تقریر انتہائی جامع ہوتی۔'' آپ کی درسی تقریر 'خیر الکلام ماقل ودل' کا حقیقی مصداق ہوتی۔''

آپ کی تالیفات میں 'تذکرۃ الحفاظ'، 'سلاسل حافظیہ'، کمالین جلالین کی شرح، نور امدادیہ ''شرح ہدایہ'' کے چھ حصے اور لطائف الانور من اقتباس کاشف الابرار کی تالیف واشاعت ہوئی۔ ان کے علاوہ حالات وضرورت کے پیش نظر مختلف جرائد ورسائل میں مسلسل مضامین کی اشاعت ہوتی رہتی ہے۔

۹؍شعبان ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۸ء میں حضرت مولانا محمد نعیم صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند طویل علالت کے بعد امریکہ میں انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا مرحوم انتہائی باصلاحیت، تجربہ کار، امور تدریس کے ماہر، نظم وضبط کے پابند، خاموش مزاج، بزرگانہ روایات کے حامل، خالص مدرس قسم کے انسان تھے۔ قیام دارالعلوم وقف دیوبند سے لے کر آخری وقت تک بخاری شریف، ترمذی شریف کے اسباق آپ سے متعلق رہے کئی کئی گھنٹہ ایک نشست پر بے تکان درس دیتے تھے۔

علاوہ ازیں دارالعلوم وقف دیوبند میں مختلف انتظامی امور کی ذمہ داریاں بھی آپ سے متعلق رہیں۔ اللہ رب العزت حضرت کی مغفرت فرمائے اور ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

حضرت مولانا خورشید عالم صاحب نوراللہ مرقدہ

حضرت خطیب الاسلام کے رفقائے کار میں جوشخصیات بڑی اہمیت کی حامل ہیں ان میں ایک سرفہرست نام حضرت مولانا خورشید عالم صاحب دیوبندی نوراللہ مرقدہ کا بھی ہے، آپ کا نام محمد خورشید عالم بن ظہور احمد بن منظور احمد بن محمد خلیفہ تحسین علی (یہاں سے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی، مصنف ''معارف القرآن'' کا سلسلہ نسب ان سے مل جاتا ہے۔)

آپ کی پیدائش ۱۵؍ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ دیوبند میں ہوئی، آپ کا پورا گھرانہ علمی تھا اور آپ کے والد محترم حضرت مولانا ظہور احمد صاحب دارالعلوم دیوبند کے اعلیٰ درجہ کے اساتذہ میں سے تھے۔

آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز ۱۳۵۸ھ میں جب آپ کی عمر پانچ سال تھی قرآن کریم سے کیا اور حضرت قاری کامل صاحب کے پاس حفظ قرآن کی تکمیل کی، اس کے بعد اردو، فارسی، ریاضی، ابتدائی عربی کی تعلیم شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب اور اپنے والد محترم مولانا ظہور احمد صاحب سے حاصل کی۔ اس کے بعد عربی تعلیم کا باقاعدہ آغاز ۱۹۵۰ء میں کیا اور ۱۳۷۶ھ بائیس سال کی عمر میں دارالعلوم، دیوبند سے مختلف علوم کی تکمیل کی، بخاری شریف حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے پڑھی۔ آپ کے دیگر اساتذہ میں:

حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروھوی

حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ

حضرت مولانا ظہور احمد صاحب[1]

حضرت مولانا میاں اختر حسین صاحب[2] (متوفی ۱۳۹۷ھ) وغیرہ انتہائی قابل ذکر ہیں۔

آپ کی تدریسی زندگی کا آغاز ۱۳۷۷ھ سے ہوا، آپ نے ۱۳۸۳ھ تک دارالعلوم کراچی (جو

---

[1] مولانا ظہور صاحب دیوبند دارالعلوم میں درجۂ علیا کے استاذ تھے، زندگی بھر یہیں درس وتدریس میں مشغول رہے، ۱۳۸۳ھ میں دیوبند ہی میں انتقال ہوا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے مشاہیر علمائے دارالعلوم دیوبند ص ۹۱)

[2] دارالعلوم دیوبند کے استاذ اور ناظم تعلیمات تھے، مولانا سید اصغر حسین دیوبندی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ پوری زندگی تعلیم وتدریس میں گذاری اور اپنے والد کے حالات زندگی قلمبند کئے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے جامع ومختصر تاریخ ص ۶۵۸)

آپ کے عم محترم مفتی محمد شفیع صاحب نے قائم کیا تھا) میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر ۱۳۸۳ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمت انجام دینے کے لئے مقرر فرمایا گیا، پھر ۱۴۰۲ھ تک آپ دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کا شمار دارالعلوم دیوبند کے مقبول ترین اساتذہ میں ہوتا تھا۔ پھر ۱۹۸۳ء میں دارالعلوم وقف دیوبند سے تدریسی تعلق قائم کرلیا اور پھر وفات سے دو دن قبل تک بخاری شریف و مسلم شریف کا درس دیتے رہے۔ آپ کے اعلیٰ اوصاف، تبحر علمی اور مؤمنانہ کردار کی بنا پر حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کی وفات کے بعد شیخ الحدیث وقف دارالعلوم دیوبند بھی بنادیئے گئے۔

آپ کے یہاں ذکر و اذکار کا بڑا اہتمام تھا، روزانہ قرآن کریم کی تلاوت کا معمول تھا، چلتے پھرتے دس بارہ پڑھ لیا کرتے۔ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہ العالی، آپ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے اور آپ بھی حضرت مہتمم صاحب کے لئے اپنی پلکیں بچھادیتے تھے۔

حضرت کے مزاج میں نظم وضبط اور اوقات کی پابندی اپنے اصاغر و اکابر کا یکساں احترام مزاج میں تواضع وانکساری انتہائی درجے کی تھی۔ آپ ہزار ہا ہزار تشنگان علوم نبوت کی پیاس بجھا کر ۱۴؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ ۷؍فروری ۲۰۱۲ء بروز منگل بوقت ۱۲:۵۰ شب میں انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی وفات پر تمام ہی علمی حلقوں میں رنج والم تھا، مگر حضرت خطیب الاسلام کو جو صدمہ پہنچا اس کا اظہار حضرت خطیب الاسلام اپنے تعزیتی کلمات میں فرماتے ہیں، حضرت کے تعزیتی کلمات بعنوان ''خورشید علم واخلاق کا غروب'' درج ذیل ہیں:

''شیخ الحدیث مولانا خورشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات تمام دینی اداروں کے لئے ایک زبردست المیہ ہے، ان کی دینی وعلمی خدمات سے مستفیدین کی بے شمار تعداد ہے اور طویل المدت خدمات جلیلہ نے ان کی جدائی کے غم کو صرف ایک گھرانے یا ایک ادارہ کا نہیں بلکہ ملک بھر میں پھیلے ہوئے صحیح المسلک بیشمار مدارس اسلامیہ کا ملک گیر المیہ بنادیا ہے۔ شیخ الحدیث کے منصب نے ان کی شخصیت کو قرار واقعی طور پر مزید عظمتوں کا حامل بنادیا تھا، ان سے متعلق مختلف علوم وفنون کی کتب درسیہ کا درس ہر دور میں غیر معمولی طور پر مقبول رہا، اسی طرح ان کی اخلاقی رفعت نے ان کی ذات گرامی کو ہر طبقہ میں معزز ومحترم بنائے رکھا۔ اس

لئے ان کی یادیں انمٹ بن کر دلوں سے امید ہے کہ تادیر محو نہیں ہوں گی۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وراثت علم کا تعارف ”إنما بعثت معلماً“ فرما کر اور اخلاقی وراثت کا ”بعثت لأتمّم مكارم الأخلاق“ فرما کر بے نہایت دائمی عظمتوں کا حامل بنا دیا، قدر و منزلت شناسان نبوت بحمد اللہ ہر دور میں امت کو ایسے نصیب ہوتے رہے ہیں اور ان شاء اللہ تا قیامت ہوتے رہیں گے کہ جو ان دونوں وراثت کے حامل ہوں گے، کم و بیش کے فرق کے ساتھ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ پندرہ صدیوں میں کوئی وقت ایسا نہیں گزرا جو ان دونوں وراثتوں کے حاملین سے خالی ہو۔ بحمد اللہ شیخ الحدیث مولانا خورشید عالمؒ نے بھی اس وراثت نبوی سے حصۂ وافر پا کر اپنے لمحاتِ حیات پورے کئے، اس وصفِ امتیازی کی یادوں کے ساتھ ان کی ذات گرامی قدر شناس قلوب میں ان شاء اللہ ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے گی۔ غفر الله له و برد الله مضجعه آمين يا رب العالمين

ان کلمات سے حضرت خطیب الاسلام کے اس تعلق کا پتا چلتا ہے جو آپ کو حضرت مولانا خورشید عالم صاحب سے تھا، آپ کی نماز جنازہ بھی حضرت خطیب الاسلام ہی نے دارالعلوم دیوبند کے احاطہ مولسری میں پڑھائی، اس طرح یہ خورشید علم و معرفت ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ حضرت مولانا خورشید عالم صاحب کے بارے میں یہ تفصیلات ندائے دارالعلوم وقف دیوبند کے مارچ اپریل ۲۰۱۲ء مطابق ربیع الآخر جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ کے شمارے سے لی گئی ہیں۔

حضرت مولانا رابع حسنی ندوی صاحب، صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

حضرت مولانا رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے مؤقر صدر اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں، تکیہ کلاں رائے بریلی میں یکم اکتوبر ۱۹۲۹ء کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے، ۱۹۴۸ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے سند فضیلت حاصل کی، اس دوران ۱۹۴۷ئی میں دارالعلوم دیوبند میں بغرض حصول تعلیم چھ ماہ قیام فرمایا، اور حضرت خطیب الاسلام کے ساتھ دارالعلوم کے اساتذہ سے پڑھا، آب وہوا اور طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے واپس لکھنؤ تشریف لے گئے، تعلیم مکمل کرنے کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں معاون

مدرس مقرر ہوئے، پھر دعوت وتعلیم کے لئے ۱۹۵۰ء میں سعودی عرب میں قیام رہا، ۱۹۷۰ء میں کلیۃ اللغۃ العربیۃ دار العلوم ندوۃ العلماء کے عمید مقرر ہوئے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن ندوی کے انتقال کے بعد سن ۲۰۰۰ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے ناظم بنائے گئے، اور ۲۰۰۲ء میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے مؤقر صدر منتخب کئے گئے، اسی طرح ۲۰۰۷ء میں دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب کئے گئے۔

آپ نے کئی کتابیں اردو اور عربی میں تصنیف فرمائیں، ملک اور بیرون ملک مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب کے اکثر اسفار میں ساتھ رہے، اور پھر ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین مقرر ہوئے، اور الحمد للہ تادم تحریر تمام ہی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ ہمارے سروں پر حضرت دامت برکاتہم کے سائے کو باقی رکھے۔[1]

قاری زاہر قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مولانا زاہر قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت خطیب الاسلام کے چچازاد اور نہایت قریبی دوست تھے، حضرت مولانا طاہر صاحب قاسمی کے بڑے صاحبزادے تھے، ان سے حضرت خطیب الاسلام کی بڑی بے تکلفی تھی، تقسیم ہند کے وقت وہ بھی اپنے والد گرامی کے ساتھ پاکستان چلے گئے تھے، اللہ نے ان کو آواز بہت عمدہ عطا فرمائی تھی، ان کو قرآن کی تلاوت کا خاص ذوق تھا، اور ترتیل کے ساتھ بہت عمدہ پڑھتے تھے، قیام پاکستان کے بعد ان کو پاکستان میں قومی قاری کا خطاب ملا، اور پاکستان کا آغاز ان ہی کی تلاوت سے ہوا، اور تاحین وفات روزانہ صبح ریڈیو پاکستان کا آغاز ان ہی کی تلاوت سے ہوتا تھا۔ جناب اعظم قاسمی صاحب مدظلہ العالی نے راقم الحروف کو بتلایا کہ حضرت خطیب الاسلام کا بچپن ہی سے ان کے ساتھ اور پھوپھی زاد بھائی جناب احتشام صاحب جن سے بعد میں حضرت کی چھوٹی ہمشیرہ صاحبہ بھی منسوب ہوگئیں تھیں، ان سے اور قاری زاہر صاحب سے بڑا گہرا اور بے تکلفانہ تعلق تھا۔ کیونکہ قاری زاہر قاسمی صاحب بھی حضرت خطیب الاسلام کی طرح ظریف الطبع انسان تھے۔ اس لئے دونوں کے مزاج میں بہت ہم آہنگی تھی۔ قاری زاہر قاسمی کا انتقال پاکستان ہی میں ہوا، اور ان کی تمام اولادیں وہیں مقیم ہیں۔ باوجود کوشش کے مزید حالات دستیاب نہ ہوسکے۔

---

[1] مختصر تاریخ دار العلوم دیوبند

مولانا عامر انصاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عامر انصاری صاحب مرحوم کا تعلق اس صاحب علم وفضل انصاری خاندان سے ہے جس سے حضرت خطیب الاسلام کی والدہ کا تعلق تھا، جو قصبہ رامپور منیہاران میں مقیم تھا، آپ مولانا حکیم محمد طیب صاحب رامپوری کے صاحبزادے تھے، میری والدہ کے بیان کے مطابق مولانا عامر صاحب کی ولادت بھی ۱۹۲۶ء میں رامپور میں ہوئی تھی، وہ حضرت خطیب الاسلام سے صرف دو ماہ چھوٹے تھے۔ابتدائی تعلیم رامپور ہی میں حاصل کی پھر علوم اسلامیہ کی تکمیل کے لئے مظاہر علوم میں داخلہ لے لیا اور وہاں سے سند فضیلت حاصل کی،اس کے بعد بستی حضرت نظام الدین میں مستقل سکونت اختیار کرلی،اور عصری علوم حاصل کئے،اس کے بعد غالباً ۱۹۵۵ء کے آس پاس علوم اسلامیہ اور عربی زبان خصوصی طور سے سیکھنے کے لئے جامعہ ازہر قاہرہ تشریف لے گئے،اور وہاں علمائے ازہر سے استفادہ کیا،عربی انگریزی اور اردو زبانوں پر غیر معمولی قدرت تھی، قاہرہ سے واپسی کے بعد Indian Council for Cultural relations (ICCR) کے دفتر آزاد بھون دہلی میں مستقل ملازم ہوگئے، اور کافی عرصے تک وہاں سے نکلنے والے عربی رسالے ''ثقافۃ الہند'' کے مؤقر ایڈیٹر بھی رہے،تبلیغی جماعت کو عالمی سطح پر روشناس کرانے میں مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبید اللہ بلیاوی کے ساتھ ساتھ ان کا بھی بہت نمایاں کردار رہے،مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ سابق امیر تبلیغی جامعت کے مشیر خاص بھی تھے،اور مولانا کے یہاں ان کا ایک خاص مقام تھا،اسی طرح مظاہر علوم سہارنپور کی شوریٰ کے مؤقر رکن بھی تھے،اور غالباً ۱۹۷۹ء میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کی خواہش پر ان کو مظاہر علوم سہارنپور کا ناظم بھی بنا دیا گیا تھا۔مولانا عامر انصاری صاحب کا اصلاحی تعلق شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔

اس سے قبل غالباً ۱۹۶۲ء میں مصر کے اس وقت کے صدر جمال عبدالناصر ہندستان آئے تھے،تو جمال عبدالناصر اور پنڈت جواہر لعل نہرو کے درمیان انہوں نے ترجمانی کے فرائض بھی انجام دیئے تھے۔مولانا عامر انصاری، صاحب کمال علم وفضل ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی خاندانی روایات کے بھی امین تھے۔

مولانا نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں ان کی کتاب ''الصلاۃ'' بہت مقبول ہوئی، اور اس کے کئی زبانوں میں ترجمے بھی ہوئے۔ مولانا کے کئی صاحبزادگان ہیں، اور سب عالم اور فاضل علوم عصری ہیں، بڑے سے چھوٹے صاحبزادے جناب مولانا عمر انصاری صاحب مرحوم (جن کو مرحوم لکھتے ہوئے ہاتھ کانپتے ہیں) احقر کے بڑے بہنوئی تھے، اور سعودی سفارتخانے میں ملازم تھے، 2016 میں ان کا بھی انتقال ہوگیا، ان کے بیٹے ارقم انصاری سلمہ نظام الدین میں والدہ کے ساتھ مقیم ہیں۔ ننیہالی خاندانی قربت داری اور ہم عمری کی وجہ سے مولانا کا حضرت خطیب الاسلام سے نہایت مخلصانہ تعلق تھا۔ اور رامپور میں ایک دوسرے کے ساتھ کھیلے بھی تھے۔ مولانا عامر انصاری صاحب میری والدہ کے ماموں بھی تھے، فروری ۱۹۸۰ء میں بعمر ۵۶ سال ان کا انتقال ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا سید فرید الوحیدی صاحب، جدہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے برادرزادہ واسیر مالٹا حضرت مولانا سید وحید احمد صاحب مرحوم کے صاحبزادے مولانا سید فرید الوحیدی صاحب ہیں، موصوف دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے فراغت کے بعد دارالعلوم کے شعبہ تبلیغ سے بھی وابستہ رہے، اللہ نے بے مثال ذہانت سے نوازا تھا، گفتگو کا انداز نرالا اور دلچسپ تھا، جس مجلس میں بیٹھ جاتے اسے باغ و بہار بنادیتے اور اس کے ساتھ بہترین تحریر کے بھی مالک تھے، ابتدائی دور میں رسول عربی اور خلافت راشدہ وغیرہ کتابیں لکھیں جو متعدد اسکولوں میں داخل نصاب اور مقبول ہیں، اخیر عمر میں حضرت شیخ الاسلام پر ایک ضخیم کتاب لکھی جو آپ کی عظیم یادگار رہے، موصوف عرصہ دراز سے جدہ میں مقیم تھے سعودی عرب کی نیشنلیٹی بھی آپ کو حاصل ہے ''شرکۃ الوحیدی'' کے نام سے آپ نے ایک اشتہاری کمپنی کی داغ بیل ڈالی جواب سعودی عرب کی مشہور ومقبول کمپنی میں تبدیل ہوچکی، آپ کا مزاج علمی تھا اور شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت خطیب الاسلام کو آپ سے ایک خاص انسیت تھی۔ یہ بھی حضرت خطیب الاسلام کے درسی ساتھی رہے۔ ان کا انتقال ۱۸ اپریل ۲۰۰۸ء کو تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں جدہ میں ہوا، انا للہ و انا الیہ راجعون۔[1]

[1] ندائے شاہی، مئی ۲۰۰۸ء

حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب مرادآبادی

حضرت مولانا محمد یٰسین مرادآبادی بن حافظ عبدالصمد ساکن سنبھل ڈاکخانہ خاص ضلع مرادآباد، یہ حضرت خطیب الاسلام کے ہم درس تھے، حضرت ہی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند سے فراغت اور شہادت فضیلت حاصل کی ان کو حضرت اور خانوادہ قاسمی سے بڑی گہری فکری مناسبت تھی، مزاج علمی تھا اس لئے فکری مناسبت کے ساتھ ساتھ علمی مناسبت بھی تھی، علمی اور فکری گفت وشنید آپس میں ہوتی، حضرت خطیب الاسلام سے ان کی مراسلت بھی رہتی ان کا انتقال ان کے آبائی وطن سنبھل میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے، تاریخ وفات کا علم نہیں ہوسکا۔

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب ابن مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ

حضرت خطیب الاسلام کے رفقاء میں اب صرف حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب ابن مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مقیم حال لندن بقید حیات ہیں، فی الحال آپ کی عمر ۹۰ سال سے کچھ متجاوز ہے، دارالعلوم دیوبند سے حضرت خطیب الاسلام ہی کے ساتھ ۱۹۴۷ء میں سند فضیلت حاصل کی، حضرت خطیب الاسلام سے عمر میں ایک سال چھوٹے ہیں۔

طبیعت کی ناسازی اور آب وہوا کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے لندن میں رہائش اختیار کی، وہاں پر موجود مرکزی مسجد سنس بری پارک (Sins Bury park) میں کئی سال تک بحیثیت امام و خطیب خدمات انجام دی، اسلامک ڈفینس کاؤنسلنگ کی بنیاد رکھی اور اس پلیٹ فارم سے وہاں کے مسلمانوں کی ملی و دینی سرپرستی فرمائی، اسی دوران پھر ہندوستان آنے کی کوشش کی اور ہندوستان تشریف لے آئے مگر طبیعت نے ساتھ نہیں دیا، اس کے بعد مستقل لندن ہی میں رہائش اختیار کرلی، حضرت مولانا نے تقریباً بیس ۲۰ سال مشہور رسالہ ''الفرقان'' کی ادارت فرمائی اور اس دوران بڑے معیاری مضامین و مقالات اور اداریے لکھے، جن کا احاطہ اس مختصر ترین اور اجمالی تعارف میں ممکن نہیں، آپ کئی اہم کتابوں کے مصنف بھی ہیں جو اپنے موضوع کے لحاظ سے منفرد اور بڑی اہمیت کی حامل ہیں، ان میں سے چند کتابیں درج ذیل ہیں:

(۱) واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر (۲) انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت (۳) راستے کی تلاش (۴) مجھے ہے حکم اذاں (۵) حیات نعمانی (٦) تفسیر کی چھ جلدیں ''محفل قرآن'' کے عنوان سے چھپ چکیں۔

یوں تو اس خانوادۂ نعمانی کا حضرت نانوتوی کے خانوادہ یعنی خانوادۂ قاسمی سے شروع ہی سے بہت گہرا اور قریبی تعلق رہا اور خاص طور پر علمی وفکری اعتبار سے شروع ہی سے مزاج میں ہم آہنگی رہی ہے، جس کا اظہار حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف تحریروں اور تقریروں میں کیا، مگر چونکہ حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم حضرت خطیب الاسلام کے ہم درس بھی ہیں اس لئے ان دونوں خاندانوں کے روابط ان دونوں بزرگوں کے ذریعے مزید مستحکم ہوئے اور بحمد اللہ تادم تحریر دونوں ہی بزرگ بقید حیات ہیں، حق تعالیٰ شانہ ان دونوں بزرگوں کے سائے کو ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے اور ہم لوگوں کو ان حضرات کی قدر دانی کی توفیق ارزانی فرمائے۔

حضرت مولانا سید جلیل میاں صاحب

مولانا سید جلیل میاں کے بارے میں راقم الحروف نے جو مواد لیا وہ مولانا شاہین جمالی ایڈیٹر ''دیوبند ٹائمز'' وصدر مدرس مدرسہ اسلامیہ اصغریہ دیوبند کے مضمون ''کچھ کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں'' سے لیا ہے۔ مولانا سید جلیل میاں صاحب محدث جلیل حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب (متوفی ۲۲ محرم ۱۳۶۴ھ) کے پوتے ہیں۔ حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب کے سدا بہار گلشن بہار میں حضرت مولانا سید جلیل میاں کی شکل میں جو کلی مسکرانے والی تھی، اس کے رنگ ونکہت پر خود اس باغ کا مالی سو جان سے قربان تھا۔ ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ کی ایک سہانی صبح کو نسیم رحمت کے خوشگوار جھونکے سے یہ کلی مسکرائی اور حضرت فقیہ الامت مفتی عزیز الرحمٰن نے اپنی آغوش شفقت میں بھینچ کر اذان پڑھی اور چھوہارا چبا کر غنچۂ نوشگفتہ کے ہونٹوں سے لگا دیا اور مفتی عزیز الرحمٰن کے حسب ایماء حضرت شیخ الہند کے نام محمود الحسن کے ہم وزن ''منظور الحسن'' رکھدیا اور اس طرح یہ بچہ اپنے دادا حضرت میاں صاحب کی آغوشِ شفقت میں کھیلتا ہوا سعادتمند بچہ اپنی عمر کے منازل طے کرنے لگا۔

سید جلیل حسین نامی بچے نے ۱۳۵۰ھ میں اپنے جد امجد حضرت میاں صاحب سے رسم بسم اللہ ادا کی اور اس طرح تعلیم باقاعدہ شروع ہوگئی، حروف شناسی اور قاعدہ خوانی میں ایک سال گذرا، دوسرے سال اسی خاندان سادات کے قدیم ترین مدرسہ (موجودہ مدرسہ اصغریہ) کے مدرس محبوب خاں صاحب سے پارہ عم شروع ہوا اور اگلے سال تک حافظ رشید حسن سے قرآن کریم اور اردو تعلم سے فراغت حاصل کی۔

۱۳۵۷ھ دارالعلوم میں درجہ فارسی میں داخل ہوئے اور ۱۳۶۰ھ میں اس کی تکمیل کی ۱۳۶۱ھ میں عربی کی تعلیم شروع ہوئی اور اس شان سے ہوئی کہ صاحبزادگان گرامی یعنی مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے صاحبزادے خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی، مفتی محمد شفیع کے صاحبزادے مولانا محمد ذکی، مولانا شبیر احمد عثمانی کے بھتیجے رشید احمد مرحوم کے ساتھ چند اور ذہین لڑکوں کی مخصوص جماعت میں شامل کرلیا گیا، پھر ایک مرتبہ یہی قافلۂ علم جب حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں میزان شروع کرنے اور بیعت ہونے کے لئے حاضر ہوا تو اس سعادت مند طالبعلم کا نام بھی اس میں شامل رکھا گیا، جب یہ بات حضرت میاں جی کو معلوم ہوئی تو فرمایا کہ تمہاری میزان میں شروع کراؤنگا، چنانچہ اگلے دن کتاب شروع ہوگئی لیکن جب اس بات پر ہونہار طالب علم نے اپنی حسرت کا اظہار کیا کہ وہ لوگ تو تھانہ بھون سے بیعت بھی ہوآئے تو حضرت میاں صاحب نے فرمایا: ''تم بیعت بھی ہو اور اہل بیعت بھی'' اور اپنے سینے سے لگا کر ایک شجرہ مرحمت فرمایا جسے جمعرات کو بعد نماز عشاء پڑھنے کی اجازت دی، اس طرح سینے میں علم وتصوف کی جو امانت محفوظ تھی اسے اپنے ہونہار پوتے کے سینے میں منتقل فرمایا، ادھر حضرت نے اپنی علالت کے باوجود تفسیر شروع کرائی تمام عملیات، تعویذات کی نیابت اور حزب البحر، قصیدہ بردہ اور دلائل الخیرات کے معمولات اور مدارج سلوک کے اوراد وظائف کی تعلیم اور ختم خواجگان وغیرہ کی اجازت دی اور کئی مرتبہ فرمایا اپنی مقدس امانت کی حفاظت کا یقین دلایا کہ میں نے تم کو سب چیزوں کی اجازت دے دی اور دعائیں دیں اور فرمایا خداوندا! اسے قبول فرما۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد کھتولی، میرٹھ، بمبئی کے مختلف مدارس میں تدریسی اور نظامت تعلیمی کی خدمات سرانجام دیں۔ ۱۱ صفر ۱۳۷۲ھ میں دارالعلوم کے شعبۂ تنظیم سے وابستہ ہوئے اور دو برس بعد ۱۳۷۴ھ معتمد کتب خانہ کے عہدے پر ترقی ہوئی اور یہ تعلق ۱۳۸۰ھ تک بحسن وخوبی قائم رہا، لیکن اس کے بعد لوگوں کے رجوع عام کی وجہ سے حضرت میاں صاحب والی خانقاہ میں فروکش ہوگئے۔ ۱۳۶۹ھ میں حج بیت اللہ کی سعادت ملی اور اسی سفر میں مدینہ طیبہ میں مولانا محمد موسی نے اپنے پاس بطور خاص بلاکر خلافت بخش دی، مولانا محترم کی شخصیت میں علم کی تہ در تہ سنجیدگی، عمل کی حرارت، اخلاق کی بلندی، قوت ارادی کی فراوانی زہد وتقوی کی آمیزش اور خوش اطواری وخوش گفتاری کا وافر حصہ شامل تھا، چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا احترام، بزرگوں کی قدر صلحا واتقیاء سے تعلق

عام لوگوں سے حسن سلوک اور کریمانہ برتاؤ آپ کی شخصیت کے وہ اوصاف وکمالات ہیں جو اس خاندان کی ہمیشہ سے روایت رہی ہے، آپ کو حق تعالیٰ نے تصنیفی اور شعری ذوق بھی عطا فرمایا تھا، آپ کی تصانیف میں مشہور ''سوانح غوث الاعظم'' اور ''تذکرۃ الصالحین'' ''انعام ربانی'' اور قربانی پر چھوٹے چھوٹے رسائل کافی تعداد میں شائع ہوچکے ہیں۔ اس طرح حضرت خطیب الاسلام کے رفیق درس نے اپنے فیض معرفت کو لوگوں میں تقسیم کرتے ہوئے ۱۸ دسمبر ۲۰۰۵ء میں داعی اجل لبیک کہا۔ حق تعالیٰ شانہ ان کی مغفرت فرمائے۔

غزالاں تم تو واقف ہو، کہو مجنوں کے مرنے کی
دِوانہ مرگیا آخر کو ویرانے پہ کیا گذری

حضرت خطیب الاسلام کے یہ چند نامور رفقاء اور ہم درس تھے، جن تک ہماری رسائی ہوسکی، ورنہ حضرت کے اور بہت سارے رفقاء ہیں، جنہوں نے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

حضرت خطیب الاسلام کے درسی ساتھی

حضرت خطیب الاسلام کے ہم درس رفقاء کی یوں تو ایک طویل فہرست ہے، جن کی تفصیلات یہاں پر نہیں دی جاسکتی، ہاں البتہ کچھ ہم درس ساتھیوں کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

خطیب الاسلام کے دورہ حدیث کے وہ ساتھی جنہوں نے ۱۳۶۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت حاصل کی۔

(۱) مولانا محمد گل کابلی بن عبداللہ جانی ساکن قراباغ ڈاک خانہ پکار ضلع کابل (افغانستان)

(۲) مولانا محمد حسین کرلائی بن منشی محمد ننھا میاں صاحب، ساکن رام چندر پور ڈاکخانہ سری پور ضلع کرلا

(۳) مولانا محمد مصطفیٰ نواکھالی بن مولانا محمد اسماعیل صاحب، ساکن برھنمی بازار ڈاکخانہ قاضی ہاٹ ضلع نواکھالی

(۴) مولانا مطیع الرحمٰن نواکھالی بن عبدالسبحان صاحب، ساکن کرم اللہ پور ڈاکخانہ راکرھاٹ ضلع نواکھالی

(۵) مولانا محمد اکرم فرغانی بن محمد عطاء صاحب، ساکن قوقند ڈاکخانہ وضلع خاص صوبہ فرغانہ روس ترکستان

(۶) مولانا محمد الیاس لکھنوی بن عبدالجبار صاحب، ساکن موضع رجولی ڈاکخانہ چنہٹ ضلع لکھنؤ
(۷) مولانا محمد اسمٰعیل چاٹگامی بن مخلص الرحمٰن صاحب، ساکن مدارشاہ ڈاکخانہ ہاٹزاری ضلع چاٹگام
(۸) مولانا محمد مطلع الانوار پشاوری بن مولانا عبدالواحد صاحب، ساکن کوٹ ڈاکخانہ چارسرہ ضلع پشاور پاکستان
(۹) مولانا محمد حسن قلدتی بن میر آدم صاحب، ساکن بیدان ڈاکخانہ بابلوغ ضلع قلدت صوبہ قندھار
(۱۰) مولانا محمد یٰسین مرادآبادی بن حافظ عبدالصمد، ساکن سنبھل ڈاکخانہ خاص ضلع مرادآباد
(۱۱) مولانا محمد تمیم مدراسی بن مولانا رحمت اللہ، ساکن نان چارکورل ڈاکخانہ خاص ضلع تنجور مدراس
(۱۲) مولانا محمد ایوب چاٹگامی بن تجومیاں صاحب، ساکن مدارشاہ ڈاکخانہ خاص ضلع چاٹگام
(۱۳) مولانا محمد اسمٰعیل چاٹگامی بن باسامیاں، ساکن پارہ باقبہ ڈاکخانہ خاص ضلع چاٹگام
(۱۴) مولانا محمد بغدادوزیرستان بن حکیم شاہ صاحب، ساکن دتاخیل ضلع وزیرستان
(۱۵) مولانا محمد اعظم میرٹھی بن احمد سعید صاحب، ساکن موضع کورانہ ڈاکخانہ گلاوٹی، ضلع میرٹھ
(۱۶) مولانا محمد قاسم افریقی بن طیب صاحب، ساکن مورنس مارکس افریقہ
(۱۷) مولانا محمد فیاض ہردوئی بن محمد عبداللہ صاحب، ساکن پیانی ڈاکخانہ خاص، ضلع ہردوئی
(۱۸) مولانا محمد عثمان حیدرآباد بن محمد جمال احمد صاحب، ساکن مادھواپور ڈاکخانہ تعلقہ بیونگیر ضلع حیدرآباددکن
(۱۹) مولانا محمد حنیف بستوی بن احسان اللہ صاحب، ساکن آماسیتی، ڈاکخانہ شکردرہ ضلع کوہاٹ، پاکستان
(۲۰) مولانا محمد موسی خان کوہائی بن دلاسہ خان، ساکن گہری ڈاکخانہ شکردرہ ضلع کوہاٹ پاکستان

حضرت خطیب الاسلام کے یہ وہ درسی ساتھی ہیں جن کی ساتھ بیٹھ کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قال قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا درس باکمال وخداترس اساتذہ دارالعلوم دیوبند سے لیا، ان میں سے بیشتر حضرات جوار رحمت باری تعالی میں جگہ پا چکے، ان میں جو مرحومین ہو چکے حق تعالی شانہ ان کی مغفرت فرمائے اور جو بقید حیات ہیں ان کے سائے کو صحت وعافیت کے ساتھ دراز فرمائے، ہماری پوری جماعت دیوبند پر اللہ کا بڑا فضل ہے کہ حضرت خطیب الاسلام اپنی تمامتر نسبتوں کے ساتھ موجود ہیں اوران کی موجودگی پوری جماعت کے لئے باعث خیر وبرکت ہے، حق تعالی شانہ

حضرت کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ راقم الحروف کی ایک خواہش ہے کہ حضرت خطیب الاسلام کے بارے میں جو کچھ میں لکھ رہا ہوں اس کو حضرت کی خدمت میں پیش کردوں تاکہ کسی طرح رطب و یابس اس کتاب میں شامل نہ ہو، چنانچہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ بروز یکشنبہ مطابق ۱۷ستمبر ۲۰۱۷ء میں راقم الحروف عزیزم جناب قاری عبدالرحمان کی معیت میں دیوبند حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے ''سوانح حضرت خطیب الاسلام'' کا تذکرہ حضرت سے کیا، حضرت نے دعاؤں سے نوازا اور فرمایا کہ شائع ہونے سے قبل مجھے ضرور دکھالینا، میں نے عرض کیا کہ ٹائپ ہونے کے بعد سب سے پہلے اس کا مسودہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا، تاکہ قابل اصلاح چیزوں کی نشاندہی فرمادیں۔

درسی ساتھیوں کے نام درج کرنے کی وجہ

کسی کے ذہن میں یہ بھی آسکتا ہے کہ ان کے نام دینے سے کیا فائدہ؟ ان کا تو مکمل تذکرہ ہونا چاہئے تھا، لیکن ان تمام کا مکمل تذکرہ ان کے بارے میں معلومات نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت ممکن نہیں ہے، لیکن عربی کہاوت ہے، مالا یدرک کله لایترک جلُه کی روسے ان کے اسماء گرامی درج کردئے گئے ہیں۔

دراصل میں نے ان کا تذکرہ اس لئے کیا کہ شیخ کا مقام ایک روحانی باپ کا سا ہے اور باپ کے ملنے جلنے والوں اور دوست واحباب کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم حدیث میں آیا ہے، جب میں نے تذکرہ کیا تو ان حضرات کے لئے میرے زبان وقلم سے دعاء خیر ومغفرت خود بخود نکلا، شاید اس طرح اس حدیث پر عمل کرنے کا مجھے اور دیگر احباب کو موقع مل جائے۔

دوسری وجہ یہ کہ حضرت خطیب الاسلام جب ان احباب کے نام دیکھیں گے تو ضرور مسرور ہوں گے جس سے مجھے باطنی فائدے کے ساتھ ساتھ **''ادخال السرور فی قلب المؤمن''** حدیث پر عمل کرنے کی مزید سعادت ملجائے گی۔

تیسری بات کبھی کبھی ہم درس ساتھیوں کا ذکر بھی بہت سی خیر اور معلومات میں اضافہ کا باعث بن جاتا ہے نام کا تذکرہ آنے سے ذہن کے نہا خانے کے دبیز پردے چاک ہوجاتے ہیں اور بہت سے تجربات و واقعات مدت دراز کے بعد یادگاری کا حصہ بن کر سامنے آجاتے ہیں، جو آنے والی

نسلوں کے لئے بہت مفید اور انتہائی کارگر ہوتے ہیں۔

جن علماء کی فہرست میں نے اوپر دی ہے، ان سے اللہ نے اپنے اپنے علاقوں میں بڑے بڑے کام لئے ہیں، ان میں سے ہر ایک اپنی ذات میں خود ایک انجمن تھا۔ بقول اکبرالہٰ آبادی:

ہر گام پہ ہیں چمن ہزاروں
اک ایک میں گل سخن ہزاروں
ہر برگِ گل سخن میں سو رنگ
ہر رنگ میں لاکھ لاکھ نیرنگ
ہر سمت ہزار میکدے ہیں
ہر ایک میں لاکھ خُم بھرے ہیں

حضرت خطیب الاسلام کے چند نامور تلامذہ

حضرت خطیب الاسلام نے دارالعلوم دیوبند میں مفید الطالبین سے لیکر بخاری جلد ثانی تک درس نظامی کی تقریباً ہر کتاب پڑھائی، اوردارالعلوم دیوبند میں تقریباً ۳۳ سال تدریسی خدمات انجام دیں، پھراس کے بعد تاحین وفات مسلسل دارالعلوم وقف دیوبند کی مسند تدریس پر فائز رہے اور ہزاروں لاکھوں تشنگان علوم نبوت کوسیراب کرتے رہے۔اس اعتبار سے دیکھا جائے تو حضرت کے بے شمار تلامذہ دنیا بھر میں موجود ہیں،مگر فی الحال ان تمام کا تذکرہ مقصودنہیں، ہاں البتہ ان میں سے چندمشہور تلامذہ کا تذکرہ کردینا قرین قیاس ہے۔

(۱) قاضی مجاہدالاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ، سابق صدرآل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

حضرت خطیب الاسلام کواپنے جن مایہ ناز تلامذہ پر ناز تھا ان تلامذہ میں سرفہرست نام حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔قاضی صاحب کواللہ رب العزت نے اوصاف حمیدہ اور جامع کمالات کا مظہراتم بنایا تھا،حقیقت یہ ہے کہ آپ جس محفل میں جاتے اس محفل کے نوشہ اور دولہا آپ ہی ہوتے،میرے استاذمحترم حضرت مولانا نورعالم خلیل الامینی دامت برکاتہم العالیہ رقم طراز ہیں:

''ملت کی راہ نمائی کے موضوع پر ہندوستان کے اطراف واکناف میں، بڑے بڑے مجمعوں، خواص کی محفلوں یا علماء کی مجلسوں یا وکلاء کی بزموں، اخبارنویسوں کی کانفرنسوں یا دانش وروں کی انجمنوں ہندوؤں اور مسلمانوں کے ملے جلے جلسوں: فقہی سیمیناروں یا عالمی اجتماعات، مدارس کے جلسوں اور ملت کے دکھ درد کی دواء کی تلاش کی مشاورتی کونسلوں میں، ان کی خوبصورت تقریروں،فکرونظر کے موتیوں کے رولنے کا انداز سامعین کوشیریں سخن سے محظوظ کرنے کا نرالا پن، حاضرین پر جادو کرنے کی طرح،تبسم آمیزکلام) ذہانت ریزسوز وگداز اور ہرمخاطب کواپنی محبت کے منفرد رویے سے، اسیر کرلینے کی ان کی روش،لوگوں کوزندگی بھریاد رہے گی۔''[۱]

---

[۱] پس مرگ زندہ،ص۵۹۱

قاضی صاحب ۱۹۳۶ء میں اپنے وطن جالے ضلع دربھنگہ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم حضرت مولانا عبدالاحد ۱۲۹۸ھ ۱۸۸۰ء-۱۳۶۶ھ ۱۹۴۷ء حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اولین شاگردوں میں تھے، ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والدین سے اور مدرسہ محمود العلوم دملہ ضلع مدھوبنی میں حاصل کی، پھر مدرسہ امدادیہ دربھنگہ اور دارالعلوم مئو میں بھی زیر تعلیم رہے ۱۹۵۱ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، ۱۹۵۵ء میں دورہ حدیث سے فارغ ہوئے، قاضی صاحب اپنی ذہانت وفطانت کی وجہ سے اپنے اساتذہ کے نورنظر رہے۔ فراغت کے بعد جامعہ رحمانی مونگیر میں مدرس مقرر ہوئے۔ یہیں حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی رفاقت ملی، جس سے قاضی صاحب کی فکر کو نیا رخ ملا اور ان کے اندر دینی وملی میدانوں میں خدمت کا مزاج پیدا ہوا۔ مونگیر ہی کے زمانۂ قیام میں قضاء کے سلسلے میں اہم خدمات انجام دیں، گرچہ آپ پر فقہی رنگ غالب تھا اور اسی کو آپ نے اپنی تحقیق کا موضوع بنایا، مگر دیگر علوم میں کامل دسترس حاصل تھی جس موضوع پر بھی گفتگو فرماتے ایسا محسوس ہوتا کہ آپ اسی فن اور اسی موضوع کے متخصص ہیں۔ فتوی نویسی کی خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ چالیس سال تک امارت شرعیہ کے چیف قاضی رہے۔ امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے متعدد اہم علمی وفقہی خدمات انجام دیں۔

آپکی زندگی کا اہم کارنامہ ۱۹۸۹ء میں اولا مرکز البحث العلمی اور پھر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا قیام ہے جو آج ہندوستان کی مایہ ناز علمی وفقہی اکیڈمی اور عظیم تحقیقی مرکز ہے جس کی سرپرستی مستقل حضرت خطیب الاسلام فرماتے رہے۔ اس ادارہ کے ذریعہ آپ نے ہندوستان کے اہل علم حضرات علماء ومفتیان عظام کو دینی وفقہی مسائل پر بحث وتحقیق کے لئے ایک شاندار پلیٹ فارم مہیا کرادیا، ۱۹۹۸ء میں آپ نے پٹنہ میں ''المعهدالعالى للتدريب في القضاء والإفتاء'' کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد ڈالی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے بعد آپ کو ۲۰۰۰ء میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کا صدر بایمائے حضرت خطیب الاسلام نائب سینئر صدر مسلم پرسنل لاء بورڈ منتخب کیا گیا جس پر وہ تاحیات فائز رہے۔

حضرت خطیب الاسلام کو اپنے اس شاگرد پر اتنا ہی ناز تھا کہ جب مسلم پرسنل لاء کی صدارت کے لئے حضرت قاضی صاحب کا نام پیش کیا گیا تو خطیب الاسلام نے ازخود بڑھ کر اپنے لائق شاگرد

کو آگے کر دیا کہ جو صدارت کے فرائض مجھے انجام دینے ہیں الحمدللہ حضرت قاضی صاحب ان سب کو بحسن وخوبی انجام دیں گے۔ بقول خطیب الاسلام:

بڑے وہ ہیں جو عزت اپنے چھوٹوں کی بڑھاتے ہیں
کہ دنیا میں مقام ان کا ہی اعلی ہونے والا ہے

قاضی صاحب کی پوری زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی۔ قاضی صاحب نے سینکڑوں افراد تیار کرنے کے علاوہ متعدد اہم علمی و تصنیفی سرمایہ بھی چھوڑا جس میں آپ کی ادارت میں نکلنے والا سہ ماہی رسالہ ''بحث ونظر'' قابل ذکر ہے جو خالص علمی وفقہی مسائل کی تحقیقات کے لئے شہرت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی دیگر اہم کتابوں میں اسلامی عدالت، مباحث فقیہ، فقہ المشکلات اور مسلم پرسنل لاء کا مسئلہ وغیرہ ہیں، آپ کے خطبات کے متعدد مجموعے بھی شائع ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ نے قاضی عمادالدین اشفورقانی کی کتاب ''صنوان القضاء'' کو تحقیق وتعلیق کے ساتھ چار جلدوں میں شائع کیا۔

حضرت قاضی صاحب نے حضرت خطیب الاسلام سے **حجۃ اللہ البالغہ** سبقاً سبقاً پڑھی، آپ کی وفات ۲۰ رمحرم الحرام ۱۴۲۳ھ ۴/ اپریل ۲۰۰۲ء کو دہلی میں انتقال ہوا اور دربھنگہ میں مدفون ہوئے۔[۱]

قاضی صاحب کے یوں تو بے شمار واقعات ہیں، لیکن سردست میں دو واقعات کا تذکرہ کرنا مناسب سمجھتا ہوں، غالباً ۱۹۹۷ء کا واقعہ ہے کہ سولنکر ہال، دہلی میں ۱۲؍ ربیع الاول کی مناسبت سے حکومت ہند کی طرف سے سیرت النبی کے عنوان سے ایک جلسہ تھا، جس میں اس کے وقت ہندوستانی وزیر اعظم اندر کمار گجرال صاحب بھی موجود تھے، اور بڑے بڑے اصحاب علم تھے، اور اس مؤقر جلسے کی صدارت حضرت قاضی صاحب فرمارہے تھے، سیاسی لوگوں نے، علماء کرام نے اور پھر ملک کے وزیر اعظم اندر کمار گجرال نے تقریر کی، اس کے بعد حضرت صدر محترم کی باری آئی، حالانکہ اس وقت طبیعت خراب تھی اور کینسر کے عارضے میں مبتلا تھے، حضرت نے صدارتی تقریر فرمائی اور اپنے سے پہلے جو مقررین تھے ان تمام کی باتوں کا انتہائی جامع انداز میں خلاصہ فرمایا، اور پھر ایسا عالمانہ تبصرہ فرمایا کہ وزیر اعظم اسٹیج پر بیٹھ کر اور اصحاب دانش بار بار اٹھ کر داد دیتے، اور ھال سے ہر ایک یہی کہتا ہوا نکلا کہ قاضی صاحب ایک عبقری شخصیت کے مالک ہیں اور ان کا کوئی ثانی نہیں۔

[۱] فضلائے دیوبند کی فقہی خدمات-۳۱۴-۳۳۳، ودارالعلوم دیوبند کی جامع ومختصر تاریخ

دوسرا واقعہ بہت اہم ہے، میں نے اپنے والد گرامی قدر اور بھائی جان کے ساتھ ۱۹۹۵ میں حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی[۱] کے جلسہ تعزیت میں شریک تھا، دارالعلوم دیوبند کے مدرسہ ثانویہ میں بعد نماز عشاء تعزیتی جلسے کا انعقاد ہوا، جلسے کی نظامت جناب مولانا ندیم الواجدی صاحب فرما رہے تھے، عربی زبان اور لغت کے ماہرین بھی ملک بھر سے اس میں شرکت کرنے کے لئے آئے تھے، جن میں پروفیسر اجتباء ندوی صاحب مرحوم وغیرہ بھی تھے، اس تعزیتی اجلاس میں اخیر میں حضرت قاضی صاحب کا خطاب ہونا تھا، کیونکہ قاضی مجاہد الاسلام صاحب اور مولانا وحید الزماں کیرانوی دونوں درسی ساتھی تھے، تمام لوگوں کے خطاب کر لینے کے بعد حضرت قاضی صاحب کی باری آئی، اور حضرت قاضی صاحب نے انتہائی نم آنکھوں کے ساتھ حضرت مولانا وحید الزماں کا تذکرہ خیر فرمایا، دوران تقریر حضرت نے فرمایا، بھائی قرآن حدیث وفقہ کی خدمات دارالعلوم دیوبند کے فضلائے گرامی کا ہمیشہ امتیاز رہا ہے، ندوہ والے دنیا بھر میں اس امتیاز کو گاتے رہتے ہیں کہ ہمارے یہاں عربی زبان پڑھائی جاتی ہے، مولانا وحید الزماں نے یہ امتیاز بھی دارالعلوم دیوبند کے

[۱] مولانا وحید الزماں کیرانوی رحمۃ اللہ کیرانہ ضلع مظفر نگر کے ایک علمی خاندان میں ۱۷ رفروری ۱۹۳۰ء کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کیرانہ ہی میں حاصل کی، اس کے بعد تعلیم کے حصول کے لئے حیدرآباد چلے گئے۔ ان کے والد گرامی جناب مولانا مسیح الزماں اور راقم کے دادا مولانا عبدالسلام قاسمی نانوتوی کے درمیان دوستانہ تعلقات کی بنیاد پر دادا کے پاس رہے اور وہاں ایک عرب عالم دین سے عربی سیکھی۔

۱۹۶۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں عربی کے استاذ مقرر ہوئے، عربی زبان کی کتابوں کے علاوہ حدیث کی دو مشہور کتابوں کا درس دیا، دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کو عربی زبان سکھانے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی، اور عربی زبان سکھانے کے لئے ایک انتہائی جامع سلسلہ ''القراءۃ الواضحۃ'' کے نام سے مرتب کیا، جو بے حد مقبول ہوا، اور دنیا بھر کے مدارس ومعاہد اور یونیورسٹیز میں عربی زبان سکھانے کے لئے داخل نصاب ہے، اور عربی زبان سکھانے کے جدید اصولوں سے ہندوستانی مصنفین کی تمام ان کتابوں میں ممتاز ہے جو عربی زبان سکھانے کے لئے لکھی گئیں۔

اردو داں طبقہ کو عربی زبان سکھانے کے لئے اور اس میں آسانیاں پیدا کرنے کے لئے، اسی طرح مترجمین کی آسانی کے پیش نظر انہوں نے کئی عربی ڈکشنریاں تالیف فرمائیں، جن سے برصغیر کا کوئی عالم دین بے نیاز نہیں، اس کے علاوہ بھی آپ کی کئی تصنیفات ہیں۔

دارالعلوم سے نکلنے والے سہ ماہی ''دعوۃ الحق'' پھر پندرہ روزہ ''الداعی'' عربی رسالوں کے ایڈیٹر رہے۔ راقم کو آپ سے عربی زبان سیکھنے کا شرف حاصل ہے۔ ۱۵ راپریل ۱۹۹۵ء کو دہلی میں انتقال ہوا اور پھر مزار قاسمی میں دیوبند میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

نام کر دیا کہ عربی زبان کی نہایت ہمہ گیر خدمات انجام دیں۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ اردو بولنے والا کوئی بھی شخص جو عربی زبان کا طالب علم ہو وہ مولانا وحید الزماں صاحب مرحوم کی تصنیف کردہ ڈکشنریوں سے بے نیاز نہیں، اور اس میدان میں ہندوستان بھر میں نہیں بلکہ برصغیر میں کوئی ان کا ہم پلہ بھی نہیں۔

حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

آپ کے مشہور تلامذہ میں دار العلوم دیوبند کے موجودہ شیخ الحدیث اور صدر المدرسین حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم ہیں۔

حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم العالیہ جو فی الحال دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۰ء میں ہوئی، آپ کا وطن موضع کالیڑہ، نباس کانٹھا (شمالی گجرات) ہے، ابتدائی تعلیم آپ کی گجرات ہی میں ہوئی، ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء میں مظاہر العلوم سہارنپور آ گئے، وسطی تک کی اکثر کتابیں وہیں پڑھیں۔ پھر اعلی تعلیم کے لئے ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۲ء میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ کیا اور ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں آپ نے دورہ حدیث کی تکمیل کی اور امتیازی نمبرات حاصل کئے، فراغت کے بعد ایک سال تک شعبہ افتاء میں زیر تعلیم رہے اور حضرت مفتی محمود احمد نانوتوی (رکن مجلس شوری دار العلوم دیوبند، اعزازی مفتی اور راقم الحروف کے والد کے تائے ابا) کے یہاں معین مفتی کے طور پر فتوی نویسی کی خدمات انجام دیں، تعلیم سے فراغت کے بعد دار العلوم اشرفیہ راندیر میں تدریسی خدمات انجام دیں اور پھر حضرت مولانا منظور احمد نعمانی کی تحریک پر ۱۳۹۳ء میں دار العلوم دیوبند میں تدریس کے لئے آپ کا انتخاب عمل میں آیا، آپ نے درس نظامی کی اکثر کتابیں پڑھیں اور بحسن وخوبی پڑھائیں، دورہ حدیث کے طلبہ کو آپ نے ایک طویل مدت تک ترمذی شریف کا درس دیا جو طلبہ کے درمیان بے انتہا مقبول رہا، راقم الحروف کو بھی ترمذی شریف جلد اول استاذ محترم حضرت مفتی صاحب ہی سے پڑھنے کا شرف حاصل ہے اور خاص طور پر سال کی ابتداء میں تدوین حدیث پر حضرت جس قدر جامع اور بصیرت افروز کلام اور تقریر فرماتے ہیں، راقم الحروف نے آج تک اس جیسی تقریر اس موضوع پر مواد کے اعتبار سے نہ کہیں پڑھی اور نہ کہیں سنی، فجزاہ اللہ خیر الجزاء، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء میں حضرت مولانا نصیر احمد خانصاحب بلند شہری

کی علالت کے بعد آپ کو دارالعلوم دیو بند کے صدرالمدرسین اور شیخ الحدیث کے باوقار عہدہ کے لئے منتخب کیا گیا۔اور الحمدللہ اس باوقار عہدے پر موجود ہیں اور دنیا بھر سے تشنگان علوم نبوت حضرت کے فیضان علم وعمل سے مستفیض ومستفید ہورہے ہیں، اکابر دارالعلوم دیو بند کے طرز تعلیم حدیث کے مطابق پورے عالم اسلام میں ایسا سبق کہیں اور نہیں ہورہا ہے اور اس وقت بجا طور پر حضرت کے لئے ،امیر المومنین في الحدیث کا لقب استعمال کیا جاسکتا ہے۔

آپ کا تصنیف میں تحقیقی ذوق خداداد ہے،جس کی مثال حضرت شاہ ولی اللہ کی معرکۃ الاراء کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی اردو شرح ''رحمۃ اللہ الواسعۃ'' ودیگر کتب ہیں،آپ چھوٹی بڑی تین درجن سے زائد کتابیں تصنیف فرماچکے ہیں اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ کے علوم سے حضرت مفتی صاحب کو خاص مناسبت ہے حق تعالی شانہ حضرت کے سائے عاطفت کو ہمارے سروں پر قائم رکھے اور عمر میں برکت عطافرمائے۔

حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی ،رکن رابطہ عالم اسلامی

حضرت قاری ابوالحسن صاحب نے خطیب الاسلام سے ابن ماجہ شریف پڑھی ہے،حضرت کو خطیب الاسلام سے مزاجاً بڑی ہم آہنگی رہی ،حضرت قاری صاحب کو حق تعالی شانہ نے اپنے اساتذہ کی دعاؤں کی برکت سے بہت نوازا،جس کی واضح مثال حضرت کی مقبولیت اور فن تجوید میں وہ نا قابل فراموش خدمات جلیلہ ہیں جو بہت کم لوگوں کے حصہ میں آئیں۔

حضرت قاری صاحب کا نام ابوالحسن اعظمی ،ابن الشیخ محمد حنیف ابن محمد رجب علی ہے،آپ کا وطن جگدیش پور،ضلع اعظم گڑھ، یوپی ہے۔آپ کی ولادت ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۴ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم جناب قاری عبدالرب صاحب کوہنڈہ،اعظم گڑھ کے پاس ہوئی۔حفظ قرآن مکمل اپنے والدمحترم حافظ شیخ محمد حنیف کے پاس کیا، فارسی سے کافیہ تک کی تعلیم مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڑھ میں حاصل کی وہاں سے دارالعلوم مؤناتھ بھنجن میں داخلہ لیا اور تعلیم حاصل کی ، پھر اس کے بعد دارالعلوم دیوبند اعلیٰ اسلامی تعلیم کے حصول کے لئے تشریف لے آئے،آپ نے جن اساتذہ سے دارالعلوم دیوبند میں استفادہ کیا ان میں سرفہرست ،حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب، حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادی حضرت مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندی،حضرت مفتی

محمود الحسن صاحب گنگوہی، مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندی، حضرت مولانا محمد حسین بہاری، حضرت مولانا معراج الحق صاحب، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی، حضرت مولانا نصیر احمد خانصاحب حضرت، مولانا محمد انظر شاہ صاحب کشمیری، حضرت مولانا نعیم صاحب دیوبندی، حضرت مولانا خورشید عالم صاحب، حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری، حضرت مولانا قمرالدین صاحب گورکھپوری اور حضرت مولانا عبدالخالق مدراسی وغیرہم ہیں۔

مسلسلات حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب اور مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندی سے پڑھی ہے، تجوید وقراءت میں جن سے آپ نے مشق کی ان میں محترم قاری معین الدین صاحب غازی پوری، حضرت مولانا قاری عبدالقیوم صاحب بکھراوی اور حضرت مولانا قاری محمد مصطفیٰ صاحب اعظمی ہیں جن کی محنتوں کا ثمرہ حضرت قاری ابوالحسن صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی شخصیت کی شکل میں ہمارے درمیان بحمداللہ موجود ہے اور جن سے آج تشنگان علوم قرآن مستقل اپنی پیاس بجھا رہے ہیں (أبقاه الله ذخراً للإسلام و المسلمین) اسی طرح قاری عبداللہ سلیم صاحب سے سبعہ عشرہ میں استفادہ کیا۔ الفوائد المعتبرۃ فی القراءات الشاذۃ، ناظمۃ الزہر للشاطبی، ان دونوں قصائد کی تعلیم وتجوید وقوف رسم الخط العثمانی، قراءات سبعہ، ثلاثہ وعشرہ من الطیبہ سے متعلق صدہا مسائل میں امام القراء المقری الکبیر محبّ الدین احمد الہ آبادی کی خدمت میں رجوع وتحقیق کا شرف عظیم حاصل ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے زمانہ تدریس کے تلامذہ کی تعداد ۱۴۰۲ھ سے ۱۴۲۹ھ تک تجوید بروایت حفص عن عاصم عن طریق الشاطبیہ ۴۷۸ ہے اور قراءات سبعہ ۱۴۰۳ھ سے ۱۴۲۷ھ تک ۴۴۴ ہے، اور قراءات سبعہ وثلاثہ وعشرہ من طریق الطیبہ ۱۴۰۳ھ سے ۱۴۲۷ھ تک ۲۲۸ ہے۔

بنگلہ دیش (ڈھاکہ، کپاشیہ) بہ مدت ۲۲ سال، روایت حفص مع الکتب الدراسیۃ اور قصیدہ شاطبیہ پڑھنے والوں کی مجموعی تعداد ۲۵۰۰ ہے۔ حضرت قاری صاحب کی تصانیف کی تعداد سو سے زائد ہے، جن میں زیادہ تر تحقیقی کام ہیں، حضرت قاری صاحب کو خانوادہ قاسمی سے شروع ہی سے طبعی مناسبت اور مزاجاً ہم آہنگی رہی، میرے برادر مکرم ڈاکٹر مولانا محمد اویس صدیقی سے حضرت قاری صاحب کو غیر معمولی تعلق اور بے انتہا شفقت رہی ۱۹۹۳ء میں بھائی جان کا موقوف علیہ کا سال

تھا اور بھائی جان قاری صاحب کے پاس قراءات سبعہ پڑھنا چاہتے تھے، موقوف علیہ کے سال میں کسی گھنٹہ میں پڑھ لینا ممکن نہ تھا تو حضرت قاری صاحب کی شفقت کہ بھائی جان کی وجہ سے قاری صاحب نے خارجی اوقات میں خاص وقت یہ فرما کر دیا کہ ''تمہارے لئے میں اپنے خاص اوقات میں سے بھی وقت نکالنے کے لئے تیار ہوں'' چنانچہ بھائی جان کی وجہ سے فجر کے بعد کا وقت مخصوص فر مایا، پھر تو یہ سلسلہ مستقل جاری رہا راقم الحروف نے دارالعلوم دیو بند میں دوران طالب علمی حضرت قاری صاحب کا معمول دیکھا کہ قدیم مسجد میں حضرت نماز پڑھتے اور فجر اور مغرب کے بعد سیدھے احاطہ مولسری میں درسگاہ میں تشریف لیجاتے اور یہ تدریسی عمل عشاء کی اذان تک جاری رہتا اور فجر کے بعد بھی یہی معمول ہوتا، حق تعالی شانہ حضرت قاری صاحب کو ہم سب کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم کو قدر دانی کی توفیق ارزانی فرمائے، ہم لوگ درحقیقت ناقدرے ہیں، ایسی شخصیت اگر کسی اور مذہب والوں کے پاس ہوتی تو بقول! مولانا عبدالماجد دریابادیؒ ''یہ اگر دوسروں میں ہوتے تو ان کی پرستش ہوتی، یہاں پرسش ہی ہو جائے تو بڑی بات ہے۔''

فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

آپ نے ''جدید فقہی مسائل'' کے ذریعہ علمی وفقہی دنیا میں قدم رکھا اور پھر بہت جلد اپنی خداداد صلاحیتوں متوازن فکر ہمہ جہت علمی سرگرمیوں کے ذریعہ مقبول عام وخاص ہوئے، حضرت مولانا رحمانی حضرت خطیب کے اجل تلامذہ میں سے ہیں اور ان کو بچپن ہی سے حضرت سے خاص انسیت بھی رہی خاص طور پر خانوادۂ قاسمی کے ہر فرد سے حضرت کو ایک خاص لگاؤ رہا ہے۔ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حضرت خطیب العصر کے براہ راست شاگرد ہیں، آپ نے حضرت سے ابن ماجہ شریف پڑھی ہے۔

آپ نے ۱۰ جمادی الاول ۱۳۷۶ھ مطابق نومبر ۱۹۵۶ء میں بہار کے ایک مردم خیز قصبہ جالے (ضلع دربھنگہ) کے ایک معروف علمی ودینی گھرانہ میں آنکھیں کھولیں، تاریخی نام نور خورشید اور اصل نام خالد سیف اللہ رکھا گیا اور اسی نام سے معروف ہوئے، مولانا نے ابتدائی تعلم اپنی دادی، والدہ اور پھوپھا مولانا وجیہ الدین صاحب سے حاصل کی اور مونگیر میں دورہ مکمل کرنے کے بعد مزید اپنی علمی تشنگی بجھانے کے لئے دارالعلوم دیو بند کا رخ کیا، یہ ۱۳۹۵ھ کا زمانہ تھا، دارالعلوم دیو بند سے دورہ

حدیث مکمل کیا، اس دوران جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا ان میں مولانا شریف حسین دیوبندی، مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی، مولانا محمد حسین بہاری، مولانا معراج الحق صاحب مولانا سید انظر شاہ کشمیری، حضرت مفتی نظام الدین، مولانا نسیم اور خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی صاحب سرفہر ست ہیں، دیوبند سے فراغت کے بعد آپ امارت شرعیہ پٹنہ آئے اور افتا کی تربیت حاصل کی اور اس دوران جن کے زیر اثر آپ نے تربیت پائی وہ کوئی اور نہیں آپ کے عم محترم حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی تھے، مولانا کا جو وقت حضرت قاضی صاحب کی تربیت میں گذرا وہ آپ کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، مولانا نے ۱۳۹۸ھ میں اپنے تدریسی سفر کا آغاز کیا، حیدرآباد کی مشہور دینی وعلمی شخصیت مولانا حمید الدین حسامی کی دعوت پر دارالعلوم حیدرآباد تشریف لائے اور ایک سال تک ان کے ادارے میں تدریسی وانتظامی امور میں مصروف ہوئے اور مولانا رضوان القاسمی کے ساتھ ملکر شانہ بشانہ کام کرتے رہے، اس کے بعد طلبہ میں اختصاص پیدا کرنے کے لئے ۱۴۲۰ھ ایک علمی و تربیتی ادارہ ''المعہد العالی الاسلامی'' کے نام سے قائم فرمایا، جس کا مقصد افراد سازی اور طلبہ مدارس میں کسی ایک فن میں اختصاص پیدا کرنا ہے، اس کے علاوہ اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی کے روح رواں بھی آپ ہی ہیں۔

حق تعالی نے مولانا کو تصنیف وتالیف کا بھی اعلیٰ ذوق بخشا، آپ کی متعدد تصانیف منظر عام پر آ چکیں ''جدید فقہی مسائل'' اور دینی وعلمی امور پر آپ کے مقالات سے آئے دن اخبارات اور ملک کے مختلف رسائل میں عوام وخواص استفادہ کرتے رہتے ہیں، مولانا نے اپنا خاص موضوع جدید فقہی مسائل کو بنایا اور خوب خوب داد تحقیق حاصل کی اور جو مقبولیت آپ کی کتاب ''جدید فقہی مسائل'' کو ملی وہ کم کتابوں کو ملی، اسی طرح کتاب الفتاوی چھ جلدوں پر مشتمل آپ کے فتاوی کا مجموعہ ہے جو روزنامہ ''منصف'' حیدرآباد اور دوسرے اخبارات ورسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں، آپ کی کتاب ''جدید فقہی مسائل'' اب پانچ جلدوں میں شائع ہوئی ہے، اس کتاب کا ترجمہ وتلخیص عربی میں ''نوازل فقهية معاصرة کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اس پر مشہور فقیہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی کا مقدمہ ہے۔ اسی طرح قاموس الفقہ آپ کی بلا مبالغہ ایک شاہکار تصنیف ہے یہ اسلامی علوم کا ایک عظیم الشان انسائیکلو پیڈیا ہے، جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے شرعی مسائل کے حل کے علاوہ فقہی اصلاحات، ایمان وکفر سے متعلق اہم مسائل اور موضوعات شامل ہیں مثلا پردہ، جہات وغیرہ کی وضاحت کی گئی

ہے مولانا نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز جن کتابوں سے کیا ان میں علامہ سید سلیمان ندوی کی مشہور کتاب ''رحمت عالم'' بھی ہے اس کتاب کو پڑھانے کے لئے مولانا سیرت ابن ہشام کا مطالعہ کر تے، سیرت ابن ہشام مولانا کو بہت پسند آئی، چنانچہ آپ نے اردو میں اس کی تلخیص فرمائی جو ''مختصر سیرت ابن ہشام'' کے نام سے شائع ہوئی ہے، روز نامہ منصف کے کالم ''شمع فروزاں میں سیرت کے موضوع پر جو تحریریں لکھیں گئی ہیں ان کا مجموعہ ''پیام سیرت عصر حاضر کے پس منظر میں'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی کے انتقال کے بعد مولانا نے بحث ونظر کا خصوصی شمارہ قاضی نمبر مرتب کر کے شائع کیا، یہ تقریباً آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

المعہد العالی کے قیام کے سلسلے میں مولانا کے ذہن میں جو خاکہ تھا اس میں برادران وطن میں دعوت دین کا فریضہ انجام دینے کے لئے افراد کی تربیت وذہن سازی بھی تھا، اس کے علاوہ مولانا کی چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

راہ اعتدال، مروجہ بدعات، مسلم پرسنل لا ایک نظر میں، حقائق اور غلط فہمیاں، عورت اسلام کے سائے میں اور متاع سفر وغیرہ۔ اسی طرح ابھی حال ہی میں مولانا کی تفسیر قرآن بھی منظر عام پر آچکی ہے۔

مولانا کو اللہ نے دیگر بہت سے اوصاف وکمالات سے نوازا ہے ان کی زندگی کے حالات علمی خدمات اور فقہی افکار کو چند صفحات میں سمیٹنا بہت مشکل ہے اس کے لئے دفتر چاہئے۔ حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ نے حضرت کو خرقۂ خلافت بھی عطا فرمایا ہے، اب دار العلوم وقف کی مجلس مشاورت کے اہم رکن ہیں۔ اللہ رب العزت مولانا کی عمر میں برکت عطا فرمائے (آمین)

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی

حضرت خطیب الاسلام کے اجل تلامذہ میں سے ہیں آپ نے حضرت سے ابن ماجہ شریف پڑھی۔ حضرت مفتی صاحب راقم الحروف کے استاذ ہیں، راقم الحروف نے حضرت سے ہدایہ آخرین پڑھی ہے، آپ نے حضرت خطیب الاسلام سے دورہ کے سال میں ابن ماجہ شریف پڑھی، آپ دار العلوم دیوبند کے حدیث کے استاذ ہیں۔ والد کا نام حاجی عظیم الدین ہے، تاؤلی ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ہیں، ۱۳۷۵ھ ۱۹۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دار العلوم حسینیہ تاؤلی میں حاصل کی ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء میں دورۂ حدیث سے فراغت

حاصل کی اگلے سال دارالعلوم میں حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی سے افتاء کی تکمیل فرمائی اور مختلف مدارس میں درجات عربیہ کی تدریس کے بعد ۱۴۰۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں شعبۂ تدریس سے وابستہ ہوئے، تدریس کے ساتھ دارالاقامۃ کی نظامت بھی برسوں آپ سے متعلق رہی فی الحال دارالعلوم دیوبند میں درجہ علیاء کے استاذ ہیں۔ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے اصلاحی تعلق تھا اور خرقہ خلافت سے بھی سرفراز کئے گئے، آپ نے مختلف موضوعات پر چھوٹی بڑی درجنوں کتابیں بھی تصنیف فرمائیں، جن میں سے مقبول شروحات وحواشی بھی شامل ہیں۔[1]

حضرت مولانا مجیب اللہ گونڈوی

آپ نے بھی حضرت خطیب الاسلام سے ابن ماجہ شریف پڑھی، مولانا کو خانوادۂ قاسمی کے علوم خاص طور پر علم کلام سے خاص مناسبت رہی۔ حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب دامت برکاتہم ۱۹۵۲ء میں اپنے گاؤں موضع جوریا ضلع گونڈہ میں پیدا ہوئے عربی کی تعلیم مدرسہ نور العلوم بہرائچ میں حاصل کی اور ۱۹۶۷ء دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۷۳ء میں دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی اور ۱۹۷۴ء میں افتاء کیا، مختلف مدارس میں تدریسی سلسلہ جاری رہا اور ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے لئے تقرر ہوا ۲۰۰۸ء میں درجہ علیاء میں ترقی ہوئی اور ناظم تعلیمات مقرر کیا گیا ۱۴۳۵ھ تک اس منصب پر قائم رہے۔ شرح عقائد کی شرح ''بیان الفوائد'' لکھی جو مقبول ومعروف ہے۔

حضرت مولانا بدرالدین اجمل قاسمی آسامی

آپ نے حضرت خطیب الاسلام سے ابن ماجہ شریف پڑھی ہے، آپ صدر جمعیت علماء آسام، صدر مرکز المعارف، اے آئی یو ڈی ایف پارٹی کے صدر، لوک سبھا کے ممبر اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے رکن ہیں۔ آپ ایک ممتاز عالم دین ہونے کے ساتھ کامیاب صنعت کار، تاجر، سیاست داں اور ایک ممتاز سماجی کارکن بھی ہیں، متعدد اہم مدارس، اسلامی تنظیموں اور اداروں کے سرپرست اور صدر ہیں۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۷۵ء میں فراغت حاصل کی۔ اور ۱۹۸۲ء میں مرکز المعارف کی بنیاد ڈالی جس کے تحت دیگر بہت سے سماجی، تعلیمی اور معاشی ترقیاتی سرگرمیاں انجام پا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور آپ کے فیض کو عالمینی بنائے۔

---

[1] دارالعلوم دیوبند کی جامع ومختصر تاریخ، مولانا محمد اللہ قاسمی شیخ الہند اکیڈمی

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی، حضرت خطیب الاسلام کے تلامذہ میں سے ہیں آپ نے حضرت سے موطا امام محمد پڑھی ہے۔

آپ قصبہ سنبھل ضلع مرادآباد میں ۱۹۵۰ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلم اپنے وطن ہی میں حاصل کی اس کے بعد ۱۹۶۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۲ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔ پھر آپ نے خادم الاسلام ہاپوڑ اور مدرسہ جامع الہدی مرادآباد میں تدریسی خدمات انجام دیں، ۱۹۸۲ء میں آپ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں ہوا، تدریس کے ساتھ انتظامی امور بھی آپ سے متعلق رہے، ۲۰۰۸ء میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کا نائب مہتمم منتخب کیا گیا، آپ کی تصنیفات میں عبدالحمید زندانی الیمنی کی کتاب ''التوحید'' کا اردو ترجمہ، فتاوی عالمگیری کے جز ۱۵ر کتاب الایمان اردو ترجمہ وغیرہ شامل ہے۔ آپ راقم الحروف کے بھی استاذ ہیں، میں نے تکمیل ادب میں حضرت سے دیوان حماسہ پڑھی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کے فیض کو عام وتام فرمائے اور عمر مبارک میں برکت عطا فرمائے۔

حضرت مولانا اسرارالحق قاسمی مدظلہ العالی

حضرت خطیب الاسلام کے تلامذہ میں جن حضرات نے نمایاں خدمات انجام دیں ان میں ایک سرفہرست نام حضرت مولانا اسرارالحق قاسمی دامت برکاتہم کا بھی ہے جن کو نہ صرف نسبت قاسمیت حاصل ہے بلکہ فیوض قاسمیت سے بھی ان کا کشکول خالی نہیں، آپ کا نام ان خوش نصیب افراد میں ایک ہے جن کو بیک وقت قاسمی گھرانے کے ایسے دو افراد سے مستفید ہونے کا موقع ملا جن دو افراد میں سے ایک حکیم الاسلام اور دوسرے خطیب الاسلام تھے، گویا کہ ان دونوں حضرات نے ملکر مولانا قاسمی میں جو روح پھونکی پھر اس روحانیت کو جس نے دوسروں میں منتقل کر کے ان کو کارآمد بنانے کی فکر کی اسی ذات کا نام حضرت مولانا اسرارالحق قاسمی دامت برکاتہم ہے۔

مولانا اسرارالحق قاسمی ۱۹۴۲ء موضع پٹو ضلع کشن گنج بہار میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے مختلف مدارس میں حاصل کرنے کے بعد ۱۹۶۴ء میں ہندوستان کے مشہور دینی ادارہ دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، دوران تعلیم مولانا کا نام ہمیشہ ممتاز طلبا میں سرفہرست رہا۔ فراغت کے بعد آپ خدمت خلق کے جذبہ کے ساتھ ملی وسماجی کاموں میں مشغول ہوگئے اور اپنی

محنت، لگن اور اخلاص کی بدولت جس میدان میں بھی قدم رکھا آگے بڑھتے چلے گئے، ترقی کی ان راہوں میں نسبت قاسمیت کا ہر ہر جگہ اور ہر مقام پر بطور خاص خیال رکھا۔ اور چونکہ اپنے اساتذہ کو مولانا نے انتہائی درجہ مخلص اور خاص طور پر حضرت حکیم الاسلام اور خطیب الاسلام میں غیر معمولی فعالیت دیکھی تھی اس لئے مولانا میں زمانۂ طالب علمی ہی سے فعالیت پیدا ہوگئی تھی، مزاج میں چونکہ فعالیت پیدا ہوگئی تھی اس لئے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے فوراً ہی بعد میدان عمل میں قدم رکھ دیا اور مختلف میدانوں کو اپنا دائرہ کار بنایا۔ ا۔ خدمت خلق، ۲۔ تعلیم، ۳۔ سیاست

مولانا کی اسی فعالیت کو دیکھتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند کے اکابرین نے ۱۹۷۴ء میں انہیں جمعیۃ علماء ہند کا سیکریٹری بنایا، مولانا نے انتہائی محنت اور اخلاص سے جمعیۃ کی طرف سے عائد ہونے والی اپنی تمام ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی نبھایا، چنانچہ ذمہ داران جمعیۃ نے آپ کی محنت اور کارکردگی کو دیکھ کر ۱۹۸۱ء میں مولانا کو جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری کے عہدے پر فائز کردیا۔

پسماندہ علاقوں میں تعلیمی کام کرنے کے لئے مولانا نے انتہائی نامساعد حالات میں ایک ادارہ آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی۔ اس ادارہ نے روز بروز ترقی کی اور اپنے میدان کار کو وسعت دیتا چلا گیا اور مولانا نے ان پسماندہ علاقوں میں کام کرنا شروع کیا جہاں پر تعلیم کی شرح فیصد بالکل نہ کے برابر تھی۔ مولانا کی مستقل محنت کا نتیجہ یہ ہے کہ آج بے شمار طلباء وطالبات مولانا کے اس مشن سے تعلیمی اعتبار سے فیضیاب ہورہے ہیں، چنانچہ کشن گنج میں ملی گرلز اسکول اس کا بیّن ثبوت ہے۔ جہاں تقریباً ۵۰۰ لڑکیاں زیر تعلیم ہیں، اس کے علاوہ ملک کے چار صوبوں جھارکھنڈ، مغربی بنگال، بہار اور یوپی کی غریب وخستہ حال بستیوں میں ۱۶۳ مکاتب قائم ہیں۔ جس میں دس ہزار کے قریب طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں، دس مدرسے ہیں جن میں قیام وطعام کا انتظام ہے، اس کے علاوہ کشن گنج میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شاخ کا قیام ایگریکلچر کالج دو آئی ٹی آئی کالج اور ۶۰ ہائی اسکولوں کا قیام بھی مولانا کی مسلسل جدوجہد کا ثمرہ ہے۔

مولانا اسرار الحق قاسمی نے ملت کی فلاح وبہود اور رہنمائی کے تعلق سے سیاسی سطح پر بھی بڑی اہم خدمات انجام دیں، ملک کے مسلمانوں کی آواز کو پارلیمینٹ میں بلند کرنے کے لئے انہوں نے متعدد بار کشن گنج سے پارلیمانی انتخابات میں بھی حصہ لیا، چنانچہ ۲۰۰۹ء کے عام انتخابات میں کامیابی حاصل کی، ۲۰۱۴ء کے عام انتخابات میں دو لاکھ ووٹوں سے تاریخی کامیابی حاصل کی۔

مولانا انتہائی جرآت کے ساتھ پارلیمنٹ میں ملت کے مسائل کو اٹھاتے ہیں ۲۰۱۲ء میں مولانا نے ہزاروں کے مجمع کے ساتھ مظاہرہ کر کے سیمانچل کے عوام کی تعلیمی ضرورت کو ملکی سطح پر محسوس کروایا اوراس کے نتیجے میں حکومت وقت نے اے ایم یوسینٹر کوکشن گنج میں منظوری دی۔

مولانا نے ملک وملت کی خدمت بذریعہ تحریر وتقریر بھی فرمائی انہوں نے اپنے علم سے ملک و معاشرہ کی رہنمائی کی اورعوام کوخواب گراں سے بیدار کیا، مولانا کا قلم رواں، انداز بیاں سہل اور درد مندانہ ہے، تحریر میں بڑی تاثیر بھی ہے۔

مولانا اسرارالحق قاسمی اپنی تمامتر سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ تصوف سے بھی وابستہ رہے اور فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفرحسین مظاہری رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ ومجاز ہیں ان کی وفات کے بعد آپ نے نمونۂ اسلاف حضرت مولانا قمرالزماں الٰہ آبادی کے ہاتھ پر بیعت فرمائی، مولانا کوان سے بھی اجازت وخلافت حاصل ہے، مولانا قاسمی میں جوخاکساری وانکساری ہے وہ ان ہی پاکباز اہل دل کی صحبتوں کا فیض ہے۔

دارالعلوم میں طالبعلمی کے زمانے میں جن خاص اساتذہ سے تعلق رہا ان میں دیگر اساتذہ کے ساتھ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی اور حضرت خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی کے نام نمایاں ہیں، حضرت حکیم الاسلام سے آپ نے حجۃ اللہ البالغہ پڑھی، جبکہ حضرت مولانا محمد سالم صاحب سے چہارم عربی کے سال قطبی اور میرزاہد پڑھی، بقول حضرت مولانا اسرار قاسمی: ''حضرت خطیب الاسلام کے یہاں نہایت ہی کشادہ ظرفی کا معاملہ تھا، میں ہمیشہ جمعیت سے وابستہ رہا مگر میں جب بھی گیا تو نہایت خلوص سے ملاقات کی، ذاتی طور پر خیروعافیت معلوم کی، دعاؤں سے نوازا اور ہمیشہ اپنے اس تعلق اور رواداری کا اظہار فرمایا جوحضرت ہی کواللہ نے عطا فرمایا تھا۔

بہرحال مولانا قاسمی کی ساخت وپرداخت جن شخصیتوں کے زیرسایہ ہوئی ان کی شخصیت کی گوناں گوں صلاحیتوں اور کردار کا حامل ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں، ان کوتو ایسا ہونا ہی تھا، اللہ رب العزت مولانا قاسمی کو جزائے خیر عطا فرمائے اور دینی، دعوتی اور ملی کاموں میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتوی، رکن مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند

راقم الحروف کے والد گرامی حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتوی دامت برکاتہم کو خاندانی علاقہ اور تعلق کے علاوہ حضرت خطیب الاسلام نوراللہ مرقدہ سے شرف تلمذ بھی حاصل ہے، کہ مولانا نے حضرت سے کئی کتابیں پڑھیں، جن میں شرح العقائدالنسفیۃ اورابن ماجہ شریف وغیرہ کتابیں قابل ذکر ہیں۔ میرے والد گرامی کوابتداء ہی سے حضرت حکیم الاسلام صاحب نوراللہ مرقدہ سے والہانہ اور غایت درجہ تعلق تھا، کہ بچپن میں جب حضرت حکیم الاسلام حیدرآباد جاتے تو راقم کے دادا مولانا عبدالسلام صاحب امام وخطیب مسجد خیرت آباد کے پاس ضرور جاتے ،اورمیرے والدگرامی کو خدمت کا خوب موقعہ ملتا، والدگرامی کا اصلاحی تعلق بھی حضرت خطیب الاسلام ہی سے ہے، کہ والد گرامی نے غالبا ۱۹۹۸ء میں حضرت کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی، اس کے بعداس تعلق میں رشتہ داری اورروحانی تعلق کی وجہ سے اضافہ ہوگیااور مسلسل خدمت اقدس میں حاضری کا معمول رہا۔

سن ۲۰۰۹ء میں حضرت حکیم الاسلام کے حکم پرنانوتہ میں ایک دینی، دعوتی ادارہ ’’جامعۃ الامام محمد قاسم النانوتوی‘‘ کی بنیادرکھی، جس کی مادی ومعنوی ترقی کے لئے حضرت خطیب الاسلام نوراللہ مرقدہ مسلسل کوشاں رہے اور دعائیں کرتے رہے، اور تاحین وفات اس کی خبرگیری اور سرپرستی فرماتے رہے، حضرت خطیب الاسلام ہی کے دست حق پرست سے اس ادارے کی بنیادرکھی گئی، حضرت کی دعاؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ادارے کوبہت جلدمعنوی ومادی ترقیات سے نوازا۔

اسی علاقے اور تعلق کی وجہ سے حضرت خطیب الاسلام مسلسل تشریف لاتے تھے، جس روز حضرت تشریف لاتے تو ہمارے گھر میں ایک عید کا سماں ہوتا، بڑے اور بچے اورتمام اہل خانہ نہایت شاداں رہتے حیات مبارکہ کے آخری سالوں میں جب بھی والد گرامی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے توفرماتے کہ بھائی نانوتہ جانے کوطبیعت چاہ رہی ہے، لیکن گذشتہ ایک سال سے انتہائی ضعف وعلالت کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہوسکا۔

اگست ۲۰۱۴ء میں حضرت خطیب الاسلام نے والد گرامی کو دارالعلوم وقف دیوبند جیسے مؤقر ادارے کی انتہائی مؤقر مجلس مشاورت اورمجلس عاملہ کارکن بنایا، اس وقت سے تاحال ادارے کی مجلس مشاورت اورمجلس عاملہ کے باوقاررکن ہیں۔

اس وقت جامعۃ الامام محمد قاسم کے سر پرست، دارالعلوم وقف دیوبند کی مجلس مشاورت کے رکن اور جامع مسجد نانوتہ کے امام وخطیب ہیں، اور مسلسل علاقے کی دینی، سماجی اور دعوتی ضرورتوں کو پورا کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے سائے کو ہمارے سروں پر دیر تک قائم رکھے، اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ جیسا کہ اس سے قبل اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت خطیب الاسلام مسلسل ۵۶ سال تک دارالعلوم دیوبند اور پھر دارالعلوم وقف دیوبند درس نظامی کی مختلف کتابیں پڑھا چکے ہیں، اس لئے یہ بات بلاخوف تر دید کہی جاسکتی ہے کہ ہندوستان کے ہر کونے میں حضرت کے شاگرد دینی و ملی اور دعوتی خدمات انجام دے رہے ہیں، اور عالم اسلام کے بھی نہ جانے کن کن گوشوں میں حضرت کے شاگرد علوم نبوت تقسیم فرمارہے ہیں، ان تمام کا ذکر یہاں نہیں کیا جاسکتا، البتہ حضرت کے شاگردوں میں سے جو حضرات دینی ودعوتی میدانوں میں نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں، ان سے تعلق رکھنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کی تمام تفصیلات حجۃ الاسلام اکیڈمی، دیوبند کو روانہ کردیں تاکہ پھر کسی آئندہ ایڈیشن میں ان کے اسمائے گرامی اور ان کی علمی، تعلیمی، دینی اور ملی ودعوتی خدمات کا تذکرہ شامل کتاب کیا جاسکے۔

باب سوم

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ:

﴿ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک، فاعف عنهم واستغفرلهم وشاورهم في الأمر، فاذا عزمت فتوکل علی الله. إن الله یحب المتوکلین.﴾

(سورۃ آل عمران: ۱۵۹)

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:

أکمل المؤمنین إیمانا أحسنهم خلقا؟ (رواہ الترمذي)

شعر

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

باب سوم کے مشمولات

حضرت خطیب الاسلام کی خانگی زندگی اور دیگر اہل خانہ

یہ باب انتہائی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس میں حضرت کی ذاتی اور خانگی حالات زندگی کا تذکرہ ہوگا جو انسانی معاشرت کا عظیم باب اور اہم حصہ ہے اور زندگی بھی کسی عام آدمی کی نہیں بلکہ ایک وارثِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے، جس کا ہر گوشہ یقیناً اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی مصداق بن کر آنے والوں کے لئے قابل عمل ہوگا، عام طور پر دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ لوگ باہر والوں کے ساتھ تو انتہائی اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ لوگ ان کے اخلاق کی تعریف کرتے نہیں تھکتے لیکن خانگی زندگی میں وہ انتہائی بدتمیز ہوتے ہیں، عورتوں کے ساتھ بدتمیزی ان کا شیوہ ہوتا ہے، ماں باپ بہن بھائیوں کے ساتھ نہایت بدخلقی سے پیش آتے ہیں، اور حدتو یہ ہے کہ یہ تمام باتیں ان لوگوں میں بھی عام ہیں جو اپنے آپ کو دین کا کام کرنے والا تصور کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں انسان کی صحیح پرکھ جب ہی ہوتی ہے جب اس کا معاملہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے ہوتا ہے، کیونکہ ان ہی سے ہی انسان کو اکثر تکلیف پہنچتی ہے اور عام طور پر وہ کسی بھی فرد کی ذاتی خوبیوں کو جلدی قبول نہیں کرتے۔ خانگی معاشرت کی اسی اہمیت کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کے ساتھ حسن معاشرت کا تاکیدی حکم فرمایا، ارشاد فرمایا: ''**أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَاناً أَحْسَنُهُمْ خُلُقاً، وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ**'' (رواہ الترمذی)

ترجمہ: مومنین میں سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں، اور تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو تم میں اپنی عورتوں کے ساتھ سب سے بہتر ہے۔

پھر قرآن کریم نے بھی مردوں کو خاص طور پر عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کا تاکیدی حکم دیا، ارشاد فرمایا: ﴿**وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ**﴾ (سورۃ النساء:۱۹)

عورتوں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو۔

ایک حدیث میں حسن معاشرت کی تاکید اس طرح فرمائی، ارشاد فرمایا:

''**اِسْتَوْصُوْا بِالنِسَاءِ خَيْراً فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ**'' (متفق علیہ)

میں تمہیں عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کی نصیحت کرتا ہوں تم میری اس نصیحت کو قبول کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ اور پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے، اس لئے یہ مقولہ مشہور ہے کہ عورت کا حسن اس کے ٹیڑھے پن میں ہے۔

ان نصوص کو سامنے رکھتے ہوئے ایک عالم اور وارث نبی کی زندگی ایسی ہونی چاہئے کہ جس کو دیکھ کر دیگر لوگ بھی اپنی زندگیوں کا محاسبہ کریں، اس کی زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چلتی پھرتی عملی تفسیر ہو۔

کیونکہ اعتدال کے ساتھ ہر رشتہ کا درجہ بدرجہ احترام از حد ضروری ہے کہ ایک انسان کا اپنے والدین کے ساتھ الگ رشتہ ہے، بیوی کے ساتھ علیحدہ معاملہ ہے، بچوں کے ساتھ نوعیت مختلف ہے، چونکہ ہر رشتے کی نوعیت اور حیثیت مختلف ہے، اس لئے انسان کا کمال یہ ہے کہ ان تمام رشتوں میں توازن باقی رکھ کر ہر ایک کے جذبات کا احترام ملحوظ رکھے، اسلامی تعلیمات اور دیگر مذاہب کی تعلیمات میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ دیگر مذاہب میں افراط وتفریط ہے، اعتدال ومیانہ روی نہیں، مگر اسلام کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہاں ہر چیز میں اعتدال، موزونیت اور ہر نظام افراط وتفریط سے پاک ملے گا۔

خانوادۂ قاسمی کے افراد کا ایک خصوصی امتیاز یہ بھی رہا کہ یہ حضرات اسلام کی اس بنیادی صفت یعنی وصف اعتدال سے خاص طور پر متصف رہے۔ راقم الحروف نے اپنے خاندان کے بزرگوں سے سنا کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی، حضرت مولانا مظہر نانوتوی اور ان سب کے استاذ حضرت مولانا مملوک العلی رحمہ اللہ ان چاروں بزرگوں میں ایک صفت قدر مشترک تھی کہ یہ حضرات لوگوں سے "**کلموا الناس علی قدر عقولھم، ونزلوا الناس منازلھم**" کے اعتبار سے گفتگو فرماتے اور جب کبھی کسی مجلس میں مختلف ذہنوں کے لوگ موجود ہوتے تو یہ حضرات ایسا جامع کلام فرماتے کہ ہر شخص مجلس سے مطمئن ہو کر اٹھتا۔

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں وہی موزونیت وہی اعتدال اور وہی میانہ روی ملتی ہے، جس کی وجہ سے ان کی زندگی کا کوئی گوشہ تجاوز اور حد اعتدال سے باہر نہیں۔

حضرت خطیب الاسلام کا نکاح

نکاح اللہ کے نبی کی ایک عظیم الشان سنت ہے اور بالغ ہونے کے بعد نکاح میں تعجیل دوسری الگ سنت ہے، بشرطیکہ موانع نکاح میں کوئی مانع موجود نہ ہو، اس لئے اس باب کی ابتداء بھی ایسے ہی عمل سے کروں گا جس سے باقاعدہ خانگی زندگی کی ابتداء ہوئی اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی سنت ہے۔

جیسا کہ باب اول میں گذر چکا کہ حضرت کی فراغت دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۴۷ھ میں ہوئی، جس میں تقسیم ہندوپاک کا ناخوشگوار واقعہ پیش آیا، سالانہ امتحان تک ۱۹۴۸ء شروع ہو چکا تھا، چنانچہ حضرت خطیب الاسلام کے والد محترم حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے سندِ فراغت حاصل کرنے کے فوراً بعد نکاح کر دیا، تاکہ ''نکاح میں تعجیل'' کی سنت پر بھی عمل ہو سکے۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء میں حضرت حکیم الاسلام نے نکاح کی تحریک جناب پیش کار محمد اختر صاحب مرحوم کی صاحبزادی سے کی اور دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے فوراً ہی بعد مارچ ۱۹۴۸ء میں نکاح کر دیا، یہ نکاح خود حضرت حکیم الاسلام ہی نے دارالعلوم دیوبند کی قدیم مسجد میں پڑھایا، جس میں حضرت خطیب الاسلام کے اور دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ ومشائخ نے خصوصی طور سے شرکت فرمائی، مجلس نکاح بعد نماز عصر منعقد ہوئی، جس میں مہمانان رسول یعنی دارالعلوم دیوبند کے طلباء نے بھی شرکت کی ، دسمبر ۱۹۴۸ء میں رخصتی ہوئی اور ولیمہ کی تقریب طیب منزل میں منعقد ہوئی۔

یہ تقریب گاہ موسوم ''بطیّب منزل'' وہی مقام ہے، جہاں مہمانان رسول کے لئے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی اوران کی اہلیہ نے سب سے پہلے خوانِ نعمت بچھایا تھا اور بے یار ومددگار آنے والے مہمانانِ رسول کے لئے یہ گھر اور یہ منزل آماجگاہ اور ٹھکانہ ہوتی تھی، اس منزل کی شان ہی عجیب اور نرالی ہے، بقول حالی:

کچھ گھرانے رہ گئے ہیں جو کہ آتے ہیں نظر
ہند میں اب تکیہ گاہ امت خیرالوری

آج اس مبارک موقع پر طیب منزل میں پھر مخلصین، وارثین نبوت کا ہجوم صد ہا مبارکبادی کے ساتھ جمع تھا، بقول شاعر

خوانِ نعمت پر ہے تیرے مہمانوں کا ہجوم

چونکہ اس نکاح کے اصل محرک حضرت کے والد ماجد حضرت حکیم الاسلامؒ تھے، بظاہر حضرت خطیب الاسلام کے والد نسبتی محترم جناب پیش کار محمد اختر صاحبؒ عالم نہ تھے، مگر حضرت حکیم الاسلام کی نظر انتخاب نے دیکھ لیا تھا کہ یہ دونوں خاندانوں کے لئے انشاءاللہ انتہائی مبارک ومسعود ہوگا اور ہوا بھی ایسا ہیکہ زوجین اس مبارک نکاح کی برکت وسعادت سے تازندگی لطفِ اندوز ہوتے رہے اور یہ رشتہ اپنی برکت وسعادت، الفت ومودت، فکری ومزاجی ہم آہنگی اور رأفت ورحمت کے اعتبار سے مثالی رہا۔

جو اہم بات زوجین مکرمین کی ازدواجی زندگی میں محسوس کی گئی وہ ایک دوسرے کے جذبات کا غایت درجہ احترام تھا، جو اس وقت آج کی ہماری موجودہ نسل میں دن بدن مفقود ہوتا جارہا ہے۔

حضرت کی ازدواجی زندگی قرآن کریم کی آیت ﴿هُنَّ لِباسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (سورہ البقرہ: ۱۸۷) کا بہترین مصداق تھی۔ اس آیت میں ازدواجی زندگی کا نہایت حسین و بلیغ پیرائے میں نقشہ کھینچا ہے۔ کہ جس طرح انسان سے سب سے زیادہ قریب اس کا لباس ہوتا ہے، اسی طرح میاں بیوی بھی ایک دوسرے سے انتہائی قریب ہوتے ہیں بلکہ ہر ایک سے زیادہ قریب ہوتے ہیں، میاں کی زندگی میں بیوی کے آجانے کے بعد سب رشتے پیچھے ہو جاتے ہیں، اور سب سے قریبی رشتہ میاں کے لئے بیوی اور بیوی کے لئے اس کے شوہر کا ہو جاتا ہے، اگر چہ رشتوں میں اعتدال اور توازن برقرار رکھنا بھی ضروری ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے کا لباس کہہ کر یہ بتادیا کہ اب تم ایک دوسرے کے ہر ایک سے زیادہ قریب ہو۔

اس طرح لباس کی دوسری خصوصیت یہ بھی ہے کہ لباس بدن کو چھپاتا ہے، اس لئے میاں بیوی دونوں کو ایک دوسرے کی تمام کمیوں کو چھپانا چاہئے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی ایسا نہیں جس کے اندر کمیاں اور خرابیاں نہ ہوں۔ لباس کے بغیر انسان ننگا ہو جاتا ہے اس لئے میاں بیوی ایک دوسرے کے بغیر ننگے ہوتے ہیں۔ اس لئے دونوں کو ہر دھوپ چھاؤں سے ایک دوسرے کو بچانا چاہئے۔ حضرت خطیب الاسلام اور آپ کی اہلیہ مرحومہ واقعتاً ایک دوسرے کا لباس تھے۔

حضرت کی ازدواجی زندگی اس حدیث مبارک کی صحیح تصویر پیش کرتی تھی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پوری روایت یہ ہے:

عن ابن عَبَّاسٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَى الله عليه وسلم "لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابِيْنَ مِثْلَ النِّكَاحِ" (ابن ماجه، مشكوة، كتاب النكاح)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "تم میاں بیوی سے زیادہ آپس میں محبت کرنے والا کسی کو نہ دیکھو گے۔ حضرت کی حیات مبارکہ میں بے شمار ایسے واقعات موجود ہیں جن سے زوجین کے درمیان ہم آہنگی واضح طور پر نظر آتی ہے، جس کو اہل خانہ اور صاحبزادگان وغیرہ ہی محسوس کر کے بتا سکتے ہیں، چنانچہ حضرت کی صاحبزادی محترمہ عظمیٰ ناہید صاحب اپنے ایک تاثراتی مضمون میں اپنے عظیم المرتبت والد گرامی کے اس پہلو کو اجاگر کرتے

ہوئے رقم طراز ہیں: ''کسی شخصیت کو جاننے کے لئے اس کا اصل پیمانہ اس کی گھریلو زندگی ہوتی ہے، والد صاحب اگرچہ دنیا کے لئے خطیب الاسلام، محدث اور دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم تھے، مگر ان کی شخصیت میں دیگر بہت سے ایسے پہلو نظر آتے ہیں جس کی نظیر نہیں ملتی۔

ازدواجی زندگی کی خوشگواری اور کامیابی کے متعلق مزید اسی مضمون میں لکھتی ہیں:

''والد صاحب کی ازدواجی زندگی انتہائی کامیاب تھی، کیونکہ ہماری والدہ ان کی ہم مزاج بھی تھیں، اور دونوں کے مزاجوں میں غیر معمولی ہم آہنگی بھی تھی، وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے انتہائی موزوں اور ایک مثالی جوڑا تھے، جن کی مثال بھی خاندان میں دی جاتی تھی، ہماری امی نہایت ہی سلیقہ مند خاتون تھیں، گھر کی سجاوٹ کا ان کا خاص موضوع تھا اور کوئی مہمان کسی بھی وقت پہنچے ان کا گھر ہمیشہ سجا ہوا ملتا تھا، گھر کی تعمیر میں ردوبدل ہو یا کسی سجاوٹ کے سامان کی ضرورت امی ان سے ہمیشہ اپنے مخصوص انداز میں مسئلے کو بہت اہم بنا کر پیش کرتی تھیں، بھائی صاحب ہمیشہ پہلے منع فرماتے تھے، اور اخراجات کو کنٹرول کرنے یا تبدیلی کی ملتوی کرنے کی بات کرتے، لیکن امی ہمیشہ ان کو تأمل کرنے میں کامیاب ہوجاتیں اور اگلے ہی دن کام شروع ہوجاتا۔''

چونکہ حضرت کی رفیقۂ حیات کا تذکرہ آگیا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خطیب الاسلام کے ان اشعار کا بھی تذکرہ کردوں جو آپ نے اپنی اہلیہ مرحومہ کی وفات پر کہے تھے جس کا عنوان تھا:

''جذباتِ الم حسرتِ آیات رفیقۂ حیات امت الاکرام نوراللہ مرقدہا'' یہ اشعار حضرت نے ۳ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۱ دسمبر ۲۰۰۹ء بوقت ۸ بجکر ۴۵ منٹ صبح بروز دوشنبہ کہے تھے۔

ان اشعار کے ہر ہر لفظ سے اندازہ ہوگا کہ حضرت کو اپنی رفیقۂ حیات سے زندگی بھر کیسا تعلق رہا اور ان کی جدائیگی پر آپ کے جذباتِ الم کا کیا حال ہوگا۔ اشعار درج ذیل ہیں:

نہیں معلوم تھا فرقت میں دل پہ کیا گذرتی ہے
تمنا دل میں آنے سے جھجکتی ہے لرزتی ہے
نہیں تھی آشنائی میری ان آنکھوں کو اشکوں سے
ان آنکھوں کو اگر اب چین ملتی ہے تو اشکوں سے
میرے اشکوں کے سچے موتیوں کا یہ نیا جھومر

سجے گا خوب یہ سجدوں کے عادی تیرے ماتھے پر
عطا کرتی تھی ٹھنڈک تیری صورت خوش نگاہی کو
تیری سیرت تھی درس عاجزی ہر کج کلا ہی کو
تمنا تھی کہ برزخ میں تجھے لبیک میں کہتا
جدائی کے کڑے لمحے نہ اس دنیا میں میں سہتا
یہ تیرے واسطے تیری لحد گلزار جنت ہے
تیرا مرقد مگر میرے لئے ایوان حسرت ہے
میں تجھ سے تھا مقدم عالم دنیا کی بستی میں
مگر عجلت سے نوحہ تو نے چھیڑا ساز ہستی میں
فدا کاری میں تو نے زندگی ساری بتائی ہے
دمِ آخر وفا کی آخری اک رہنمائی ہے
تیرے اخلاق کی ہر ہر ادا میں اک تجلی تھی
تکلم سے دل بے چین کو ہر دم تسلی تھی
محبت سے تیری دنیا میں منزل آشنا میں تھا
سفینہ تو تھی اس کی اور اس کا ناخدا میں تھا
سفینہ اپنے بحر عشق میں ایسا رہا جاری
تصور بھی نہ تھا چلنے سے ہوجائے گا یہ عاری
یہ بحر عشق اپنا معدنِ لؤلؤ ولالہ تھا
کہاں سے لاؤں وہ موتی کہ جن کو تونے چاہا تھا
تو وہ سورج تھی نور آگیں تھی جس سے زندگی اپنی
خبر کیا تھی شب تاریک ہوجائے گی باقی زندگی اپنی
نگاہیں ڈھونڈتی ہیں گمشدہ رخشندگی اپنی
نہ تھا یہ وہم ہوگی زندگی شرمندگی اپنی
وہ تیری ذات تھی جس نے الم نا آشنا رکھا

تیری فرقت نے مجھ کو تو کہیں کا بھی نہیں رکھا
تیری قرآن خوانی توشئہ عرفان بنتی تھی
صلوٰۃ و صلوم تیری دعوت عرفان بنتی تھی
احادیث نبی پڑھنے کا تجھ کو شوق و افر تھا
درودوں کے بکثرت ذوق پر دل تیرا شاکر تھا
مسافر ہوں مگر ایسا کہ منزل ہی نہیں میری
زباں تو ہے مگر وہ ترجماں دل کی نہیں میری
تیری شیریں زباں تھی جو سراپا گوش کرتی تھی
مروت سے تو گردو پیش کو باہوش رکھتی تھی
تھی وابستہ تجھی سے زندگی رخشندگی اپنی
اور اب تو بن گئی ہے زندگی شرمندگی اپنی
تبسم بھی تکلم بھی امینِ راہِ الفت تھے
بالفاظ دیگر کہئے یہ معراجِ محبت تھے
بتوفیقِ الٰہی صبر پر سر خم نہ ہوجاتا
تو تیرے غم کا طوفاں کشتئ ہستی ڈبو جاتا
غموں سے پُر ہے اپنی زندگی تیری جدائی سے
خوشی ہے مغفرت کی جو ملی تجھ کو خدائی سے
گئی دربار حق میں تو بہت ہی سرخ رو ہو کر
یہاں ہم بھی ہیں لیکن اشک خوں سے سرخ رو ہو کر
تیری رفعت کا اندازہ نہ تھا اپنے گمانوں میں
تصور بھی نہ تھا مسکن ترا ہوگا خیالوں میں
الم زدگی ملی سلمان و سفیان کی آنکھوں کو
ذرا سن عاصم و عدنان کی ان سرد آہوں کو
یہ کیوں اسماء و عظمیٰ رو رہی ہیں دل گرفتہ سی

مسلط کیوں ہے ان پر یاد ایام گذشتہ کی
یہ آہیں نار سا ہو کر بھی وابستہ یقیں سے ہے
حیات سروری ہے جو بنی ایمان و دیں سے ہے
معیت وہ رہی دنیا میں اپنی جو مثالی تھی
جدائی کے کسی ادنیٰ تصور تک سے خالی تھی
تیری خاموشیاں غماز ہیں جس کامرانی کی
سنادی وہ خبر ہائے سب کو شادمانی کی

یہ تھا الم نامہ حسرت و جذبات الم جو حضرت خطیب الاسلام کے قلم سے بر وفات رفیقۂ حیات نکلے۔ اس مرثیہ کے حرف حرف سے جدائیگی پر جہاں درد وکرب والم ٹپکتا ہے وہیں زندگی کے ان خوشگوار لمحات کی بھی غماز ہے جو رفیقۂ حیات کے ساتھ گذرے، وقت الم میں جب ان خوشگوار لمحات کی یادگاری ہوئی تو خطیب الاسلام نے ان جذبات کو الفاظ کا جامہ پہنا کر یہ نظم تحریر فرمائی۔ یہاں ایک بات کا ذکر کرتا چلوں کہ حضرت کی اہلیہ محترمہ نور اللہ مرقدہا کو میری نانی مرحومہ سے انتہائی درجہ کا ربط تھا، اور اپنے دل کی ساری باتیں ان سے بے تکلف کر لیتی تھیں، اسی خاص ربط وعلاقہ کی وجہ سے میری والدہ محترمہ کے نکاح کے وقت عمومی رواج کے مطابق ساتھ والی بھی بن کر گئی تھیں، میری والدہ سے انتہائی شفقت کا معاملہ فرماتی تھیں، اور میری امی بھی ان سے اپنے دل کی بات کہہ لیتی تھیں، اس علاقہ وربط کی وجہ سے ہم لوگ بھی جب حاضر ہوتے تو حالات دریافت فرماتی تھیں، اور ہماری تعلیم کے لئے فکرمند رہتیں، تعلیم کے سلسلے میں ایسے مشورے بھی دے دیتی تھیں کہ بہت سے ماہرین تعلیم کو بھی وہ باتیں نہیں معلوم ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ان کی کروٹ کروٹ مغفرت فرمائے۔

شروع ہی سے حضرت خطیب الاسلام کی زندگی قابل رشک رہی، میں نے اپنے خاندان میں بہت سے لوگوں کو کہتا ہوا سنا کہ: ایسی صاف وشفاف ازدواجی زندگی بہت ہی کم لوگوں کو میسر آتی ہے جیسی کہ حضرت خطیب الاسلام کو میسر ہے اس میں بھی گھریلو زندگی بالکل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا عکس تھی، سیرت کے مطابق گھریلو زندگی گذارنے کے یہ ثمرات وبرکات ہوئے کہ حضرت کی خانگی زندگی میں جو قرار وسکون مسلسل دیکھا گیا بہت کم خوش نصیبوں کو وہ قرار وسکون میسر آتا ہے۔ ہر شخص اور گھر کا ہر فرد اس خوش گوار ماحول کو محسوس کرتا اور اس سے مسلسل مستفید ہوتا رہا۔

حضرت کا اپنی اہلیہ مرحومہ کی ساتھ تعامل ہمیشہ ایسا رہا جو ایک حقیقی وارث نبی کا رہنا چاہئے، یعنی ایسا نہیں کہ اوروں کے لئے تو بہت اچھا اور اپنے گھر والوں اور بیوی بچوں کے حق میں انتہائی ناروا سلوک، نہ ان کے جذبات کا احترام، نہ ان کی شخصیت کا خیال اور عجیب بات ہے کہ عام طور پر یہ دیکھا گیا نہ مردوں کو عورتوں کے جذبات کا احترام اور نہ عورتوں کو یہ تمیز کے وہ ان کے جذبات کا احترام کریں، حضرت کے یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ جس طرح حضرت کو اپنی اہلیہ محترمہ کے جذبات کا احترام تھا، اسی طرح حضرت کی اہلیہ کو بھی اپنے شوہر کے جذبات اور ان کے آرام کا انتہائی درجہ خیال تھا، حضرت کی اہلیہ فرماتی تھیں کہ ''عورت کو چاہئے کہ وہ اپنے شوہر کا چھوٹی چھوٹی باتوں میں خیال رکھے، اس کے تئیں اپنے اندر راحت رسانی کا جذبہ رکھے اور اس کی ضرورت کو دیگر اہل خانہ کی ضروریات پر مقدم رکھے، یہ کامیاب زندگی کا ضامن ہے۔''

کیونکہ اس تہذیب نو نے میاں بیوی کے تقدس بھرے رشتے کو پامال کر دیا، نہ میاں کو یہ تمیز کہ نبی کریم ﷺ نے ازواج مطہرات کے ساتھ احترام کا برتاؤ کیا اور نہ بیوی کو یہ پتا کہ میرے شوہر کے مجھ پر کیا حقوق ہیں، اب اللہ اور رسول کے بعد میری جنت اسی کے پاس، وہ راضی تو جنت وہ ناراض تو جہنم آج کے میاں بیوی کے حالات کا صحیح نقشہ اکبر الہ آبادی نے کھینچا ہے:

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں
شرم ان کو نہیں آتی حجاب ان کو نہیں آتا

حضرت کی اپنی اہلیہ محترمہ کی ساتھ اکسٹھ برس رفاقت رہی، اس طویل عرصہ میں بقول حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی کبھی مجھے یاد نہیں کہ امی اور بھائی صاحب کے درمیان کسی مسئلے پر نوک جھونک سنی ہو، زوجین کے لئے اس سے بڑی اور کیا شہادت ہوسکتی ہے کہ اس کی اولاد جس کی عمر ساٹھ سال کے قریب ہو رہی ہو وہ یہ شہادت دے کہ میں نے کبھی زندگی میں اپنے والدین میں نوک جھونک نہیں دیکھی، آج کی نسل نو کے لئے اس عظیم کردار میں ایک عظیم پیغام پنہاں ہے، جب کہ حالات اس طرح کے ہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر طلاقیں ہونا ایک عام بات ہوگئی۔ راقم الحروف کو حضرت کی گھریلو زندگی کو بہت قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا، میں آپ کی گھریلو زندگی کو دیکھ کر بلا تأمل یہ لکھ رہا ہوں کہ حضرت اس حدیث کے مصداق تھے ''**خیر کم خیر کم لأهله**'' حضرت نے اپنی گھریلو اور خانگی زندگی میں اپنی خیریت کو اپنے عمل اور کردار سے ثابت کر کے دکھایا۔

بہر حال حضرت کا یہ خلیقانہ مزاج، نرم گفتاری، شفقت ومحبت، شگفتہ مزاجی، پھر علمی وعملی ہر طرح کی اپنے اقران پر بالا دستی اوران تمام چیزوں کے بعد حضرت کا اپنے گھر والوں اور خاص طور پر اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ تعامل اوران کے جذبات کا احترام یہ وہ امتیازات ہیں جوحق شانہ نے حضرت نور اللہ مرقدہ کوودیعت فرمائے۔

حضرت کا اپنی اہلیہ مرحومہ کے ساتھ کیا تعامل ہوگا اس کا اندازہ اس تحریر سے ہوتا ہے جو حضرت نے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے والوں کے لئے حیات طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سامنے رکھ کر لکھی ہے اور ہر نئے جوڑے کو یہ پیغام دیا کہ ازدواجی زندگی اوراس کی خوشیوں کا راز نبوی رہنمائی میں ہی مستور ہے اوراس سلسلے میں اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھ کر ہی افراط وتفریط سے بچا جاسکتا ہے، (یہ تحریر حضرت خطیب الاسلام نے اپنے حفید مکرم جناب محمد صہیب قاسمی سلمہ اللہ تعالی کے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے موقع پر لکھی تھی)

اسرار سرورِ زندگی

یہ عنوان ہے اس کے تحت حضرت لکھتے ہیں:

(۱) نبوی رہنمائی میں ہی اسرار سرور حیات مستور ہیں جس کا اولین نکتہ ہدایت جملہ امور حیات میں افراط وتفریط سے اجتناب اوراعتدال کا انتخاب ہے۔

(۲) نکاح کی عباداتی برقراری قدرتِ فیاض نے ایک دوسرے کے حقوق واجبہ کی ادائیگی پر مبنی خانگی مصارف کو دیانت وامانت کے ساتھ حسن تدبیر سے استعمال کرنا بیوی کی سلیقہ مندی کا اہم فریضہ ہے۔

(۳) شوہر کے لئے بیوی کی خانگی اوقات عمل میں اور بیوی کے لئے شوہر کے اوقاتِ عمل میں ہر ممکن سہولت مہیا کرنا حسنِ ارتباط کا وقیع ذریعہ ہے۔

انہیں حقیر سمجھ کر بجھانہ دینا صہیب
یہ ہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی[1]

دعا گو
محمد سالم قاسمی

[1] حضرت نے یہ تحریر جناب صہیب قاسمی سلمہ کے نکاح سے کچھ روز قبل لکھی جن کا نکاح ۲۱ نومبر ۲۰۰۹ء بروز ہفتہ کو ہوا۔

والدین سے ربط وتعلق اوران کی خدمت

کسی بھی انسان کی شخصیت کا اندازہ اس سے لگایا جاتا ہے کہ اس میں موزونیت ہے یا نہیں، اعتدال پسندی ہے کہ نہیں اور کس قدر افراط وتفریط سے پاک ہے، جتنا جتنا انسانی شخصیت اعتدال و موزونیت لئے ہوئے ہوگی اورافراط وتفریط سے پاک ہوگی اُسی قدر اس کی شخصیت کا قد بلند و بالا ہوتا چلا جائے گا۔

حضرت خطیب الاسلام کواس سلسلے میں کمال کا اعتدال حق سے عطا ہوا ہے کہ ان کو ہمیشہ درجہ بدرجہ رشتوں کے تقدس کا بڑا خیال رہا، ایسا نہیں کہ ایک رشتہ کے ساتھ تعلق نوازی میں دوسرے رشتہ کو نظر انداز کر دیا ہو، جس میں عام طور پر لوگ مبتلا ہیں، ماں باپ کے رشتہ کو نبھائیں گے تو اولاد و بیوی کو نظر انداز کر دیں گے اور اولاد و بیوی کی طرف متوجہ ہوں گے تو ماں باپ اور بہن بھائیوں کو نظر انداز کر دیں گے اور آج کل تو یہ وبا اور بیماری بہت عام ہوگئی ہے اور اکثر و بیشتر لوگ اِس حدیث کا مصداق بن گئے جس میں فرمایا گیا کہ ''اَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ وعَقَّ أُمَّهُ وَاَدْنٰى صَدِيْقَهُ وَاَقْصىٰ أَبَاهُ. (ترمذی شریف)

کہ لوگ زن مرید بن جائیں گے اوران کے کہنے پر اپنی ماؤں کوٹکا سا جواب پکڑائیں گے اور ماں منہ بند اور آنکھیں کھلیں اس نافرمانی کو دیکھے گی۔ اس حدیث کے سیاق وسباق اوراشارۃ النص سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ماحول اس قدر خراب ہوگا اور مال اور عورتوں کا شر اس قدر غالب ہوگا کہ مرد اپنی بیویوں کے اشارہ پر ناچیں گے اور ماں باپ کی نافرمانی کریں گے۔ حضرت خطیب الاسلام اپنی ذات میں اعتدال و موزونیت کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے، بقول حضرت مولانا محمد سفیان صاحب:

''میں نے رشتوں کی حساسیت میں درجہ بدرجہ جس قدر شعور بھائی صاحب میں دیکھا بہت کم لوگوں کو اُتنا حساس اور باشعور پایا۔''[1]

''والدین کے ساتھ انتہائی تابعداری اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کا خیال رکھنا، والد محترم کے اسی طرح معمول میں داخل تھا جس طرح نماز فرض کی ادائیگی اور کبھی میں نے بھائی صاحب کو اپنی

---

[1] اس کتاب کے لکھنے کے دوران راقم الحروف کی حاضری ''طیب منزل'' میں حضرت مولانا محمد سفیان صاحب کی خدمت میں ہوئی اس دوران یہ تجزیہ ''رشتوں کی حساسیت'' کا سنایا۔

دادی اماں کے کام سے متخلف نہیں پایا اور نہ ہی حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کوئی کوتاہی دیکھی، اکثر و بیشتر بھائی صاحب حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر میں رہتے، ساؤتھ افریقہ، انگلینڈ، برما، پاکستان اور دیگر بہت سے اسفار ملکی وغیر ملکی اپنے والد کے ساتھ ہوئے۔'' ان اسفار میں حضرت خطیب الاسلام کو اپنے والد کو بہت قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا اوران کی خدمت کا موقع میسر آیا اور بقول حضرت خطیب الاسلام کہ ''والد صاحب کے ساتھ سفر میں بہت کچھ سیکھنے کو ملا، سفر ایک ایسی چیز ہے جس سے ہمسفر کے ایک دوسرے پر جوہر آشکارا ہوجاتے ہیں اور ایک دوسرے کی ظاہری و باطنی صلاحیتوں کو پہچاننے کا موقع ملتا ہے، ان اسفار کے دوران والد گرامی قدر سے خوب استفادہ کا موقع ملا اور حضرت خطیب الاسلام نے بھی موقع کو غنیمت سمجھ کر مکمل حق خدمت ادا کرنے کی کوشش کی، اللہ کے فضل سے حضرت خطیب الاسلام کو اپنے والدین کی خدمت کا موقع ملا، جس کے نتیجہ میں حضرت اس مثل کا مصداق بنے''ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد''

آج حضرت کی ہمہ گیر شخصیت کو مختلف زاویہ نگاہ سے دیکھنے والے کو بالآخر یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ حضرت خطیب الاسلام اپنے والدین کے سامنے تا زندگی ایسے مطیع وفرمانبردار بنے رہے جس کو حدیث میں ''الولدالبّار''،مطیع وفرمانبرداراولاد کہا گیا۔

حضرت نے تازندگی اپنی نرم کلامی ونرم مزاجی کا عملی ثبوت پیش فرمایا، جب آپ والدین سے مخاطب ہوتے تو نہایت نرمی کے ساتھ اوران کی طرف عظمت ومحبت کی نگاہوں سے دیکھتے، جیسا کہ حدیث مبارک میں اس کا حکم فرمایا گیا ہے۔

''عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما اَنّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَامِنْ وَلَدٍ بَارٍّ يَنْظُرُ اِلَـى وَالِدَيْهِ نَظْرَةَ رَحْمَةٍ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَبْرُوْرَةً وَاِنْ نَظَرَ كُلَّ يومٍ مِائَةَ مَرَّةٍ قَالَ نَعَمْ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَاَطْيَبُ ''(مشکوۃ ج۲ص۴۲۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ جوکوئی نیک اوردیندار شخص اپنے والدین کی طرف رحمت بھری نگاہ ڈالے گا تو رب کریم اس کو ایک مقبول حج کا ثواب عطا فرمائیں گے، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا اگر کوئی شخص ایک

دن میں سو مرتبہ اپنے والدین کو محبت کے ساتھ دیکھے گا تو اس کو بھی ہر ہر نگاہ پر حج مبرور کا ثواب ملے گا؟

آپ نے فرمایا: ”اللہ اکبر و اطیب“ ہاں ہاں تمہارا رب اس سے بھی زیادہ عطا کرنے پر قادر ہے، اس کے لئے یہ کیا بڑی بات ہے۔“

یہی وجوہات ہیں جن کے سبب حضرت خطیب الاسلام کو اپنے والدین کی دعاؤں کا وافر حصہ نصیب ہوا اور دونوں جہاں کی سعادتیں میسر آئیں، بقول حضرت خطیب الاسلام:

”مجھے یاد نہیں ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں دانستہ اپنے والدین کی نافرمانی کی ہو۔“[1]

حضرت سالم میں جو خوبیاں پیدا ہوئیں
قوم کی نظریں جوان کے طرز کی شیدا ہوئیں
یہ حق آگاہی یہ خوش گوئی یہ ذوق معرفت
یہ طریق راستی خود دارئِ بے تمکنت
اس کی شاہد ہیں کہ ان کے والدین ابرار تھے
باخدا تھے اہل دل تھے صاحب اسرار تھے
جلوہ گر انمیں انہیں کا ہے یہ فیض تربیت
ہے ثمر اس باغ کا یہ طبع عالی منزلت[2]

صاحبزادگان کے ساتھ حسن سلوک

حق تعالیٰ شانہ نے تمام والدین پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں ذرا سی بھی کوتاہی نہ کریں، ورنہ قیامت کے روز ان سے باز پرس ہوگی ارشاد نبوی ہے

”کُلُکُمْ رَاعٍ وکُلُکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہِ، اَلرَّجل رَاعٍ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعَیَّتِہِ وَالْمَرْأَۃُ فِیْ بَیْتِھَا رَاعِیَۃٌ وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ عَنْ رَعِیَّتِھَا وَالْاِمَامُ رَاعٍ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہِ وان اللّٰہَ سَائِلُ کُلَّ رَاعٍ فَمَا اسْتَرْعاہ اِیَّاہُ.

[1] حضرت نے ایک مجلس میں اطاعت والدین پر گفتگو کرتے ہوئے راقم الحروف سے فرمایا تھا۔
[2] یہ اشعار اکبر آلہ آبادی کے ہیں اس میں سب سے پہلے مصرع میں لفظ ”سالم“ کو بدلا گیا، باقی مصرعے اسی طرح ہیں۔

تم میں سے ہر ایک شخص نگہبان و ذمہ دار ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے گا، مرد نگہبان ہے اور اس سے اس کے ماتحت لوگوں کی بابت سوال کیا جائے گا اور اسی طرح عورت وہ بھی ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی نگہبانی اور ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا اور امام بھی ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی نگہبانی اور اس کے متعلق لوگوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور اللہ تعالی ضرور بالضرور ہر نگہبان سے اس کی نگہبانی کے بارے میں سوال فرمائیں گے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا: **''اُکْرِمُوْا اَوْلَادَکُمْ'' وأحسنوا أدبهم''**

(سنن ابن ماجۃ (کتاب الأدب))

اپنی اولاد کا حقیقی اور سچا اکرام یہ ہے ان کی جسمانی ودنیوی نشو ونما کے ساتھ ساتھ ان کی اصلاحی، اخلاقی، عملی اور دینی تربیت کا بھی اہتمام وانتظام کیا جائے، ماں باپ تربیت اولاد کی ایسی فکر کریں، جیسی حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی امت کی کیا کرتے ہیں۔ تربیت کے باب میں یہ باتیں راقم الحروف نے حضرت ہی کی مختلف مجالس میں سنیں اور سیکھیں ہیں۔

مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے دینی تعلیمی کونسل کے ایک اجلاس میں بڑی اہم بات ارشاد فرمائی تھی

''بچوں کا چھوٹی عمر میں مرجانا اس سے بہتر ہے کہ بچے صحیح تعلیم وتربیت سے محروم رہ کر بڑے ہوں اور خود بھی دوزخ کا ایندھن بنیں اور والدین کے لئے بھی دوزخ میں جانے کا ذریعہ بنیں۔''[۱]

حضرت خطیب الاسلام کے یہاں حلم اور نرمی جیسی صفات کا چونکہ غلبہ رہا تو کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ حلم ونرمی تربیت اولاد میں مخل بن گئی، کیونکہ حلم کے معنی نرمی کے نہیں، بلکہ بردباری کے ہیں جس کا مطلب یہ ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کسی کے ساتھ بھی تعامل میں خاص کر اہل خانہ اور ابنائے کرام کے ساتھ جلد بازی اور طیش میں آ کر فیصلے نہیں فرماتے تھے، بلکہ نہایت دانش مندی کے ساتھ اصلاحی پہلوؤں کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ اور حضرت خطیب الاسلام کے نزدیک تربیت اولاد میں خلل ناقابل برداشت بات تھی۔ البتہ تربیت کرتے تھے حلم کے ساتھ، ایک جگہ عظمیٰ ناہید صاحبہ لکھتی ہیں:

[۱] گلدستہ احادیث، ج سوم ص ۱۶۴، مفتی محمد شفیق بڑودوی

''وہ ایک جید عالم تھے اوران کا اپنا ایک مقام تھا، لیکن نئی نسل کی چھوٹی موٹی خواہشات کا احترام کرتے تھےاوران کی ہمت افزائی بھی فرماتے تھے۔''

امام راغب اصفہانی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ خلیفہ منصور نے بنوامیہ کے ارباب علم و دانش (طبقۂ علماء) کوقید سے رہا کرتے وقت دریافت کیا کہ تمہارے لئے جیل میں سب سے زیادہ نا قابل برداشت چیز کیا تھی؟ سب نے بالاتفاق جواب میں یہ بات کہی کہ ''خلیفہ نے ہم کو یکا یک قید کردیا اوراتنی مہلت بھی نہ دی کہ ہم اپنے بچوں کی صحیح تعلیم وتربیت کے لئے کسی لائق استاد کا انتخاب اور انتظام کرسکیں، اتنے عرصے میں ہمارے بچے تعلیم وتربیت سے محروم رہے یہ تکلیف ہمارے لئے نا قابل برداشت تھی، رہی وہ تکلیفیں جو ہم نے قید خانے میں جھیلیں وہ ہمارے لئے کچھ زیادہ قابل التفات نہیں، اس لئے کہ ہم تو قید خانہ سے باہر ہوتے ہوئے اس سے بھی زیادہ جفاکشی کے عادی ہیں''۔[۱]

بہر حال حضرت کی نرمی وشفقت یا مزاج میں حلم و بردباری کبھی بھی اولاد کی تعلیم وتربیت میں حارج نہیں ہوئی، بقول حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی ''اولاد کے ساتھ شفقت بھی تھی اور رعب بھی تھا، سختی نہیں تھی، تعلیم میں کوتاہی پر اوراسی طرح بداخلاقی پر اظہار ناراضگی فرماتے، طلباء اور اپنے فرزندان کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں آخری درجہ کی حساسیت دیکھی۔''

تعلیم وتربیت کے باب میں غایت درجہ حلم کے ساتھ یہ حساسیت، فکرمندی اور مسلسل جدوجہد اتباع سنت کا ایک عملی نمونہ تھا، کہ حضور ﷺ نے نسل نو کی اسلامی تربیت کے سلسلے میں جو ہدایات عطا فرمائیں اور بذات خود ان کا نمونہ پیش فرمایا وہ ایک وارث نبی کو اس سلسلے میں انتہائی حساس بناتی ہیں کیونکہ بعد میں یہی نسل نو امت کے مسائل کی ذمہ دار بنتی ہے، اسی لئے حقیقی وارثین انبیاء تربیت و اصلاح کے باب میں نہایت حساس اور فکرمند ہوتے ہیں۔ اولاد کی اصلاح وتربیت کی ایسی اہمیت و حساسیت کو اکبرالٰہ آبادی مرحوم نے اپنے خوبصورت اشعار کے ذریعہ واضح فرمایا۔

بیٹے کو لوگ کہتے ہیں آنکھوں کا نور ہے
ہے زندگی کا لطف تو دل کا سرور ہے
گھر میں اسی کے دم سے ہے ہر سمت روشنی

[۱] تربیت اولاد، ص ۱۵۹۔

نازاں ہے اس پہ باپ تو ماں کو غرور ہے
خوش قسمتی کی اس کو نشانی سمجھتے ہیں
کہتے ہیں یہ خدا کے کرم کا ظہور ہے
اکؔبر بھی اس خیال سے کرتا ہے اتفاق
اس کا بھی ہے یہ قول کہ ایسا ضرور ہے
البتہ شرط یہ ہے کہ بیٹا ہو ہو نہار
مائل ہو نیکیوں پہ برائی سے دور ہو
سنتا ہو دل لگا کے بزرگوں کی پند کو
وقتِ کلام لب پہ جناب و حضور ہو
برتاؤ اس کا صدق و محبت سے ہو بھرا
اس میں نہ ہو فریب نہ کچھ مکرو زور ہو
افکار والدین میں ہو دل سے وہ شریک
ہمدرد ہو معین ہو اہل شعور ہو
رکھتا ہو خاندان کی عزت کا وہ خیال
نیکوں کا دوست صحبت بد سے نفور ہو
کسبِ کمال کی ہو شب و روز اس کو دُھن
علم و ہُنر کے شوق کا دل میں وفور ہو
لیکن ان صفات کا جو مطلق نہیں پتا
اور پھر بھی ہے خوشی تو خوشی کا قصور ہے

ایک مجلس میں راقم الحروف نے حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی سے دریافت کیا کہ حضرت اپنے گھر میں بچوں میں کسی کو خلاف شریعت کام میں ملوث دیکھتے تو حضرت کا اس وقت کیا طرز عمل ہوتا؟ فرمایا کہ:

’’بھائی صاحب کا طرز عمل اس وقت دیگر لوگوں سے مختلف ہوتا آپ ڈانٹ ڈپٹ، ٹوکنے اور لعن طعن کرنے کے بجائے خاموش اظہار ناراضگی فرماتے اور گھر میں دوران گفتگو ایسے جملے

بولتے جن سے اظہار بیزاری و ناراضگی کے ساتھ ساتھ خلاف شریعت کام میں ملوث شخص کی اصلاح بھی ہوجاتی اور احساس ندامت بھی پیدا ہوجاتا، دوسرا کام بھائی صاحب ایسے موقع پر یہ کرتے کہ سیرت ﷺ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اپنے اسلاف کے واقعات خاص کرا کابر دارالعلوم کے دلچسپ واقعات، یا دوران سفر پیش آنے والے واقعات حسب ضرورت بغرض اصلاح سناتے، جن کے دوررس اثرات مرتب ہوتے۔ پھران واقعات میں بھی ایسا حسن انتخاب کہ تیر بہدف کام کرتے، میں نے کسی کو اس قدر بلیغ پیرائے میں منکر پر نکیر کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔''

ابنائے کرام و احفاد اور دیگر اولاد کے درجے میں آنے والے افراد کی اصلاح کے باب میں حضرت مولانا سفیان صاحب کے حضرت خطیب الاسلام کے بارے میں یہ تاثراتی عظیم الشان جملے باب تربیت و اصلاح میں ہزار ہا صفحات پر بھاری ہیں کہ اصلاح و تربیت کے باب میں سب سے زیادہ مضر اثرات برملا اپنے چھوٹوں کو ٹوکنے اور لعن طعن کرنے کے ہوتے ہیں اور بچوں کی ذہنی نشو ونما رک جاتی ہے، یہ بات حضور ﷺ کے طریقہ تربیت و اصلاح کے خلاف ہے، کیونکہ حضور ﷺ کا طریقہ تربیت رحمت و رافت اور حلم ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی واقعہ نامرضیہ پیش آئے تو اس وقت ایک دم ردعمل کرنے کے بجائے، سوچ سمجھ کر اور انتہائی دانش مندی کے ساتھ ردعمل کرنا چاہئے، یہ عمل اگرچہ مشکل ہے، لیکن اس کے بے انتہا خوبصورت اور دیرپا اثرات ظاہر ہوتے ہیں اور چھوٹوں کو مربی کی ذات پر اعتماد ہوتا ہے۔ دراصل طیش اور تہور حلم کے متضاد ایک انسانی مذموم صفت ہے۔ اس کے برخلاف جس شخص میں حلم پایا جاتا ہے اس کو ترقی کرنے اور آگے بڑھنے سے کوئی نہیں روک سکتا، اور دیکھنے والے اور حضرت کے ساتھ جن کے معاملات ہوئے وہ سب یہ جانتے ہیں کہ حلم کی صفت حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت کی علامت بن چکی تھی کہ حضرت کا سراپا ذہن میں آتے ہی علم، معلمیت اور حلم کا تصور ذہن میں ابھرتا تھا اور چہرے پر نظر پڑتے ہی اطمینان اور راحت کا احساس ہوتا۔ حضرت کا یہ بھی خصوصی وصف تھا کہ وہ اپنے چھوٹوں کی بھی رائے کا اہتمام فرماتے تھے، اور کسی بھی معاملے میں ان کو دلیل سے قانع کرنے کی کوشش کرتے۔

بہرحال غیر شرعی امور پر اس طرح نکیر فرماتے کہ اظہار ناراضگی بھی ہوجاتی اور اس کی اصلاح بھی ہوجاتی۔

صاحبزادیوں کے ساتھ حسن معاشرت

حضرت خطیب الاسلام کا اپنی صاحبزادیوں کے ساتھ انتہائی مشفقانہ برتاؤ رہتا، اپنی صاحبزادیوں سے بعض اہم امور میں مشورے کرنا، ان کو مجلسوں میں شریک کرنا اور ان مجالس کے ذریعہ ان کی تربیت کرنا، ان کو اسلاف کے واقعات سنا کر باعزم بنانا، ان کے الجھنے اور ذہنی انتشار کے وقت ان کے جذبات کی آبیاری کرنا، تاکہ کسی طرح کے ذہنی تناؤ کا شکار نہ ہونے پائیں، ان کی معمولی معمولی ضروریات کا خود خیال رکھنا، ان کی گفتگو کو متانت، وقار، سنجیدگی اور نرمی سے سننا، مزید برآں واقعاتی تناظر میں ان کی اسلامی تربیت اور ان سب سے بڑھ کر نرم کلامی ونرمی گفتار کا خوگر بنانا بقول حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی مدظلہ العالی:

''بھائی صاحب کی زندگی آیت شریفہ ﴿فَبِمَا رَحمَة مِنَ اللّٰه لنت لهم﴾ (سورۂ آل عمران: ۱۵۹) کی گویا عملی تفسیر تھی، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہم سب بہن بھائیوں میں اور بھائی صاحب میں کبھی کوئی خلاء اور ایسی دوری نہیں ہوئی کہ ہم اپنی جائز بات بھی اپنے بھائی صاحب سے نہ کہہ سکیں اور بحمداللہ کبھی احترام وادب میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔

زبان کی حفاظت کے سلسلے میں بھائی صاحب خاص طور پر تاکید فرماتے۔ حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی کے اس قول پر کہ ''بھائی صاحب زبان کی حفاظت کے تعلق سے خاص طور پر تاکید فرماتے، مجھے دو شعر یاد آرہے ہیں جن میں ایک شعر حضرت امام شافعی کا ہے اور دوسرا شعر شاعر مشرق علامہ اقبال کا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِحْفَظْ لِسَانک أیُّهَا الاِنْسَانُ

لَایَلْدَ غَنَّکَ انَّهُ ثُعْبَانُ[1]

اے انسان! زبان کی حفاظت کر، یہ تجھے ڈس نہ لے کیونکہ یہ ایک اژدھا ہے۔

اور علامہ اقبال فرماتے ہیں:

---

[1] دیوان امام شافعیؒ۔

پاک رکھ اپنی زبان تلمیذِ رحمانی ہے تو
ہو نہ جائے دیکھنا تیری صدا بے آبرو[1]

انہوں نے ایک بات خاص طور پر مزید بتائی کہ جس طرح بھائی صاحب بیٹیوں کے حقوق کے تعلق سے خود خیال رکھتے اسی طرح ہم سب بھائیوں کو خاص طور پر تاکید فرماتے کہ ''اپنی بہنوں کا بہت خیال رکھا کرو۔''

یہ جملہ مختصر ہے مگر انتہائی اہم اور جامع ہونے کے ساتھ ساتھ سبق آموز بھی ہے، خاص طور پر ہمارے ہندوستانی معاشرہ میں یہ اس لئے اہم ہے کہ ہمیں بیٹیوں کے حقوق کا پتا ہی نہیں اور چونکہ حقوق بنات کا علم نہیں اس لئے ہم ان کے حقوق کو ادا کرنے میں نہ صرف کوتاہ ہیں بلکہ ظلم پر تُلے ہوئے ہیں۔

حضرت خطیب الاسلام بچیوں کی تعلیم کے سلسلے میں بہت متحمس تھے، بقول متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ: ''بھائی میاں''[2] بچیوں کی تعلیم کے سلسلے میں بہت غیور اور بہت کوشاں رہتے ہیں اور اس کے لئے ابتدائی مرحلے میں بھائی میاں نے ''جامعہ دینیات اردو دیوبند'' جیسے عظیم ادارہ کا قیام فرمایا، جس میں جدید ترین مراسلاتی تعلیمی طریقے پر غریب گھرانوں اور پردہ نشین لڑکیوں کی دینی تعلیم کے زبردست مسئلے کو آسان اور انتہائی کم خرچ بنا کر پوری کامیابی سے حل کر دیا۔[3] حضرت کی اس عظیم تعلیمی کاوش کی طرف عظمیٰ ناہید صاحبہ نے بھی اپنے مضمون میں لکھا ہے، وہ لکھتی ہیں:

> ''خود انہوں نے ۱۹۶۶ء میں جامعہ دینیات کے نام سے مراسلتی کورس کے لئے ایک دینی تعلیمی نصاب تیار کیا، جس کے تحت ہندوستان بھر میں امتحانات کے مراکز قائم کئے گئے، اور ہزاروں بچوں اور بچیوں نے اس سے دینی تعلیم حاصل کی، یہی نہیں اس نصاب کو ہندوستان کی کئی یونیورسٹیز میں رجسٹر کرانا ان کا بڑا کارنامہ تھا۔''

---

[1] کلیات اقبال۔

[2] ''بھائی میاں'' حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد سالم قاسمی کو کہتے تھے۔

[3] راقم الحروف اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ حضرت متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی کی خدمت میں حاضر ہوا، تو دوران گفتگو بچیوں کی تعلیم کا تذکرہ ہوا حضرت خطیب الاسلام کے اس کارنامہ کا تذکرہ مندرجہ بالا الفاظ میں فرمایا۔

جہاں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ لڑکیوں کی تعلیم میں کس قدر غیور واقع ہوئے تھے اور اس کے لئے عملی اقدام بھی فرمایا تھا، وہیں آپ کی بصیرت افروز نگاہ نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ قوم کو اگر تعلیم یافتہ بنانا ہے اور اس کو ترقی سے ہمکنار کرنا ہے تو قوم کی بیٹیوں کو جہالت کے اندھیرے سے نکال کر ان کو تعلیم کی حقیقت اور اس کے فوائد سے روشناس کرانا ہوگا، تب جا کر بعد میں پوری قوم کو جہالت کے اندھیروں سے نکالا جاسکتا ہے، اس کے لئے حضرت نے ادارۂ دینیات دیوبند قائم فرما کر دانشوران قوم وملت کو یہ پیغام دیا تھا کہ خواتین اسلام بھی اپنی اقدار وقیم کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ دینی تعلیم گھر بیٹھے حاصل کرسکتی ہیں، جو اپنے آپ میں ایک نہایت انقلابی قدم تھا، جس کے بعد میں بڑے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے، حضرت مستقل مسلمانوں کو جگہ جگہ جا کر اس پر ابھارتے کہ ایسے اداروں کا قیام عمل میں لاؤ جس میں نظام تعلیم آپ کا اپنا ہو اور اس نظام سے مستفید ہونے کی سب کو اجازت ہو۔ بغیر کسی مذہب وملت کی قید کے۔

حضرت خطیب الاسلام اپنی ایک علمی مجلس میں خواتین کی تعلیم کے متعلق فرماتے ہیں:

''گذشتہ دوصدیوں سے زیادہ کی طویل مدت میں مسلم معاشرے میں برپا یہ المناک صورتحال کسی دلیل کی محتاج نظر نہیں آتی، کہ امت مسلمہ کا نصف یعنی عورتوں و نہ صرف ہر قسم کی تعلیم سے محروم رکھا گیا، بلکہ تعلیم سے عورتوں میں فقدان حیا کے اخلاق سے گرے ہوئے، موہوم اور لایعنی احتمالات کو زبردستی کے بے معنی دلائل سے مدلل بھی کیا جاتا رہا ہے، حتی کہ مسلم معاشرے کی اکثریت ان ہی گھرانوں پر مشتمل تھی کہ جہاں عورتیں ''قرآن کریم'' تک پڑھی ہوئی نہیں ہوتی تھیں، اور اگر نماز کی وجہ سے چند سورتیں انہیں یاد کرادی گئیں تو اس کو گھرانے کی ترقی پسندی کے طور پر ذکر کیا جاتا تھا، سادہ لوح خواتین میں تو علم وتعلیم کا احساس بھی اس قدر مردہ ہو چکا تھا کہ انہیں اپنی جہالت پر قناعت میسر آ گئی تھی۔ لیکن فطری طور پر ذکاوت وذہانت کے ساتھ علم کا شوق رکھنے والی لڑکیاں بزرگان خاندان کی نگاہوں سے چھپ چھپ کر آگے کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ لیتی تھیں تو اپنی اسی شدھ بدھ کو بڑھانے کے لئے معمولی کتابوں کا حاصل کرنا بھی جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا تھا۔ اس طویل دور میں مسلم معاشرے میں عورتوں کو جہالت زدہ رکھنا کوئی اتفاقی بے توجہی کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ عورت کو عائلی زندگی میں ایک ایسی حقیر اور خادمانہ حیثیت میں رکھنے مزطوے کے تحت تھا کہ وہ کسی بھی مسئلے میں اپنی رائے کے ذریعے

دراندازی کی ہر صلاحیت سے محروم رہ کر گھر کے مقررہ خادمانہ فرائض میں زندگی گذار کر دنیا سے رخصت ہوجائے۔"[۱]

مذکورہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ خواتین کی تعلیم وتربیت کے باب میں کس قدر فکرمند اور حساس تھے، اور عورتوں کو جاہل رکھنے کے مذموم عمل کو ایک جاہلانہ سوچ کی افتاد بتلا رہے ہیں۔

یہ آپ کی تربیت ہی ہے کہ آپ کی صاحبزادیاں مستقل تعلیمی نظام سے وابستہ رہ کر خواتین میں تعلیمی بیداری کا عظیم کارنامہ انجام دے رہی ہیں۔

حضرت کی فیض صحبت اور تربیت کا اثر دونوں صاحبزادیوں کے خود اپنے تعامل میں واضح ہے کہ دونوں انتہائی خوش مذاق اور سلیقہ مند، مختصر ترین جملوں میں اپنے مافی الضمیر کو اداء کرنے کی صلاحیت، بوقتِ مصیبت ہراساں وپریشان نہ ہونا، فصیح وبلیغ زباں شیریں گفتار، نرم مزاج، حلیم الطبع، بردبار اور مخیّر ورحم دل واقع ہوئی ہے۔

ایک اور جگہ عظمیٰ ناہید صاحبہ اپنے والد گرامی کی ایک بہت خوبصورت خصوصیت کی طرف اشارہ فرماتی ہوئی رقم کناں ہیں:

"بھائی صاحب روایات کے پابند تھے، لیکن صرف ان روایات کے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہوں، ان کے مزاج میں صلابت تھی لیکن اس کا اظہار اس وقت ہوتا جب کوئی ملی مسئلہ درپیش ہو، ورنہ وہ اپنی صلابت کے باوجود نہ تو کسی کا دل دکھاتے تھے اور نہ بے جا سختی کر کے دوسروں کو زحمت میں ڈالتے تھے۔"

مولانا سفیان صاحب فرماتے ہیں:

"بیٹیوں کے حقوق کو اکثر ہمارے سامنے ناصحانہ کلمات وواقعات کے طور پر بیان فرماتے، یہ حقوق کا بیان اس لئے تھا کہ ہماری تربیت ہوجائے اور ہم لوگ اپنے اوپر عائد ہونے والے فریضہ "یعنی حقوق خواہران" سے تغافل نہ برتیں۔ جو ہمارے معاشرہ کا ایک عظیم گناہ ہے۔"

---

[۱] مجالس خطیب الاسلام

برادران اور دیگر عزیز واقارب کے ساتھ حسن تعامل

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح اپنے اہل خانہ کے ساتھ اتباع نبوی میں حسن معاشرت کوملحوظ رکھا، اسی طرح قریب دور دور کی عزیز داریوں اور رشتہ داریوں کونبھانے اوران کے ساتھ حسن سلوک میں اتباع سنت کوملحوظ خاطر رکھا۔

چنانچہ اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ انتہائی شفقت وصلہ رحمی اوران کے جذبات کے احترام کا ملحوظ خاطر رہنا آپ کی عادت تھی، یہی وجہ تھی کہ چھوٹے بہن بھائی آپ کے نام کوتسلی گاہ وجائے پناہ سمجھتے تھے، سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث میں بیان فرمایا کہ جوشخص صلہ رحمی کرے گا اس کے لئے تین قسم کی بشارتوں کا اعلان ہے (۱) خاندان میں اس کی محبت عام ہوتی ہے (۲) اس کے مال میں ترقی اور برکت ہوتی ہے (۳) اس کی عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔

حدیث میں بیان کردہ صلہ رحمی کے تینوں فوائد وثمرات کا مشاہدہ حضرت کی زندگی میں دیکھا گیا، آپ کے مال میں برکت، خاندان میں آپ سے قلبی محبت بلکہ یہ محبت مقبولیت کی حدتک دیکھی گئی اور بحمداللہ عمر میں برکت بھی ملی۔

یہ تو اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ صلہ رحمی اور شفقت ومحبت کا معاملہ تھا، دور دور کی عزیز داریوں کو بذات خود حضرت خطیب الاسلام نبھاتے اور یہ نبھانا کسی ذاتی اغراض کی خاطر ہرگزنہیں تھا،

اس جگہ ایک واقعہ کا تذکرہ کرتا چلوں کہ جب راقم الحروف نے حضرت خطیب الاسلام کے حکم پر اپنے خاندان کا شجرہ بعنوان ''شجرۂ خاندان صدیقی نانوتہ'' مرتب کیا تو ''علم انساب اوراس کا پس منظر'' کے عنوان سے بطور تمہید ایک مختصر مضمون لکھا، اس مضمون میں ایک واقعہ ابوداؤدالطیالسی کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نقل کیا ہے، وہ واقعہ یہ ہے کہ

''حَدَّثَنَا اسحَاقَ بنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنِيُ أبِيُ قَالَ: كُنتُ عِندَ ابنِ عَبَّاس رضى الله عنهما فَأتَاهُ رَجُلٌ فَسَأَلَهُ مَنُ أَنُتَ؟ قَالَ: فَمُتَّ لَهُ بِرَحِمٍ بَعِيُدَةٍ فَألَانَ لَهُ الْقَوُلَ، وَقَالَ: قالَ رَسُوُلُ اللهِ صَلَى الله وَعَليه وسلم: اِعُرِفُوا أَنُسَابَكُمُ تَصِلُوُا اَرُحَامَكُمُ فَانَّهُ لَا قُرُبَ بِالرَّحِمِ اذَا قُطِعَتُ وَانُ كَانَتُ قريبةً، وَلَابُعُدَ لِهَا اِذَا وَصَلَتُ وانُ كَانَتُ بَعِيُدَةً''(رواہ ابوداؤدالطیالسی)

''اسحاق بن سعید کہتے ہیں کہ میرے والد سعید نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہوانہوں نے آپ سے اپنی دور پرے کی رشتہ داری بتائی، تو حضرت ابن عباسؓ نے ان سے مزید نرمی کے ساتھ گفتگوفرمائی، اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک حدیث کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل فرمایا کہ:

''اپنے نسبوں کو پہچانو اور صلہ رحمی کرو، اس لئے کہ اگر قطع رحمی کی جائے تو پھر کسی طرح کا قرب اور تعلق باقی نہیں رہتا اگر چہ رشتہ داری کتنی ہی قریبی کیوں نہ ہواور جب صلہ رحمی کی جاتی ہے تو کسی بھی رشتہ داری میں کوئی دوری نہیں رہتی چاہے رشتہ داری دور پرے ہی کی کیوں نہ ہو۔''

حضرت رحمۃ اللہ نے اس واقعے کو پڑھا اور اس عاجز سے بار بار فرمایا: ''حضرت عبداللہ بن عباس کا یہ مبارک عمل قرآن وحدیث کے کس قدر موافق ہے، سبحان اللہ۔''

اس جملے سے معلوم ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مزاجا کس قدر رشتہ داریوں کو جوڑنے کے لئے متحمس تھے، کیونکہ انسان کس چیز کو پڑھنے یا دیکھنے کے بعد اس کی اس چیز کو سراہتا ہے جو اس کو پسند آئی ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ہم نے اپنے آشیانے کے لئے
جو چبھے دل میں وہی تنکے لئے

حضرت سے راقم الحروف کی عزیز داری والدہ کی طرف سے ہے، والدہ کی نانی اماں جن کا نام امت الرحیم تھا اور آپا بڑی کے نام سے مشہور تھیں رامپور منیہاران کی رئیس زادی اور محل کی بیٹی تھیں یہ اور حضرت خطیب الاسلام کی والدہ محترمہ سگی تائے اور چچا زاد بہنیں تھیں، انہوں نے اس رشتہ کو تازندگی ایسا نبھایا کہ بہنیں بھی شاید اس انداز سے نہ نبھا سکیں، پھر بعد میں اس رشتہ داری کو ان کی اولاد حضرت خطیب الاسلام کے خانوادہ نے راقم الحروف کی نانی اماں سے اسی طرح برقرار رکھا۔

حضرت خطیب الاسلام نے ایک مجلس میں مجھ سے فرمایا کہ صلہ رحمی کرنا بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح کہ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج فرض ہے، پھر ترمذی شریف کی یہ حدیث سنائی:

'' عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلم'' ''اِنَ اللّٰهَ أَمَرَنِيْ بِمُدَا رَاةِ النَّاسِ كَمَا أَمَرَنِيْ بِاِقَامَةِ الْفَرَائِضِ'' (الترمذی)

کہ اللہ نے مجھے لوگوں کے ساتھ رکھ رکھاؤ کا اسی طرح حکم دیا ہے جس طرح کہ مجھے فرائض کے قائم کرنے کا حکم فرمایا۔

رکھ رکھاؤ اور ''مداراۃ الناس'' پر اس رکھ رکھاؤ میں اعلیٰ ظرف اور وسعت ظرف کا حال یہ ہے کہ سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی اپنے معیار کو اخلاقی اعتبار سے اس قدر بلند رکھا کہ برا کہنے والوں کی گردنیں ان کی بلندئ فکر، وسعت اخلاق، اعلیٰ ظرفی اور حلم کی وجہ سے ان کے سامنے جھکی ہوئی نظر آتی ہیں۔

جب صلہ رحمی کی بات آتی ہے اور حضرت کی شخصیت کو دیکھتے ہیں، تو آپ کی ذات اسوۂ حسنہ کی عملی تصویر نظر آتی ہے، انسان بدعملی، شکوک وشبہات، معاشرتی کرب، معاشی تنگی، قرابت میں دوری، وراثت میں حق تلفی، دوستی واخوت کا فقدان، روابط وتجارت میں بگاڑ، تعلیم وتربیت میں فساد کا شکار جب ہی ہوتا ہے جب وہ اپنے اصل محور یعنی قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے صرف نظر کرتا ہے، پھر اس کے نتیجہ میں اس کی ذات طرح طرح کے سوالات، اعتراضات، شبہات اور مزید تلبیسات کا محور بن جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت فرماتے ہیں کہ ''تمام مراحل حیات میں اطمینان بخش زندگی کا حصول اتباع سنت میں مضمر ہے۔'' قرابت داری کو نبھانے کے تعلق سے مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا، میں اور بھائی جان ابھی کچھ روز قبل علیگڑھ حاضر ہوا، اسی موقعہ سے حضرت خطیب الاسلام کی ہمشیرہ زادی محترمہ جناب شہناز کنول صاحبہ کے آفس میں حاضری ہوئی، تو انہوں نے ہمیں حضرت کی خانگی زندگی سے متعلق بہت اہم باتیں بتلائیں، اور یہ بھی بتلایا کہ اگر ملاقات ہوئے کافی دن ہوجاتے، تو خود فون آجاتا، اور سلام کرنے کے بعد فرماتے کہ علیگڑھ میں ہماری ایک بھانجی رہتی ہے، ہمیں اس سے بات کرنی ہے، (یعنی اس طرح میرے ساتھ مدارات فرماتے) میں کہتی کہ ماموں صاحب میں بات کر رہی ہوں، تو فرماتے بیٹے بہت روز سے تم آئیں نہیں میں کہتی ماموں صاحب بتلائیں کہ میں کب آؤں، فرماتے بس جلدی آجاؤ، میں کہتی ابھی آجاؤں، فرماتے بیٹا ابھی آجاؤ، علیگڑھ جب بھی تشریف لاتے، والدہ کے پاس، باوجود مصروفیت کے ضرور آتے۔ اور جب میں دیوبند حاضری دیتی تو انتہائی خوشی کا اظہار فرماتے۔

حضرت کی اہل خانہ کو کچھ مخصوص نصیحتیں

حضرت خطیب الاسلام نے اپنے اہل خانہ کو کچھ مخصوص نصیحتیں فرمائیں تھیں، جن پر عمل کے لئے تمام اہل خانہ کو خاص تاکید فرماتے اوران کی خلاف ورزی پر اپنے مخصوص لب ولہجہ سے اظہار ناراضگی بھی فرماتے۔

(۱) پابندئ اوقات کا حکم

پابندئ اوقات کا خود بہت لحاظ فرماتے اور گھر والوں کو بھی اس پر مواظبت کرنے کی خاص تاکید فرماتے، صاحبزادی محترمہ عظمیٰ صاحبہ نے یہ بھی لکھا ہے:

'ان کی زندگی میں وقت کی پابندی کی بڑی اہمیت تھی، اگر کسی سے کسی خاص وقت میں ملنے کا وعدہ کر لیتے یا کہیں جانا ہے،تو اس میں ذرا سی دیر بھی انہیں انتہائی ناگوار گذرتی تھی۔''

اس سلسلے میں حضرت کے بے شمار واقعات ہیں، جو حضرت کے تلامذہ نے دوران سفر راقم الحروف کو سنائے، ان ہی واقعات میں سے ایک واقعہ کا تذکرہ کرتا چلوں، حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ میں بھائی صاحب کے ساتھ دہلی سے دیوبند آرہا تھا کچھ اورلوگ بھی ہمارے ساتھ تھے، جب گاڑی مظفرنگر سے گذر رہی تھی تو میں نے برسبیل استدعا بھائی صاحب سے کہا کہ مجھے پانچ منٹ کا مظفرنگر میں کام ہے، میں فوری طور پر پانچ منٹ میں اپنا کام کر کے ابھی آتا ہوں، بھائی صاحب نے مجھے اجازت دیدی وہاں مجھے پانچ منٹ سے کچھ زائد وقت لگ گیا، میں جو واپس آیا تو بھائی صاحب اور دیگر لوگ دیوبند کے لئے روانہ ہو چکے تھے، حالانکہ مجھے اپنے وقت مقررہ سے پانچ منٹ زائد ہی ہوئے تھے گاڑی جا چکی تھی، میں مظفرنگر سے بذریعہ بس واپس ہوا تو اظہار بیزاری کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''یہ زندگی کے پانچ منٹ بڑی اہمیت کے حامل ہیں، قیامت کے روز ان لمحات کا حساب دینا ہوگا، قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَايَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ﴾ (سورة الفاطر: ۳۷)

مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم نے یہ واقعہ سنا کر فرمایا کہ'' بھائی صاحب نے

مواظبت اور محافظت اوقات پر ہماری تربیت فرمائی۔“

انہوں نے ایک بات مزید بتائی کہ بھائی صاحب سے اگر کوئی یہ کہتا کہ حضرت! میں ابھی پانچ دس منٹ میں آ رہا ہوں تو اس سے فرماتے ایک وقت بتاؤ، پانچ یا دس، کیونکہ آپ کی زندگی میں پانچ منٹ کی بڑی اہمیت ہے۔

بقول شاعر:

ہر لمحہ یہاں جہدِ مسلسل کا ہے پیغام
اے تنگِ طلب وقفۂ راحت سے گذر جا

(۲) معاملات لکھنے کا اہتمام

حضرت خطیب الاسلام قرآن کریم کی اس آیت ﴿وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ﴾ (سورۃ البقرہ: ۲۸۲) پر خود بھی ہمیشہ عمل پیرا رہے اور دیگر لوگوں کو بھی خاص طور پر اپنے گھر والوں کو اس پر عمل کی خاص تاکید فرماتے، چھوٹے چھوٹے معاملات لکھتے اور کبھی ان اہم واقعات کو قلمبند کرتے، تاکہ گھر والوں کا مزاج ان واقعات اور معاملات کو لکھنے کا بنے، اس سلسلے میں مولانا محمد سفیان قاسمی نے راقم الحروف کو حضرت کا معمول بتایا کہ جب کبھی ہم بہن بھائیوں کو پیسوں کی ضرورت پڑتی تو بھائی صاحب سے کہتے اور بھائی صاحب دیتے وقت ان پیسوں کو اور قرض کے اس لین دین کو ایک پرچہ پر لکھوا لیتے، جب ہم واپس لوٹاتے تو وہ پرچہ پھاڑ دیتے، اور آخر میں یہ جملہ فرماتے کہ قرآن کریم کا حکم ہے لین دین کو ضرور لکھ لیا کرو۔

حضرت کا یہ معمول ہم لوگوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے اور عامۃ المسلمین کے لئے اس میں چشم کُشائی بھی ہے، اس لئے کہ معاملات لکھنے سے تمام بدمعاملگیوں سے بچنے کی راہیں ہموار ہوسکتی ہیں، اور بعد میں ہر قسم کے کاروباری جھگڑوں سے بچا جا سکتا ہے۔

راقم الحروف[۱] نے حضرت کے اس معمول کو سن کر اپنی چھوٹی چھوٹی باتوں کو لکھنے کا خاص اہتمام کیا، خاص طور پر وہ امور جن کا تعلق معاملات سے ہے، بحمد اللہ مجھے بذات خود اس کا بہت فائدہ ہوا اور ایسا محسوس ہوا کہ میری زندگی کے شب و روز مرتب سے ہونے لگے ہوں۔

[۱] راقم الحروف سے جو عبارت شروع ہو رہی ہے یہ عبارت مسجد نبوی میں بیٹھ کر لکھی گئی۔

(۳) ایفائے عہد کی خاص تاکید

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

''گھر والوں کو ایفائے عہد اور کیئے گئے وعدوں کو پورا کرنے کی خاص تاکید فرماتے اور ایفائے عہد سے متعلق آیات واحادیث اور واقعات سنا کر تربیت فرماتے۔

ایفائے عہد سے متعلق آیات، احادیث نبویہ اور واقعات سلف صالحین سنا کر ایفائے عہد کا مزاج بناتے اور نبی کریم ﷺ کے ایفائے عہد سے متعلق ارشاداتِ عالیہ سنا کر اس کی تاکید فرماتے، کبھی سیرت طیبہ کے واقعات سناتے غرض یہ کہ بھائی صاحب اس سلسلے میں بے انتہا غیور واقع ہوئے تھے۔''

حدیث میں آتا ہے کہ ''**لاایمان لمن لأمانة له ولا دین لمن لا عهد له**'' اس عاجز سے حضرت خطیب الاسلام نے سورۃ بقرہ کی دو آیتوں کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ''بنی اسرائیل سے زبردستی اخذ عہد اور ایفائے عہد کرایا گیا اور نقض عہد کی صورت میں ان پر کوہ طور کو اٹھالیا گیا۔'' ارشاد فرمایا گیا:

﴿**وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَا اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَافِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ**﴾ (سورۃ البقرۃ: ۶۳)

اور دوسری آیت میں ''واذ کروا'' کی جگہ ''واسمعوا'' فرمایا گیا، اس کے بعد حضرت نے فرمایا: جن کو وعدہ کا یعنی ایفائے عہد کا انتہائی پابند بنایا گیا تھا ان کی پہچان نقض عہد اور عہد کو توڑنا بن گئی اور جس قوم کی پہچان قرآن نے نقض عہد ''فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ'' فرما کر بیان کی تھی آج ایفائے عہد ان کا شعار بن گیا اور ان کے یہاں نقض عہد ایک انتہائی ناقابل معافی جرم قرار دیدیا گیا۔

چنانچہ اسی ایفائے عہد کے تعلق سے حضرت مولانا سفیان صاحب قاسمی نے ایک واقعہ سنایا: مولانا فرماتے ہیں:

''بھائی صاحب کا ہمیشہ ایک مزاج رہا کہ جس کو جو وقت دیدیا اور پروگرام کی جو تاریخ دیدی، اس سے متخلف نہ ہوتے اور نہ اس میں ردوبدل فرماتے۔ مدرسہ نورالاسلام میرٹھ کا واقعہ ہے، اس مدرسہ کے سالانہ پروگرام میں بھائی صاحب بڑے اہتمام اور پابندی سے شرکت فرماتے اور ذمہ داران مدرسہ بھی بھائی صاحب کے تاریخ دینے کے بعد ہی اپنے مدرسے کے سالانہ

پروگرام کی تاریخ متعین کرتے، ایک مرتبہ حسب معمول ان حضرات کو تاریخ دیدینے کے بعد بھائی صاحب کا انگلینڈ کا سفر تھا، وہاں پر جتنے دن کے لئے تشریف لے گئے تھے ان میں دینی، دعوتی اور تعلیمی تقاضے پورے نہ ہوسکے اس لئے وہاں کے لوگوں نے اصرار کیا کہ حضرت ہمیں آپ کا مزید وقت درکار ہے، ہماری ضرورت بھی ہے اور تشنگی بھی بہت ہے، لیکن مجبوری یہ تھی کہ حضرت نے وہ تاریخ جن میں انگلینڈ والے اصرار کررہے تھے ہندوستان میں میرٹھ والوں کو دے رکھی تھی، اس لئے فوراً حضرت نے معذرت کرلی کہ میں تاریخ دے چکا ہوں، اس میں ردوبدل ممکن نہیں، اس پر ان حضرات نے یہ صورت حضرت کے سامنے رکھی کہ حضرت ایک دن کے لئے آپ ہندوستان ہوکر واپس تشریف لے آئیں مگر ہمیں انکار نہ کریں، اس پر حضرت نے ان کی اس درخواست کو منظور کرلیا اور اسی اعتبار سے سفر کی ترتیب بن گئی، چنانچہ بھائی صاحب ایک دن کے لئے انڈیا تشریف لائے اور مدرسہ نورالاسلام کے سالانہ پروگرام میں شرکت فرمائی اور اگلے ہی روز دوبارہ انگلینڈ کا سفر فرمایا۔''

یہ تھا ایفائے عہد کا انتہائی درجہ خیال، ہم جیسا کوئی ہوتا تو پروگرام کو آگے پیچھے کرنے یا تاریخ میں ردوبدل کرنے کی کوشش ضرور کرتا، مگر حضرت نے تمام تر سفر کی مشقت برداشت کی اور یہ گوارہ نہ کیا کہ جو تاریخ طے کردی اور زبان دیدی، اس عہد کی خلاف ورزی کریں۔ ایفائے عہد کا یہ عظیم الشان اہتمام دیکھنے والوں، ساتھ رہنے والوں اور شاگردوں وطلبہ کے لئے ہزار تقریروں پر بھاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی ایفائے عہد کا پابند بنائے۔

(۴) علمی مجالس میں شرکت کی خاص تاکید

حضرت خطیب الاسلام اپنے گھر والوں کو علمی مجالس میں شرکت کی خاص تاکید فرماتے اور اکثر و بیشتر یہ فرماتے کہ اپنے گھر والوں کو ایسا ماحول ضرور فراہم کرو جس میں علمی گفتگو ہو، علمی مذاکرہ ہو، علمی تبصرہ ہو، غیبت سے اجتناب کرتے، اور ادھر ادھر کی بے مقصد باتیں کرنے والوں کو مزاجاً انتہائی ناپسند فرماتے، کیونکہ حضرت خطیب الاسلام اپنے والد گرامی کی طرح انتہائی مثبت سوچ کے مالک تھے۔ راقم الحروف نے اپنی والدہ کو دیکھا جب کوئی خاندان کی علمی شخصیت ہمارے گھر آتی تو علمی مذاکرہ ضرور ہوتا، حضرت خطیب الاسلام جب بھی نانوتہ تشریف لاتے تو والدہ ضرور حضرت سے علمی

مذاکرہ کرتیں، جس کی وجہ سے علمی وادبی لطائف، اشعار، تضمینات، واقعات پر گفتگو ہوتی، یا پھر اپنے تازہ ترین اسفار کی روداد گوش گزار فرماتے۔ حضرت خود بھی گھر میں علمی ماحول قائم رکھتے، بقول حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی:

''اکابرین کے واقعات بہت سناتے خاص طور پر ایسے واقعات جن کا تعلق اصلاح سے ہے اور اکابرین میں خاص طور پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے، بقول حضرت خطیب الاسلام: ضرورت ہے اس بات کی کہ اپنی نئی نسل کو صحیح علم سے آراستہ کر کے تربیت کے لئے ان کو صالحین کی صحبت میں بھیجنے کی کوشش کریں، اس کے بغیر ظاہر بات ہے کہ کہ اصلاح کے پیدا ہو جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''[1]

حضرت مزید فرماتے ہیں: ''صالحین کی صحبت میں اگر جاہل مطلق بھی بیٹھ جاتا ہے تب بھی وہاں سے بہت کچھ لے کر نکلتا ہے اہل علم تو لے کر آتے ہی ہیں لیکن جاہل بھی محروم نہیں رہتا۔''[2] لوگوں میں بے ادبی عام ہونے کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ علمی مجالس کا اہتمام نہ رہا۔

ہفتہ میں ایک دو مرتبہ سب گھر والوں کو جمع فرماتے اور اسلامی ذہن سازی اور تربیت کے لئے اکابرین خاص کر اکابرین دیوبند کے واقعات سناتے، مگر اس طرح کہ کسی کی طبیعت میں ملل پیدا نہ ہو، اس ملل کو دور کرنے کے لئے درمیان میں ادبی لطائف، اشعار اور سفر کے ایسے واقعات سناتے کہ اہل خانہ میں مزید اشتیاق پیدا ہو جاتا اور ہر ایک زبان حال سے یہی چاہتا کہ یہ علمی وتربیتی مجلس ختم نہ ہو۔ مجلس کے درمیان ادبی لطائف، قرآنی لطائف، مزاحیہ اشعار، نظمیں بھی سناتے جس سے محفل گل گلزار رہتی۔

ایسے ہی ایک موقع پر جب حضرت نانوتہ تشریف لائے اور رات میں قیام فرمایا بعد نماز عشاء ایک مجلس میں مختلف واقعات سنائے، دوران گفتگو کھانوں کے مختلف ذائقوں کا تذکرہ آیا، والدہ نے معلوم کیا کہ ماموں جان آپ نے بہت سی جگہوں کی پلاؤ اور بریانی کھائی ہے، سب سے اچھی پلاؤ کہاں کی لگی حضرت نے بے ساختہ ہنس کر فرمایا'' بیٹے سب سے اچھی پلاؤ اپنے گھر کی لگی، پھر پلاؤ پر مندرجہ ذیل اشعار سنائے:

---

[1] بیاض خطیب الاسلام

[2] بیاض خطیب الاسلام

جہاں بھی پلاؤ بھنگارا گیا
زمیں سے فلک تک بھپارا گیا
اسی غم میں شیطان مارا گیا
کہ مؤمن پہ یہ کیا کیا اتارا گیا

حضرت فرماتے جب سے ہمارے گھروں سے علمی وادبی مجالس ختم ہوئیں اس کی وجہ سے ہمارے گھرانوں کا بڑا نقصان ہوا، گھروں کی یہ مجلسیں ہی انسان کو پڑھا لکھا بناتی تھیں اور اچھائی اور برائی کا شعور پیدا کرتی تھیں، لہٰذا اپنے گھروں کو جتنا ہو سکے ایسی مجالس سی مزین کرو، خاص طور پر علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھروں میں ایسی مجالس کا اہتمام کریں''۔ گھر میں اور سفر میں حضرت خطیب الاسلام بر سبیل مزاح لطائف ضرور بیان فرماتے، ایک واقعہ حضرت مولانا محمد سفیان صاحب نے اسی مزاح پر بیان فرمایا کہ ''پتویل میں عبداللطیف صاحب رات کو بار بار کمرہ میں آتے تو بر سبیل مزاح ان سے فرمایا:

''آپ کے آرام کا تواضع بھی بہت لمبا ہے''۔

باہر مردوں میں آپ کی علمی مجالس بعد نماز عصر ہوتیں، جن کا تفصیلی تذکرہ حضرت کے خادم خاص حضرت مولانا شاہد صاحب کی کتاب میں کیا گیا ہے جو بہت جلد منظر عام پر آنے والی ہے۔

(۵) حضرت کا اہل خانہ کے سامنے روداد سفر بیان کرنے کا اہتمام

سفر انسان کی زندگی کا ایک اہم حصہ ہے، کیونکہ یہ مشاہداتی علم کا اہم ذریعہ ہے، دنیا میں بہت سے مؤرخین نے اپنے سفر نامہ لکھے ہیں اور دنیا کے سامنے اپنے مشاہدات اور تجربات کو بیان کیا ہے، جن سے بعد میں آنے والوں نے بڑا استفادہ کیا، عربی زبان میں ایک مثل مشہور ہے: ''السفر وسیلۃ الظفر''، سفر دراصل کامیابی کا ذریعہ ہے، چینی زبان کی کہاوت ہے کہ جو اپنے گھر سے سفر کے لئے نکل گیا اس نے تہائی منزل طے کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ﴾ (سورۃ الروم: ۴۲)

کہ زمین میں چلنا پھرنا بغرض عبرت اگر ہے تو قرآن کریم نے حضرت انسان کو ابھارا ہے کہ وہ ضرور سفر کرے، کائنات میں غور وفکر کرے اور اس کی ہر چیز کو دیدۂ عبرت سے دیکھے تاکہ یہ سفر اور اس کے سفر میں پیش آمدہ واقعات معرفت حق کا ذریعہ بنیں۔

پھر اس واقعات سفر سے خود بھی عبرت حاصل کرے اور دوسروں کے سامنے بھی بیان کرے، تا کہ دوسروں کو بھی عبرت ہو، اس تمہید کو ذہن میں رکھ کر حضرت خطیب الاسلام کی زندگی کو پڑھیں، جن کی زندگی کا بیشتر حصہ دعوتی اور دینی اسفار میں گذرا، اس لئے نظریاتی اور کتابی علم کے علاوہ مشاہداتی علم کا وافر حصہ بھی حضرت کو عطا ہوا تھا۔

ان ہی مشاہدات وتجربات سے پہلے خود مستفید ہوتے اور پھر انہی دعوتی مشاہدات وتجربات کو لوگوں کے سامنے درجہ بدرجہ حسن ترتیب کے ساتھ بار بار بیان کرنے کا اہتمام فرماتے۔ چنانچہ سب سے پہلے اپنے کسی بھی دعوتی ملکی وغیر ملکی سفر کے حالات اور روداد سفر اپنے گھر والوں کے سامنے بیان فرماتے۔ اور گھر والوں یا دیگر لوگوں کو ایک ہی واقعہ بار بار بیان کرنے میں نہ الفاظ کا فرق ہوتا اور نہ ہی الفاظ کی ترتیب بدلتی۔

''احقر نے حضرت سے اپنے سفر کے بارے میں بتلایا تو فرمایا کہ اپنے سفر کے تجربات اور واقعات کو اپنے گھر والوں کے سامنے ضرور بیان کیا کرو اور خاص طور پر اپنے گھروں کی خواتین کے سامنے بیان کرنے کا اہتمام کرو، کیونکہ اس کے اثرات تم اپنی نسلوں میں جلد ہی دیکھ لوگے۔''

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب نے ایک مجلس میں حضرت کا یہ معمول بتایا کہ ''کہیں کا بھی سفر ہوتا اہل خانہ کے سامنے روداد سفر مفصل اور بڑے دلچسپ انداز میں بیان فرماتے جو سفر کا ایک لازمہ تھا۔

حضرت نے ایک روز احقر سے فرمایا تھا کہ ''اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے اور ہماری نسلیں الحاد وکفر سے بچیں تو ہم کو چاہئے ہم ان کو صحبت دیں، گھر گھر میں مجالس کا اہتمام کریں اور ان کو دینی دعوتی اسفار میں پیش آئے واقعات مناسب وقت پر مناسب لب ولہجہ میں سنائیں ورنہ ہمارے بچے اکبر الہ آبادی کے اس شعر کے مصداق ہوں گے جس کو حفیظ جالندھری نے اس طرح کہا ہے:

انہیں کے حال پہ صادق ہے قولِ حضرت اکبر
ترقی پاتے ہیں لڑکے ہمارے نورِ دیں کھو کر
غضب یہ ہے کہ بجھ لیتے ہیں تب جا کر چمکتے ہیں

حضرت کا یہ جملہ ''اگر ہم چاہتے ہیں'' میں ''ہم'' سے کیا مراد ہے فرمایا ''ہم'' یعنی جماعت علماء۔

(٦) محاسبۂ نفس کی تاکید

حضرت خطیب الاسلام اپنے گھر والوں کو محاسبۂ نفس کی مستقل تاکید فرماتے، اس لئے کہ شرح صدر اور سعادت قلب کے اسباب میں ایک عظیم سبب مستقل انسان کا محاسبۂ نفس ہے، اس محاسبہ سے بندۂ مؤمن کو اللہ کی محبت اور اس کی رضا نصیب ہوتی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمنوا اتقوا اللّٰه ولتنظر نفس ماقدمت لِغدٍ و اتقوا اللّٰه ان اللّٰه خبیر بماتعملون.﴾ (سورة الحشر: ١٨)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

أی: حَاسَبُوْا أنفسكم قَبْلَ أن تَحاسبوا و انظروا ماذا ادخرتم لأنفسكم من الأعمال الصالحه. ليوم معادكم وعرضكم على ربكم[1]

یعنی تم اپنا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا حساب و کتاب ہو اور ذرا غور وفکر کرو کہ تم کل قیامت کے دن جب اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوگے تم نے اس کے لئے کیا ذخیرہ اندوزی کی، کیا تیاری کی ہے؟ کیا نیک اعمال کئے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب فرماتے تھے: **رحم الله امرءاً أهدى إليّ عيوبنا**[2]

اللہ رب العزت اس انسان پر رحم فرمائے جو ہمارے عیوب کی نشاندہی کرے۔

ایک مرتبہ میں نے حضرت سے محاسبہ نفس کے متعلق سوال کیا تو حضرت نے مجھے حضرت ابن ابی ملیکہ کا ارشاد سنایا وہ فرماتے ہیں:

"أدركت ثلاثين من أصحاب النبی صلى الله عليه وسلم كلهم يخافون النفاق على أنفسهم."

کہ میں نے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی یعنی میں نے ان کو دیکھا کہ وہ سب حضرات اپنے بارے میں اس کا خوف رکھتے تھے کہ کہیں ہم میں نفاق تو نہیں۔

چونکہ یہ موضوع بہت اہم ہے اس لئے چند باتیں جو حضرت نے اس تعلق سے راقم الحروف کو بتائیں ان کو بطور خلاصہ کے پیش کرتا ہوں۔[3]

---

[1] تفسیر ابن کثیر ط العالمیۃ (۱۰۶/۱۸) [2] اقتراف الکبائر (۲۹/۱) عادل بن مبارک

[3] یہ تقریر راقم الحروف نے قلمبند کر لی تھی۔

حضرت نے محاسبہ نفس کے اقسام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ محاسبہ نفس کی دو قسمیں ہیں:
ایک قسم عمل سے قبل محاسبہ نفس ہے اور دوسری قسم عمل کے بعد محاسبہ نفس کی ہے، محاسبہ نفس کی پہلی قسم (یعنی عمل سے پہلے) یہ ہے کہ بندہ کسی کام کے ارادہ کے وقت اس کو انجام دینے سے قبل تھوڑا توقف کرے اور عمل کرنے میں جلدی نہ کرے تاکہ عمل کے بعد کسی طرح کا پچھتاوا نہ ہو اور عمل سے قبل اپنی نیت کو صحیح کرے، یہ عمل اللہ کے لئے ہے یا غیر اللہ کے لئے۔ دوسری قسم محاسبہ نفس کی یہ ہے کہ اپنے نفس کا محاسبہ عمل کے بعد کرے۔

حضرت خطیب الاسلام کے مرغوب کھانے

کھانے کے سلسلے میں اللہ رب العزت نے طبائع اور ذائقے مختلف بنائے، قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا: ﴿وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ﴾ (سورہ: الرعد: ۴) انسانوں کو جس طرح نعمت رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت بخشی اسی طرح نعمت ذائقہ میں بھی حق تعالیٰ شانہ نے بعض کو دیگر بعض پر فضیلت بخشی ہے، حضرت خطیب الاسلام کو جس طرح نعمت رزق حق تعالیٰ نے عطا فرمائی، اسی طرح نعمت ذائقہ کا بھی وافر حصہ عطا فرما کر باذوق بنایا نہ صرف نعمت ذائقہ بلکہ ذوقِ لطف اندوزی بھی ملا، نعمتوں کو بڑا لطف لے کر تناول فرماتے، مجھے اسی لطف اندوزی پر ایک واقعہ یاد آ گیا، حضرت خطیب الاسلام نانوتہ تشریف لائے اور رات میں قیام فرمایا بہت کچھ واقعات سنائے، پلاؤ پر گفتگو ہوئی تو والدہ نے پوچھا کہ ماموں جان آپ نے بہت سی جگہوں کی بریانی اور پلاؤ کھائی، سب سے اچھی بریانی پلاؤ کہاں کی لگی؟ تو بے ساختہ ہنس کے فرمایا: ”بیٹے سب سے اچھی پلاؤ اپنے گھر کی لگی۔“ پھر پلاؤ پر مندرجۂ ذیل اشعار سنائے:

جہاں بھی پلاؤ بھنگارا گیا
زمیں سے فلک پر بھپارا گیا
اسی غم میں شیطان مارا گیا
کہ مؤمن پہ یہ کیا اتارا گیا

حضرت کے مرغوب کھانوں میں بھنا ہوا قیمہ، بھنی ہوئی اڑد کی دال، شوربہ، اسٹو، پسندے، ماش کی دال گوشت والی اور کھانے کے بعد کچھ میٹھا خاص طور پر کیلے اور امرود کا چاٹ اور آم کے موسم میں سب سے مرغوب پھل آم ہوتا۔

حضرت شکر کا استعمال چائے میں بہت زیادہ فرماتے، نانوتہ میں حضرت گھر پر تشریف فرما تھے میں چائے بنا رہا تھا، میں نے معلوم کیا کہ حضرت چینی کتنی ڈالوں، فرمایا دو چمچ آپ ڈالدیں باقی چائے بناتے وقت پیالی میں چینی کی جگہ چھوڑ دیں، اس کے بعد حضرت نے ایک چمچ خود ڈالی اور فرمایا کہ چائے کی صفات میں یہ ہے کہ چائے لب دوز ہو، لب سوز ہو اور لب ریز ہو۔ سب ہی حاضرین مجلس اس پر ہنسنے لگے۔ حضرت کی چھوٹی صاحبزادی محترمہ عظمیٰ ناہید صاحبہ اپنے تاثراتی مضمون میں لکھتی ہیں:

''حالانکہ کھانوں کے اور خاص طور پر گوشت کے شوقین تھے، لیکن بقول ہماری پھوپھی امی (ہاجرہ نازلی) بھائی کبھی کھانے میں عیب نہیں نکالتے تھے، بلکہ ان کے سامنے کچھ بھی رکھ دو وہ انتہائی رغبت کے ساتھ کھالیتے ہیں۔''

حضرت سفر میں جب جاتے ساتھ میں کھانا زیادہ لے جانے کا اہتمام کرتے، تاکہ راستے میں اگر کوئی شریک ہوجائے تو کھانا کم نہ ہو۔

حضرت خطیب الاسلام کی صحت

صحت زندگی بھر الحمدللہ بہت اچھی رہی اخیر تک بھی کوئی مہلک بیماری نہیں تھی، حضرت کی صحت کا جہاں ایک راز یہ تھا کہ ہر حال میں شکر اور جیسے حالات آئے اس کو بخوشی قبول کر لیتے گویا کہ کسی حبیب نے یہ حالات بطور تحفہ کے بھیجے ہیں، وہیں ایک راز یہ بھی تھا کہ اپنے مزاج اور طبیعت کو ماحول اور حالات کے ہم آہنگ کر لیتے، انتہائی مثبت سوچ رکھتے تھے، وہ نہ کبھی کسی کی غیبت کرتے اور نہ ہی کسی کے خلاف بات کرتے تھے۔ یہ کہنے کو تو بہت آسان ہے مگر یہ اتنا آسان نہیں یہ شان انسان میں بڑی نفس ماری اور دیدہ ریزی کے بعد پیدا ہوتی ہے، پھر طبیعت کو آنے والے حالات اور ماحول کے اس درجہ ہم آہنگ اور موافق بنالینا جیسے کہ حضرت کو پہلے سے خبر تھی کہ اب آگے جا کر میرے ساتھ اس طرح کے حالات آئینگے، بس اب مجھے ان حالات کا سامنا کرنا ہے، پھر ان حالات کو بھی بادل نخواستہ نہیں قبول کرتے بلکہ بخوشی وتسلیم ورضا کا پیکر بن کر قبول کرتے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

خونِ دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش
ہے رگِ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو

اور یہ شان کسی بھی انسان میں جب پیدا ہوتی ہے جب اس نے محبت الٰہی کے چھلکتے ہوئے جام پر جام پیئے ہوں، فیض جنوں کے منازل طے کئے ہوں، عشق و وفا کے مراحل سے باخبر گذرا ہو، بقول شاعر:

جام محبت کے پیتے ہی
ہوگئے آساں سارے مراحل
اللہ اللہ فیض جنوں سے
طے ہوگئے سارے منازل
تو نے کہاں سے کہاں پہنچایا
عشق! ہو تجھ پر رحمت نازل

مطالعہ کے معمولات

بامقصد مطالعہ کا تو حضرت خطیب الاسلام کے یہاں زندگی بھر معمول رہا بقول حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی مدظلہ العالی یہ رہا کہ:

”بھائی صاحب جب گھر پر رہتے ہمیشہ عشاء کے بعد مطالعہ فرماتے اور بغیر مطالعہ کے نہ سوتے اور فجر کے بعد مطالعہ فرماتے، فجر کے بعد بہت پابندی سے مطالعہ فرماتے، فجر کے بعد مطالعے کے معمولات میں کبھی فرق نہیں آیا، ان دونوں اوقات میں ہمیشہ مطالعہ فرماتے، راقم الحروف نے مولانا سفیان صاحب سے دریافت کیا کہ مطالعہ میں کوئی خاص موضوع پسند فرماتے؟ تو مولانا نے فرمایا: ہاں ایسی کتابیں خاص طور پر مطالعہ میں رہتیں جن میں حاضر جوابی ہوتی، مولانا نے بتایا کہ بھائی صاحب ایک کتاب مصر سے لائے تھے جس کا نام ”الأجوبۃ المسکتۃ“ تھا، لیکن وہ کہیں کھوگئی حضرت کو بے انتہاء افسوس ہوا، گھر میں، لائبریری میں بہت تلاش کرنے کے بعد بھی نہیں ملی، پھر اس کتاب کو دوبارہ خاص طور پر مولانا محمد سفیان صاحب سے مصر سے منگوایا۔“

ایک مرتبہ راقم نے جناب بھائی عاصم قاسمی صاحب سے معلوم کیا کہ حضرت کو کس طرح کے مطالعہ کا ذوق ہے یعنی کس طرح کی کتابیں، میگزین اور مضامین پڑھنا پسند فرماتے ہیں تو انہوں نے

فرمایا کہ ''عام طور پر بھائی صاحب کو وہ مضامین یا کتابیں بہت پسند ہیں جن میں جدت ہو، ندرت ہو، کوئی نئی تحقیق ہو، یا تاریخ میں ذہین لوگوں کی حاضر جوابی کے واقعات ہوں، ایسی چیزوں کے مطالعہ کا بہت ذوق رکھتے تھے۔'' گرچہ علمائے متقدمین مثلاً علامہ ابن حجر، علامہ سیوطی، امام غزالی اور امام رازی وغیرہ کی کتابوں کا انہوں نے کافی مطالعہ کیا تھا۔

عشاء کی نماز کے بعد اگر جاگے تو مطالعہ کے لئے ورنہ عام معمول عشاء کے بعد سونے ہی کا تھا۔ پچھلے دس بارہ سالوں میں جب بھی اس عاجز کی خادمانہ حاضری ہوئی تو حضرت کو یا تو مصروف مطالعہ یا پھر کچھ نہ کچھ تحریر فرماتے دیکھا، مضامین اور مختلف موضوعات پر مقالات لکھنے کے علاوہ برصغیر ہندو پاک سے اہل علم اور مؤلفین کی کتابیں سامنے ہوتیں اور ان پر ان کے موضوعات کے اعتبار سے تقریظات اور مقدمات لکھتے رہتے، بلا مبالغہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہزاروں کتابوں پر مقدمات و تقریظات لکھ دی ہونگی، کمزوری کے باوجود اپنے کسی بھی وقت کو خالی نہ گذرنے دیتے اور مستقل کچھ نہ کچھ لکھتے یا پڑھتے رہتے، گویا علوم اسلامیہ کا مطالعہ کرنا اور ان پر لکھنا زندگی کا اوڑھنا بچھونا تھا، بلکہ جسم وروح کی غذا تھی، اسابق پڑھانے کے لئے بھی مطالعہ فرماتے تھے، لیکن متقدمین علمائے اسلام کی کتابوں، خاص کر اپنے اسلاف دیوبند کی تحریروں کو پڑھنے کا معمول تھا، علوم حضرت نانوتوی پر کامل دستگاہ تھی، اس مطالعہ کا اندازہ اس وقت ہوتا جب حضرت کسی جگہ تقریر فرماتے یا پھر کچھ تحریر فرماتے۔ حضرت کے مطالعہ کے معمولات کا ذکر کرتے ہوئے مولانا سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم نے یہ بھی بتلایا کہ بھائی صاحب روزانہ اپنے مخصوص کتب خانے میں بھی مطالعہ کے لئے تشریف لے جاتے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مطالعہ کا یہ معمول صرف دوران قیام ہی نہیں تھا، بلکہ اسفار میں بھی کوئی نہ کوئی دلچسپ کتاب ساتھ رہتی تھی جس کا دوران سفر وقت ملنے پر مطالعہ کرتے، یہاں تک کہ گاڑی میں بھی مطالعہ فرماتے اور بقول مخدومنا مولانا شاہد صاحب اگر کوئی بات دوران مطالعہ مصاحبین سفر اور خدام کے لئے قابل ذکر ہوتی تو اس کو بیان بھی کر دیتے، جس سے ہم خدام کو بے انتہا علمی اور اصلاحی فائدہ پہنچتا۔

صاحبزادگان اور صاحبزادیاں

حضرت خطیب الاسلام کے چار صاحبزادگان ہیں:

(۱) سب سے بڑے محترم جناب محمد سلمان صاحب قاسمی

(۲) محترم جناب مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی

(۳) محترم جناب محمد عدنان قاسمی صاحب

(۴) محترم جناب حافظ محمد عاصم صاحب قاسمی

محترم جناب محمد سلمان قاسمی صاحب

جناب سلمان قاسمی صاحب حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ کے بڑے صاحبزادے ہیں اور فی الحال پاکستان میں مقیم ہیں۔ جناب سلمان قاسمی صاحب کی ولادت ماہ ستمبر ۱۹۵۰ء کی ہے، انہوں نے علوم اسلامیہ کے حصول کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور سال چہارم تک پڑھا، اور پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سیکنڈری اسکول سے بارہویں کا امتحان دیا، اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا، وہاں سے بی، اے، اور پھر ایم، اے، کیا۔

ان کا نکاح گنگوہ میں مولانا حکیم سعد رشید صاحب اجمیری کی بیٹی جنابہ طلعت فاطمہ سے ہوا، پھر وہ یہاں سے جدہ چلئے گئے، اور وہاں انہوں نے رہائش اختیار کر لی، میرے والدین نے ۱۹۸۲ء میں پہلا حج کیا، اس وقت وہ وہیں پر مقیم تھے، پھر ۱۹۸۶ء میں پاکستان جا بسے اور ابھی تک وہیں ہیں، ان کی اولاد میں ایک لڑکا محمد اسامہ قاسمی اور دو لڑکیاں ہیں، مریم قاسمی اور ہبہ قاسمی۔

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی، مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

آپ حضرت کے دوسرے صاحبزادے ہیں قرآن کریم دارالعلوم دیوبند میں ہی حفظ کیا حفظ قرآن کے بعد دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۷۶ء میں سند فضیلت حاصل کی۔

دوران تعلیم ہی پرائیویٹ طور پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے ہائی اسکول پھر ایم اے کیا اور ان میں نمایاں نمبرات سے کامیابی حاصل کی، دارالعلوم سے فضیلت کے بعد جامعۃ الازہر قاہرہ سے کلیہ شرعیہ (ایم.اے) کیا، مصر سے ۱۹۸۰ء میں واپسی ہوئی۔ اور آپ نے وہاں سے ماجستیر کیا۔

آپ کا نکاح پر قاضی کے حافظ سلطان احمد صاحب کی صاحبزادی سے ہوا۔

دارالعلوم وقف دیوبند میں مسند تدریس پر فائز

۱۹۸۳ء کے بعد دارالعلوم وقف دیوبند سے وابستگی ہوگئی اور ابتدائی کتابیں زیر درس رہیں، تدریجاً دارالعلوم وقف دیوبند کی اہم انتظامی ذمہ داریاں بھی سپرد کی گئیں، پھر کچھ عرصہ بعد اہتمام کی نیابت کی ذمہ داری سونپی گئی، کئی سال اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے، اسی دوران درس نظامی کی اکثر کتابیں زیر درس رہیں، اور پھر مؤطا امام مالک کے اسباق بھی متعلق رہے، اب گذشتہ دوسال سے دارالعلوم وقف دیوبند کی اہتمام کی مکمل ذمہ داری آپ ہی سے متعلق ہے، اور اب بحیثیت مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند خدمت انجام دے رہے ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ دینی فاصلاتی تعلیم کے اہم ادارے جامعہ دینیات کے ذمہ دار آپ ہی ہیں، ۲۰۰۷ء کلکتہ اجلاس میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے رکن منتخب کئے گئے، اس کے علاوہ آل انڈیا مجلس مشاورت کے بھی رکن ہیں، ملکی وملی سطحوں پر آپ سے چند اہم ذمہ داریاں متعلق ہیں۔

آپ کو ادبی کتابوں سے بچپن سے ہی بڑی مناسبت رہی اور خاص طور پر اردو ادب سے، اس کا ندازہ آپ کی ذاتی لائبریری سے لگایا جاسکتا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ آپ کو نایاب کتابوں اور نوادرات جمع کرنے کا بھی خاص ذوق بھی ہے اور سلیقہ بھی، چنانچہ علوم اسلامیہ کی نادر ونایاب کتب کا اچھا خاصا ذخیرہ آپ کے پاس اپنی ذاتی لائبریری میں موجود ہے، اردو کے کئی بڑے شعراء کے انتخابات بھی اس ذخیرہ میں شامل ہیں اور لائبریری کا ایک بڑا خانہ مزاحیہ ادب پر مشتمل ہے، جس میں پطرس بخاری، رشید احمد صدیقی، مرزا فرحت اللہ بیگ، کنہیا لال کپور، دلاور فگار اور مشتاق یوسفی جیسے نامور مزاح نگاروں کے مجموعے موجود ہیں۔

کام کرنے کا طریقہ، صلاحیت، سلیقہ مندی، ذہانت، فراست بذلہ سنجی اور مزاج میں شگفتگی وحلم اپنے آباء واجداد سے موروثی طور ودیعت ہوا ہے۔

راقم الحروف کا بحیثیت خاندان صدیقی کے ایک فرد کے خانوادۂ قاسمی کے بارے میں ایک تجربہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اس کے ہر فرد کو ایک ایسی صفت عطا کر رکھی ہے جس کی وجہ سے یہ دیگر خاندانوں وخانوادوں میں بالکل ممتاز نظر آتا ہے اور وہ صفت یہ ہے کہ سخت ترین حالات میں بھی باوجود طبیعت کی ناگواری اور شاق گذرنے کے ان کے صبر وحلم کا پیمانہ لبریز ہوکر چھلکتا نہیں ہے، اور

شاید یہی وجہ ہے کہ ادارہ سازی کا جوفن اس خانوادہ کے پاس ہے وہ کسی اور خاندان میں نظر نہیں آتا۔ باقی حضرات خوشہ چیں تو ہیں معمار جہاں نہیں، ﴿ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء﴾ (سورۃالجمعہ: ۴) حلم کی اسی عظیم الشان صفت نے ان کو معمار امت اور معمار قوم بنا دیا ہے۔

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی کو جہاں ادبی ذوق ہے وہیں آپ کے اندر اپنے والد گرامی کی طرح شعری ذوق بھی بدرجہ اتم موجود ہے، شعری ذوق تو اس خانوادہ کے ہر فرد کے پاس حضرت نانوتوی سے لے کر نسل بعد نسل منتقل چلا آرہا ہے، مگر اس شعری ذوق پر ان کے علمی ذوق کا ہمیشہ غلبہ رہا۔

آپ کی شخصیت میں ایک خاص بات راقم الحروف نے محسوس کی کہ آپ کی مجلس میں یا محفل میں کوئی شخص اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا اور آپ کے پاس بیٹھ کر طبیعت میں ملل پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ آپ کے پاس محفل ومجلس کے آداب بھی ہیں اور ہر موقع محل کے اعتبار سے واقعات بھی ہیں اور ''کلموا الناس علی قدر عقولھم'' کا ذوق سلیم بھی ہے۔ اس لئے مخاطب یا سامنے والے کو اکتاہٹ نہیں ہوتی۔

آپ کے فکری وعلمی مضامین سے اہل علم حضرات ماہنامہ ندائے دارالعلوم میں مستفید ہوتے رہتے ہیں، جس کے آپ مدیر اعلی بھی ہیں، مزاج میں انکساری، کسر نفی اور تواضع بے انتہا ہے، اپنی ذات سے دوسروں کو فائدہ پہنچاتے رہنا زندگی کا مقصد اور ایذا پہنچانے والوں کو معاف کرنا آپ کا مزاج اور عادت ہے۔

فی الحال آپ دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم اور ذمہ دار ہیں، والد گرامی کے بعد آپ ہی کی جہد مسلسل سے یہ ادارہ تعلیمی وتعمیری ترقی کی راہ پر مستقل گامزن ہے، بقول علامہ اقبال:

ہے مگر اس کی طبیعت کا تقاضہ تخلیق

علمی بصیرت اور حاضر جوابی

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی دامت برکاتہم سے غالباً بمبئی کے کسی صاحب خیر نے سوال کیا کہ حضرت! یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جو لوگ یہاں چندہ کرنے آتے ہیں ان میں کون مخلص ہے اور کون غیر مخلص، یعنی یہ کیسے پتا چلے کہ یہ مخلص ہے یا نہیں، مولانا نے برجستہ جواب دیا کہ اس میں کیا مشکل جو شخص چندہ لینے کے لئے آرہا ہے اگر وہ شان علم کو باقی رکھے ہوئے تو وہ مخلص ورنہ سمجھ لو کہ غیر

مخلص، ان صاحب نے معلوم کیا کہ شان علم کیا ہے، فرمایا:

''علم کی شان تعلیٰ واستغنا ہے، علم انسان کو اللہ کے علاوہ کسی کے سامنے جھکنے نہیں دیتا، علم کی پہلی شان یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور انسان کے سامنے یا کسی اور مخلوق کے سامنے نہیں جھکتا۔''

علم کی دوسری صفت استغنا ہے یہ انسان کو یا صاحب علم کو کسی مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلانے نہیں دیتی، جو ان دو صفات علم سے متصف ہو کر آئے ان کو چندہ دیجئے اور جو ان دونوں صفات سے عاری ہو اس سے معذرت فرمالیں، وہ صاحب مولانا کے بڑے مشکور ہوئے اور فرمایا کہ مجھے معلوم تھا کہ اس سلسلے میں مجھے تسلی بخش شافی وکافی جواب خاندان قاسمی کا کوئی فرد ہی دے سکتا ہے۔ بقول علامہ اقبالؔ:

وہ درویشی کہ اس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

ایک مجلس میں بمقام ''طیب منزل'' راقم الحروف اور بھائی جان کی حضرت مولانا محمد سفیان صاحب کی خدمت میں حاضری ہوئی دوران گفتگو بہت اہم واقعات سفر وحضر کے بیان فرمائے ان ہی واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بیان فرمایا کہ میں بھائی صاحب (حضرت خطیب الاسلام) کے ساتھ بمبئی سفر میں تھا، ایک بڑے صاحب خیر جن کا نام عبدالقادر تھا کے یہاں دعوت تھی، ان صاحب کی پوزیشن یہ تھی کہ ان سے ملاقات کے لئے لوگ لائن میں لگ کر ملاقات کا وقت لیتے، عام طور پر ان سے ملنے کے لئے کافی پہلے وقت لینا پڑتا تب ملاقات ہو پاتی اور یہاں حالت ان صاحب کی یہ تھی کہ بھائی صاحب کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ صاحب بھائی صاحب کے قدموں میں بیٹھ کر بھائی صاحب کے پیر دبانے لگے، اس ہال میں اور بھی بہت سے علماء اور دیگر حضرات تشریف رکھتے تھے، ان صاحب کو اس طرح حضرت خطیب الاسلام کے پیر دباتا ہوا دیکھ کر ایک صاحب نے مولانا سفیان صاحب سے سوال کیا کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی یہ جو صاحب پیر دبا رہے ہیں یہ کوئی معمولی انسان نہیں، ان سے ایک ملاقات کے لئے لوگ ترستے ہیں، مگر یہاں منظر ہی کچھ اور ہے، تعجب یہ ہے کہ قدموں میں جگہ ملنے اور پیر دبانے کو اپنی سعادت مندی سمجھ رہے ہیں، حضرت مولانا محمد سفیان صاحب نے برجستہ جواب دیا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے، کل شيء يرجع إلى أصله. علم کی صفت تعلی ہے۔

جس سے انسان بلندیوں کی طرف جاتا ہے اور مال و دولت کی اصل مادیت ہے جو زمین کی طرف لیجاتی ہے لہٰذا علم اپنی اصل کی طرف لوٹا تو اپنی جگہ پر بٹھایا گیا اور مال و دولت جب اپنی اصل کی طرف لوٹے تو نیچے یعنی زمین پر بٹھایا گیا۔ ان صاحب نے فرمایا کہ جی آپ کی بات معقول ہے، بات سمجھ میں آ گئی اور دونوں کے درمیان فرق سمجھ میں آ گیا۔

بہر حال حضرت مولانا محمد سفیان صاحب دامت برکاتہم کے پاس جب بھی راقم الحروف حاضر ہوا تو ان کی مجلس سے متنوع قسم کے تجربات، زندگی کے حقائق، علمی نکات، عمل پیہم اور جہدِ مسلسل کا جذبہ اور زندگی میں جوش عمل کی طاقت اور احساس خودی کی قوت کو لے کر اٹھا، بقول علامہ اقبالؔ:

خودی ہو علم سے محکم تو غیرت جبریل
اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل

یک مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو علامہ اقبال کا یہ شعر بار بار ذہن میں آتا کہ

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

یہ شعر مجھے اس لئے یاد آیا تھا کہ ان کی مجلس میں گفتگو ہو رہی تھی اہل مدارس کے چندہ وصول کرنے والوں کے طریقۂ کار پر اس پر حضرت مولانا نے فرمایا کہ

’’ہمارے خاندان کے پاس چندہ کے باب میں غنائے قلب اور دلِ بے نیاز کے علاوہ اور کچھ نہیں۔‘‘

ان کے اس جملے پر اقبال کے مزید دو شعر راقم الحروف کو اسی مجلس میں یاد آئے

خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب، اس کی نگہ دل نواز

آج بروز دوشنبہ ۳۰ جمادی الثانی ۱۴۳۹ھ چار بجے شام میں نانوتہ تشریف آوری کے موقع پر چائے پر ایک واقعہ سنایا حضرت خطیب الاسلام کے حوالے سے کہ بھائی صاحب اس واقعہ کو اپنے منفرد انداز میں بڑے مزے لے لے کر سناتے، واقعہ یہ ہے کہ راقم الحروف کے بہنوئی مولانا عمر

انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم حضرت مولانا صدرالدین عامر انصاری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خطیب الاسلام آگرہ تاج محل دیکھنے کے لئے گئے، گرمی شدید تھی تو یہ دونوں حضرات گرمی کی شدت کی وجہ سے جہاں شاہ جہاں اور ممتاز محل کی قبریں ہیں وہیں لیٹ گئے اوپر والے حصہ میں، کیونکہ وہ پتھر گرمی میں ٹھنڈا رہتا ہے یہ دونوں حضرات لیٹے ہوئے تھے، تھوڑی دیر میں انگریز آئے، انہوں نے پوچھا کہ یہ قبریں کس کی ہیں حضرت مولانا عامر انصاری صاحب نے ان کو برجستہ جواب دیا کہ یہ ہماری قبریں ہیں، وہ بڑے حیران ہوئے، مولانا نے فرمایا کہ حیران کیوں ہورہے ہو، ہم دونوں کو گرمی لگ رہی تھی اس لئے باہر آگئے، وہ انگریز ایک لمحہ کے لئے بڑے سٹپٹائے اور سر جھکا کر آگے نکل گئے۔ حضرت خطیب الاسلام اس واقعہ کو بڑا لطف لے کر بیان فرماتے۔

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی کو صبر وحلم، قوت برداشت و بردباری، سخاوت ومروت کا وافر حصہ خاندانی طور پر ورثہ میں ملا، آپ کی شخصیت کو دیکھ کر مجھے سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان یاد آتا ہے جو انہوں نے خاندانِ قریش مکہ کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ

”اِنَّـا مَـعَـاشِـرَ قُرِيْشٍ نَعُدُّ الْحِلْمَ وَالْجُوْدَ سُوْدداً وَنَعُدُّ الْعَفَافَ وَاِصْلَاحَ الْمَال مَرُوْءَةً[۳]

”ہم قریش خاندان کے لوگ بردباری اور سخاوت کو سرداری شمار کرتے ہیں اور پاکدامنی اور مال کی اصلاح کو مروت گردانتے ہیں۔“

شاید ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیان کردہ خاندان قریش کے یہ اوصاف نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتے ہوئے آپ کی ذات میں جمع ہوگئے ہیں، کیونکہ آپ بھی اسی خاندان قریش کی ایک شاخ ”بنوتیم“ کے ایک فرد ہیں۔[۴]

حضرت خطیب الاسلام نے اپنے صاحبزادے کے رمضان المبارک میں قرآن کریم سنانے کے مبارک موقع پر سن ۱۳۹۶ھ میں مندرجہ ذیل نظم کہی۔

---

[۳] البصائر والذخائر، (۱۷۹/۵)

[۴] تفصیلات کے لئے دیکھیں راقم الحروف کا مرتب کردہ ”شجرہ خاندان صدیقی نانوتہ“ ص ۲۴۔

جشن ختم قرآن کریم

بموقعہ ختم قرآن کریم، عزیزم محمد سفیان قاسمی سلمہٗ بماہ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ یہ نظم پیش کی گئی

ہجوم بندگان خاص اس محراب میں دیکھیں	قیام اللیل کے جلوے شب مہتاب میں دیکھیں
زمیں پر طمطراق آسماں معلوم ہوتا ہے	جہاں کا ذرہ ذرہ کہکشاں معلوم ہوتا ہے
یہ سادہ فرش یہ کورے گھڑے صحن مصفا میں	ضیافت کا ہو ساماں جیسے نخلستان صحرا میں
ازل کی چاندنی چھٹکی ہوئی معلوم ہوتی ہے	بصیرت کی دلوں میں روشنی معلوم ہوتی ہے
دروں پر روشنی، مہکی فضا خاموش مینا رے	فلک سے جشن مسجد دیکھتے ہیں جھانک کر تارے
یہاں ایک پاک مجمع مشتمل ہے کچھ قطاروں پر	جو حرکت کر رہا ہے ایک حافظ کے اشاروں پر
نمازی اس طرح ہیں صف بصف مسجد میں استادہ	کہ جیسے فوج ہو میدان میں طاعت پہ آمادہ
خدا کے پاک بندے محو ہیں فطری عبادت میں	ملک ہوں استادہ، سوادِ شام جنت میں
قرأت چھڑتے ہی اک کیف سا معلوم ہوتا ہے	فرشتہ آسماں سے بولتا معلوم ہوتا ہے
سنائے جا رہا ہے جوش میں قرآن کے پارے	دہن سے بہہ رہے ہیں کوثر و تسنیم کے دھارے
مسلسل جن کو بوچھاروں نے سینچا دھر کائی کو	جنہوں نے آبرو بخشی ریاضِ زندگانی کو
کھنچی جاتی ہے روحِ مست آواز مقدس میں	عناصر وجد میں آ کر گلے ملتے ہیں آپس میں
سراپا گوش بن کر شوق میں محو سماعت ہے	خدا کی حمد میں مشغول پاکیزہ جماعت ہے
اِدھر سیراب ہوتی ہے رگیں زمزم کے پانی سے	فروغ ایمان پاتا ہے اُدھر قرآن خوانی سے
مضامین علم وحکمت کے غذائے فکر دیتے ہیں	تدبر کرنے والوں کو پیام ذکر دیتے ہیں
دکھاتا ہے قصور عالم بالا کے نظارے	کہیں دوزخ کے انگارے کہیں جنت کے گہوارے

محمد سالم قاسمی ۱۳۹۶ھ

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم کے دو صاحبزادے ہیں، بڑے صاحبزادے جناب صہیب قاسمی سلمہ ہیں، جبکہ دوسرے صاحبزادے جناب ڈاکٹر مولانا شکیب قاسمی سلمہ اللہ ہیں۔

جناب صہیب صاحب قاسمی

جناب صہیب صاحب قاسمی کی ولادت ۹ مارچ ۱۹۸۴ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم دیوبند میں حاصل کی، پھر گریجویشن کیا، آپ کا نکاح سن ۲۰۰۹ء میں ہوا، اس وقت لندن میں مقیم ہیں اور برسر روزگار ہیں۔

جناب مولانا ڈاکٹر شکیب قاسمی صاحب

آپ کی ولادت ۸ مارچ ۱۹۸۸ء ۱۷ شعبان ۱۴۰۸ھ میں ہوئی، عزیزم شکیب قاسمی سلمہ اللہ تعالیٰ کے تعلق سے راقم الحروف کو حضرت خطیب الاسلام نے مولانا سفیان قاسمی صاحب قاسمی کا ایک خواب سنایا، جس کو بعد میں مولانا سفیان صاحب نے بھی مجھے سنایا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ خواب مولانا سفیان صاحب قاسمی مدظلہ العالی نے مولانا شکیب قاسمی صاحب کی ولادت سے ایک دن قبل دیکھا، خواب یہ ہے کہ مولانا نے حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت فرمائی، آپ کے ساتھ سیدنا صدیق اکبر بھی ہیں (جو خاندان صدیقی نانوتہ کے جدامجد ہیں) نبی کریم ﷺ نے مجھے حضرت صدیق اکبر کے ذریعہ بلوایا، میں فوراً بھاگا بھاگا حاضر خدمت ہوا، حضور ﷺ ایک حوض پر تشریف فرما ہیں، اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اشارہ کر رہے ہیں کہ ان کو بتلاؤ، چنانچہ تعمیل حکم نبوی ﷺ میں صدیق اکبر نے مجھ سے مخاطب ہوکر فرما رہے ہیں:

تمہارا نومولود بچہ ہماری آغوش رحمت میں پلے گا، مگر تم دنیا سے جلد ہی رخصت ہوگے۔ اس پر میں نے آپ ﷺ سے کہا کہ یارسول اللہ، اس سے بڑی سعادت میرے لئے اور کیا ہوسکتی ہے، اس کے بعد حضور ﷺ نے شکیب کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ لے گئے، خواب لمبا ہے لیکن باقی حصہ خواب کا ذہن میں نہیں رہا۔

اگلے دن مولانا شکیب قاسمی صاحب کی ولادت ہوئی، مولانا سفیان صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ یہ خواب مستقل میرے ذہن میں تھا، وقت گذرتا گیا، اور مولانا شکیب صاحب کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز کا وقت آگیا، تعلیم کی ابتداء روایات سلف کے مطابق تسمیہ خوانی سے ہوئی، اور حضرت خطیب الاسلام نوراللہ مرقدہ نے بسم اللہ کرائی، اور پھر ابتدائی عصری تعلیم حاصل کرنے کے بعد دینی تعلیم دلانے کا فیصلہ لیا گیا، جس کا بچپن ہی سے شکیب قاسمی صاحب کو خود بھی شوق تھا، اور پھر

مولانا قاری نصر الأمین صاحب سے کلام اللہ حفظ کیا، کلام اللہ حفظ کر لینے کے بعد سال سوم تک کی ابتدائی کتابیں شاہ صاحب کی مسجد میں مولانا ابوجعفر بنگلہ دیشی سے پڑھیں۔ اس کے بعد علوم شرعیہ کے حصول کے لئے باقاعدہ ازہر الہند دارالعلوم میں داخلہ لیا، اور اساتذہ دارالعلوم سے کسب فیض کیا، دارالعلوم میں آپ کے اساتذہ میں مولانا مفتی سعید صاحب پالنپوری، مولانا ریاست علی بجنوری، مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی، مولانا شیخ عبدالحق صاحب اعظمی، مولانا نعمت اللہ صاحب اور مولانا قمرالدین قابل ذکر ہیں۔

۱۴۳۰ھ مطابق ۲۰۰۹ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، علوم عربیہ خاص کر عربی زبان میں نکھار پیدا کرنے کے لئے مولانا جامعہ ازہر تشریف لے گئے، اس کے بعد انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا سے آپ نے ماجستیر اور پھر ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کیں۔

۲۰۱۳ء میں آپ کا نکاح مولانا احمد خضر صاحب، شیخ الحدیث دارالعلوم وقف کی صاحبزادی سے ہوا۔

اس کے بعد آپ کا تقرر دارالعلوم وقف دیوبند میں بحیثیت مدرس ہوا، آپ نے ابتدائی کتابیں پڑھائیں، ساتھ ہی ساتھ دارالعلوم وقف کی مؤقر انتظامیہ نے آپ کو عالمی شہرت یافتہ حجۃ الاسلام اکیڈمی کا ڈائریکٹر بنایا، جو تحقیق کے جدید اور سائنٹفک اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بحث وتحقیق کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دے رہی ہے۔ اور علمائے دارالعلوم دیوبند کے لازوال علوم و معارف کو عام کرنے اور عالمی سطح پر متعارف کرانے میں نہایت نمایاں کام کر رہی ہے، اور علمائے دیوبند کے عالمی اہمیت رکھنے والے لازوال تصنیفی کارناموں کی دنیا کی عالمی زبانوں میں ترجمہ کرا کر شائع کرنے کا اہتمام کر رہی ہے، تاکہ اردو زبان سے ناواقفیت رکھنے والا کوئی عالم یا باحث عالم عربی کے مؤقر عالم دین اور باحث شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی طرح پھر کوئی یہ شکایت علمائے دیوبند سے نہ کر سکے کہ آپ لوگوں نے اکابر دارالعلوم کے علوم ومعارف کو عربی زبان میں منتقل نہ کر کے ہمارے ساتھ ناانصافی کی ہے۔

علاوہ ازیں دارالعلوم وقف دیوبند کے ترجمان، ندائے دارالعلوم وقف دیوبند کے مدیر ہیں، جو ہر ماہ انتہائی پابندی کے ساتھ، اعلیٰ علمی اور طباعتی معیاروں کو مدنظر رکھتے ہوئے شائع کیا جارہا ہے، جو نہ صرف فکر دیوبند کا ترجمان ہے، بلکہ اس نے امت کی دعوتی ذہن سازی میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔

اسی طرح مولانا شکیب قاسمی صاحب نے ہندوستان سے پہلا مجلّہ محکم (Refreed Journal) شائع کیا ہے، جس میں دنیا بھر کے عرب وغیرعرب علماء کے اعلیٰ تحقیقی کام شائع ہورہے ہیں، اور جو اپنے اعلیٰ علمی معیار کی وجہ سے علمائے عرب سے داد تحسین حاصل کر چکا ہے۔ علاوہ ازیں حال ہی میں مولانا نے ایک انگریزی رسالہ Voice of Darul Uloom بھی نکالنا شروع کیا، ان کی شبانہ روز محنتوں سے کئی کتابیں بھی چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں، جن میں حیات طیب، عکس احمد وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی علمی وتعمیری کوششوں میں قبولیت و برکت عطا فرمائے اور حاسدین سے حفاظت فرمائے۔

محترم جناب عدنان قاسمی صاحب

محترم جناب عدنان قاسمی کی پیدائش ۱۱؍اپریل ۱۹۵۷ء کی ہے، آپ نے خانوادہ قاسمی میں اس وقت آنکھ کھولی جب اس گھر میں حکیم الاسلام اور خطیب الاسلام جیسے مشفق مربی موجود تھے، جن کی حکیمانہ تربیت کے نمایاں اثرات آپ کی شخصیت میں موجود ہیں۔ ابتدائی تعلیم کا آغاز کلام اللہ سے ہوا، اور آپ نے ناظرہ کلام اللہ پورا کرلیا، پھر جامعہ دینیات کا نصاب مکمل کرنے کے بعد تین سال دارالعلوم میں فارسی خانہ میں پڑھا اور تین سال عربی درجات میں سال سوم تک دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم رہے، اس کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ میں تعلیم حاصل کی۔

آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا، معاملہ فہمی اور سنجیدگی کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت نے خوش الحانی کی دولت سے مالا مال فرمایا ہے۔ آپ کی خاموشی آپ کی شخصیت کی دلنوازی ودلآویزی میں اضافہ کرتی ہے۔

آپ کی خوش الحانی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب صد سالہ عظیم الشان تاریخی اجلاس دیوبند میں ہوا تو دارالعلوم دیوبند کا ترانہ پڑھنے کے لئے جن حضرات کے اسماء گرامی کا انتخاب اکابرین دارالعلوم دیوبند نے کیا ان میں سر فہرست محترم جناب عدنان قاسمی کا نام تھا، ان حضرات نے اس ترانہ کو نہ صرف پڑھا بلکہ اجلاس صد سالہ کی عظمت اور شان کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے پڑھا، بقول جناب عدنان قاسمی صاحب کہ پانچ لوگوں کی ٹیم بنی تھی اور لئے میری تھی، ان کی خوش الحانی کی وجہ سے میں نے اپنی والدہ محترمہ کو بارہا محترم جناب عدنان قاسمی صاحب سے یہ فرمائش کرتے ہوئے

سنا کہ مجھے ایک مرتبہ ترانہ دارالعلوم اپنی آواز میں سنادو، فی الحال دہلی میں مقیم ہیں اور ایک بڑے تاجر کی حیثیت سے معروف ہیں۔ ۱۹۹۰ء تا ۱۹۹۲ء ساؤتھ امریکہ کے ملک چلی میں مقیم رہے۔ اللہ رب العزت آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ جناب عدنان قاسمی صاحب کے ایک صاحبزادے ہیں جن کا نام یاسر ہے اور ایک صاحبزادی ہیں جن کا نام یسریٰ ہے۔

جناب حافظ محمد عاصم قاسمی صاحب

آپ حضرت کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ ۶ جنوری سن ۱۹۶۷ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی اور وہیں سے قرآن کریم حفظ کیا، فی الحال جناب حافظ عاصم صاحب Orlando, USA میں مقیم ہیں اور ایک نہایت انسانیت نواز تاجر ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ مختلف تعلیمی اور فلاحی میدانوں میں انتہائی سرگرم عمل ہیں۔

آپ عالمی شہرت یافتہ ادارے طیب ٹرسٹ انڈیا کے چیر پرسن بھی ہیں، طیب ٹرسٹ، انڈیا ایک فلاحی ادارہ ہے جو انسانیت کے فلاح و بہبود کے لئے مختلف میدانوں میں کام کرتا ہے اور بہت ہی کم قیمت پر ہندوستان میں طبی سہولیات فراہم کرتا ہے، اسی طرح کم قیمت پر مکانات کی تعمیر، مختلف قسم کی مہارتوں کے فروغ اور حادثات کے شکار علاقوں میں امداد کا کام بڑے پیمانے پر کرتا ہے۔

طیب ٹرسٹ کے زیر انتظام ایک ہسپتال دیوبند میں چل رہا ہے جو تمام تر طبی سہولیات کو کم قیمت پر دیوبند اور اطراف دیوبند کے باشندوں کے لئے مسلسل کوشاں ہے۔ جس میں نہایت لائق اطباء کی ایک ٹیم ہے علاوہ ازیں اسی طرح مظفرنگر میں ہوئے فرقہ وارانہ فساد زدگان کے لئے طیب ٹرست نے ۸۵۰ نئے مکانات بنا کر دیئے ہیں۔ طیب ٹرسٹ کے زیر انتظام ہندوستان کے مختلف صوبوں میں مہارتوں کے فروغ کے لئے جگہ جگہ (Skill Centers) مراکز چل رہے ہیں، جناب حافظ عاصم صاحب مندرجہ ذیل اداروں کے صدر بھی ہیں۔

(1) A To Z wrldwide In U.S.A.

(2) Maser Impex Pvt. Ltd India

(3) Automobiles and food products exports

اس سے قبل محترم جناب حافظ عاصم صاحب نے جامعہ دینیات دیوبند سے فاضل دینیات کی

ڈگری بھی حاصل کی ہے، اس کے بعد آپ نے University of Maryland, USA سے Decision Making میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی ہے۔

جناب حافظ عاصم صاحب چار زبانوں پر یکساں قدرت رکھتے ہیں (۱) اردو (۲) انگریزی (۳) اسپینش اور ہندی، بعرض تجارت آپ نے تقریباً ساٹھ ملکوں کا دورہ کیا اور مختلف عناوین پر دنیا کے مختلف مراکز اور اداروں میں لکچر بھی دے چکے ہیں۔

جناب حافظ عاصم قاسمی بہت ہی گوناں گوں خصوصیات کے حامل ہیں، تعمیری اور مثبت سوچ رکھنے کے اعتبار سے آپ اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر ہیں اور خانوادۂ قاسمی کی مثبت تعمیری اور اقدامی سوچ کے وارث ہیں۔

محترم جناب حافظ عاصم قاسمی صاحب کو حق تعالیٰ شانہ نے غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل بنا کر جذبہ خدمت خلق جیسی صفت سے متصف فرمایا، مزید برآں افہام و تفہیم کا جو ملکہ راقم الحروف نے آپ میں دیکھا بہت کم لوگوں میں دیکھنے کو ملتا ہے، بات کرنے کا سلیقہ اور گفتگو کا انداز اس قدر مرتب ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سے یہ وصف بطور خاص آپ میں منتقل ہوا۔

﴿ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء﴾ (سورۃ الجمعۃ: ۴)

راقم الحروف نے آپ کو بہت قریب سے دیکھا اور آپ سے استفادہ کا خوب موقع ملا جب آپ گفتگو فرماتے ہیں تو اپنی بات کو اس قدر سلیقہ وقرینہ اور باوقار لہجہ میں بیان کرتے ہیں کہ سامع کے پاس سوائے تسلیم کرنے کے چون و چرا یا کسی طرح کے سوال کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اس کے علاوہ غریبوں، محتاجوں، معذوروں، آفت زدہ لوگوں، ناداروں کے لئے، بیواؤں و مساکین کے لئے، اسی طرح عام ہندوستانیوں سے ناخواندگی کی شرح کو ختم کرنے کے لئے جو جذبات آپ کے دل میں موجزن ہیں ایسے جذبات کے حامل لوگ اب نادر ہی نظر آتے ہیں۔ اسی لئے ان جذبات کو عملی جامہ پہنانے میں ہمہ تن مصروف عمل ہیں۔

حافظ عاصم قاسمی صاحب کو بھی آواز خاندانی طور پر ورثہ میں ملی، خوش الحانی کے ساتھ بے نظیر قرآن کریم پڑھتے ہیں اور تعلیم قرآن کے سلسلہ میں آپ کے منفرد اور مخصوص تجربات ہیں، جو تجربات تعلیم قرآن کے لئے آپ نے امریکہ میں سیاہ فام لوگوں کو قرآن سکھانے کے لئے کئے، اور مستقل بذریعہ انٹرنیٹ لوگوں کو قرآن پڑھاتے ہیں، ایک واقعہ اس وقت یاد آرہا ہے نقل کرتا چلوں،

میں اور بھائی جان اوکھلا، نئی دہلی میں جناب حافظ عاصم قاسمی صاحب سے ملاقات کی غرض سے ان کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے، مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی، اسی دوران مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا، نماز کے لئے محترم جناب حافظ عاصم قاسمی صاحب نے بھائی جان کو کہا کہ آپ نماز پڑھائیں، لیکن بھائی جان نے ان ہی سے نماز پڑھانے کی درخواست کی، بہر حال ہم لوگوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی، نہایت عمدہ ادائیگی اور خوش الحانی سے قرآن کریم کی تلاوت کی، اپنے خاندان کے بزرگوں کا لہجہ بہت دنوں میں سننے کو ملا تھا، بھائی جان نماز کے بعد مجھ سے کہنے لگے، بڑی غلطی ہوتی اگر آج میں نماز پڑھا دیتا حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنے حفید مکرم جناب عاصم بھائی کے تکمیل حفظ کے مبارک ومسعود موقع پر بہ عنوان ''دعائے طیب'' ایک منظوم دعا بھی لکھی، جو درج ذیل ہے:

ابنِ حافظ ابن حافظ ابن حافظ کا مقام
طیبؔ و پاکیزۂ و قاسم بکف ذی احترام
یہ سعادت فضل رب کا عکسِ کامل بے مثال
یہ سعادت عشرت ہستی کا حاصل بے مثال
اس سعادت کو دعائے طیبؔ و قاسمؔ کہو
یا مسرت بیز لمحے، حسرت سالم کہو
یہ دعاء ہے کیف کا یہ رنگِ نو باقی رہے
فضلِ یزداں کا حسیں آہنگِ نو باقی رہے
علم و فضل و زہد میں اسلاف کا ہو یہ مثیل
ہو حیات عاصمؔ معصوم رفعت کی دلیل
رنگ کامل ہو خدا کے فضل کا الطاف کا
ہو زمانہ بھر میں چرچا حفظ کے اوصاف کا

اس دعاء ہی کا اثر ہے جو آپ کی شخصیت میں نظر آتا ہے، آپ کی ذات فکری ہمہ گیریت کے ساتھ ساتھ تخلیقی صلاحیت کی حامل ہے، آپ کی خوش الحانی سے متاثر ہو کر بعض عرب حضرات نے بہ غرض تراویح امریکہ آنے کی آپ کو دعوت دی، اس کے بعد بقیہ تعلیم وہیں مکمل کی، تعلیم کے بعد تجارتی

مصروفیات کے ساتھ ساتھ واشنگٹن کے اسلامک سینٹر سے بھی وابستہ رہے اور اپنے حلقۂ اثر میں تبلیغ اسلام خاص موضوع رہا، کافی لوگ آپ کی دعوت پر حلقۂ بگوش اسلام ہوئے، حافظ عاصم صاحب نے امریکہ سے مختلف ملکوں میں بغرض تجارت سفر کئے، آپ معاشی استحکام کے بعد اپنے خاندانی بزرگوں سے ملی وراثت یعنی نافعیت کے جذبہ کے ساتھ اپنے وطن ہندوستان لوٹے اور حضرت خطیب الاسلام سے مشورہ کے بعد آپ نے مختلف میدانوں کو دائرہ کار بنا کر اپنی تحریک کا آغاز کیا اور تعلیم، صحت، غریبی کا خاتمہ، معذور اور آفات زدہ لوگوں کی اس طرح مدد کرنے کا نظام بنایا کہ وہ خود کفیل ہوجائیں اور دوسروں کی محتاجگی سے بچ جائیں، اس کے لئے انہوں نے اپنے جد امجد حضرت حکیم الاسلام کے نام پر ایک ٹرسٹ بنائی جس کا نام ''طیب ٹرسٹ رکھا اور اس کا آغاز حضرت خطیب الاسلام کے حکم پر سرزمین دیوبند ہی سے کیا۔

فی الحال آپ بحیثیت چیرمین ''طیب ٹرسٹ'' ہند و بیرونِ ہند مذکورہ بالا میدانوں میں انتہائی خیر خواہی اور جذبہ نافعیت کو سامنے رکھتے ہوئے سرگرم عمل ہیں، اللہ رب العزت آپ کی ان خدمات کو قبول فرما کر لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے اور آپ کے جملہ مقاصد حسنہ میں کامیابی عطا فرمائے۔

صاحبزادیاں

حضرت خطیب الاسلام کی دو صاحبزادیاں ہیں، بڑی صاحبزادی جن کا نام اسماء قاسمی ہے، خاندانی سنجیدگی اور متانت لئے ہوئے ہیں، حضرت کو ان سے خاص انسیت رہی اور بار بار راقم الحروف کے سامنے حضرت نے تذکرہ کیا تو محسوس ہوا کہ پدرانہ شفقت کے ساتھ ساتھ خاص لگاؤ اور ان سے خصوصی ربط اور تعلق ہے، ان کا نکاح چاند پور کے ایک صدیقی خاندان میں محترم جناب اعجاز صاحب سے ہوا، اس وقت نہایت افسوس کے ساتھ یہ بات لکھ رہا ہوں کہ حضرت کے انتقال کے پندرہ ہی دن بعد ان کا بھی انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ محترمہ اسماء قاسمی کا راقم الحروف کی والدہ محترمہ سے بچپن سے ایک خاص ربط رہا۔ آپ نے ایم اے اردو تک تعلیم حاصل کی۔

حضرت کی دوسری صاحبزادی

حضرت کی دوسری صاحبزادی محترمہ عظمیٰ ناہید قاسمی صاحبہ ہیں، آپ اقراء ایجوکیشن فاؤنڈیشن، شکاگو کی ہندوستانی شاخ کی چیرمین ہیں، اس کے علاوہ ملک و بیرون ملک اصلاحی تحریکات سے فعال

وابستگی کی بنیاد پر ملک کی معزز ترین خاتون کی حیثیت سے متعارف ہیں، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ میں خواتین ونگ میں نہایت فعال شخصیت کی حیثیت سے جانی جاتی ہیں۔[1]

حضرت کو ان سے چھوٹی صاحبزادی ہونے کی وجہ سے ایک خاص قسم کا لگاؤ تھا، حضرت کی اس محبت کو ایک خاص قسم کی محبت اس لئے کہا کہ دراصل یہ ایک سنت کا احیاء ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تمام صاحبزادیوں میں سب سے چھوٹی صاحبزادی سیدہ فاطمہ سے خاص قسم کی محبت اور تعلق تھا، اس لئے حضرت خطیب الاسلام کی اپنی چھوٹی صاحبزادی عظمی قاسمی سے ایک خاص قسم کی محبت میں عادت کو نہیں احیاء سنت کو خاص دخل ہے، ہمارے بزرگان دین چھوٹی چھوٹی باتوں اور بظاہر معمولی واقعات سے بھی سنت کو تلاش کر لیتے ہیں۔

آپ کی تربیت میں حضرت کی ذہن سازی اور فکری وعملی قوت کا بڑا دخل ہے، اپنے والد کی فکر سے بھی مستنیر ہیں اور اپنے والد کی قوت عمل سے بھی غیر معمولی طور پر متأثر ہیں۔

آپ کا نکاح انبہیٹہ کے مشہور شیوخ انصاری خاندان اور مولانا عبداللہ انصاری انبہیٹوی کے خاندان سے تعلق رکھنے والے محترم جناب سلمان غازی انصاری صاحب سے ہوا جو مولانا حامد الانصاری غازی صاحب کے صاحبزادے ہیں۔[2]

محترمہ عظمی قاسمی صاحبہ فی الحال ممبئی میں مقیم ہیں اور ہندوستانی مسلم خواتین کے تعلیمی ودینی مسائل کو حل کرنے کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ ملک کے مؤقر رسالوں اور جرائد میں آپ کے مختلف موضوعات پر مضامین چھپتے رہتے ہیں، اور رفاہی کاموں میں مستقل شریک رہتی ہیں، گویا کہ خانوادۂ قاسمی کی علمی وراثت اور نافعیت کے فیض کو آگے بڑھانے میں مستقل شریک اور سرگرم عمل ہیں۔

حضرت خطیب الاسلام کے برادران

حضرت خطیب الاسلام کے چھوٹے بھائی متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی صاحب رحمۃ

[1] پس مرگ زندہ، حضرت مولانا نور عالم خلیل الأمینی استاذ ادب عربی دار العلوم دیوبند

[2] مولانا عبداللہ انصاری کی نانیہال نانوتہ میں راقم الحروف کے خاندان میں تھی اور آپ حضرت حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم النانوتویؒ کے بھانجے تھے، آپ ہی کو حضرت نانوتویؒ نے سرسید رحمۃ اللہ علیہ کی فرمائش پر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی بھیجا اور آپ ہی اس مدرسۃ العلوم (علی گڈھ مسلم یونیورسٹی) میں شعبہ دینیات کے سب سے پہلے ڈین ہوئے اور آپ ہی نے سرسید کی وصیت کے مطابق ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

اللہ علیہ کی شخصیت پر لکھنا اور ان کی زندگی کے کارناموں کا تذکرہ کرنا یہ خود ایک ایسا موضوع ہے جو مستقل ایک کتاب کا متقاضی ہے، اس لئے اس کتاب میں ان کے حالات کا احاطہ تو ناممکن ہے، مگر اختصاراً ان کے تعلق سے چند باتوں کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں۔

متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

قریب کے زمانے میں سرزمین دیوبند کو اپنے جن فرزندان پر بڑا ناز رہا ہے، ان فرزندان کی فہرست میں ایک نام خانوادہ قاسمی کے ایک نہایت باوقار فرد متکلم اسلام حضرت مولانا اسلم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے، جو حضرت خطیب الاسلام کے چھوٹے بھائی اور آپ سے تقریباً عمر میں بارہ ۱۲ سال چھوٹے تھے، حضرت خطیب الاسلام کی پیدائش ۱۹۲۶ء کی ہے جب کہ متکلم اسلام کی پیدائش ۳ جون ۱۹۳۸ء میں ہوئی، حضرت متکلم اسلام کی تسمیہ خوانی خود ان کے والد ماجد نے کرائی جب کہ اس سے قبل تحنیک بھی خود ہی کرائی تھی۔[1]

دارالعلوم دیوبند میں جناب قاری کامل صاحبؒ کے پاس قرآن کریم ناظرہ پڑھا، پھر فارسی خانہ میں داخلہ لے کر چار سال دارالعلوم دیوبند میں فارسی پڑھی، آپ کے فارسی کے اساتذہ میں مولانا بشیر صاحب، مولانا ظہیر صاحب، قاری مشفع صاحب وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، فارسی کی تکمیل کے بعد درجات عربیہ میں داخل ہوئے اور ۱۹۵۹ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی، درجات عربیہ کے اساتذہ میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادی، حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب، حضرت مولانا عبدالاحد صاحب، حضرت مولانا نعیم صاحب اور حضرت خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی دامت برکاتہم جیسے حضرات قابل ذکر ہیں، آپ کو سند حدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہے، لیکن جس سال آپ نے دورہ حدیث شریف کیا، اسی سال حضرت مدنیؒ کا انتقال ہو گیا، ان کے بعد حضرت مولانا فخر الدین صاحب دارالعلوم دیوبند کی مسند حدیث پر جلوہ افروز ہوئے، جن سے آپ نے بخاری شریف کی تکمیل کی، آپ کو ان سے بھی اجازت حدیث حاصل ہے۔ اس عاجز کی ایک مرتبہ حاضری

[1] راقم الحروف نے متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی سے تحنیک کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا تھا کہ میری تحنیک بھی اور تسمیہ خوانی بھی والد گرامی قدر نے خود کی تھی۔

ہوئی تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی درسی خصوصیات کا بہت جامع انداز سے تذکرہ فرمایا اور یہ بتلایا کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری کے اسباق پڑھنے کی سعادت احقر کو ملی لیکن درمیان سال ہی میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا۔ فرمایا کہ مولانا فخر الدین صاحب اگرچہ بڑے محدث تھے لیکن حضرت مدنیؒ کے سبق کی بات کہاں کیونکہ حضرت کے سبق میں تو ہر پانچ منٹ بعد پوری درس گاہ گل گلزار ہوتی تھی، اور مولانا فخر الدین صاحب کے سبق میں نہایت سنجیدگی تھی۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد آپ عصری علوم میں مصروف ہوگئے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان دیا اور عصری علوم میں مہارت حاصل کی، ۱۹۶۹ء دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر ہوا، مختلف شعبہ جات میں آپ نے خدمات انجام دیں، مثلاً ابتداء میں آپ کو ناظم برقیات بنایا گیا اور پھر صد سالہ کے عالمی اجلاس کا آپ کو منتظم اعلیٰ مقرر کیا گیا، جس کے اس منظّم طریقے سے انعقاد میں آپ کا کردار بہت نمایاں رہا۔ دارالعلوم وقف دیوبند کے قیام کے بعد آپ نے یہاں باضابطہ تدریس کا آغاز فرمایا، اور مشکوۃ شریف، ابوداؤد شریف، ترمذی شریف جیسی اہم کتابیں آپ سے متعلق رہیں اور اب گذشتہ کئی سال سے بخاری شریف جلد اول آپ سے متعلق تھی، آپ کا درس طلبہ میں بیحد مقبول تھا، شگفتہ سلجھی ہوئی تقریر ہوتی، الجھی ہوئی عبارتوں اور مشکل ترین مسائل اور مقامات کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ حل فرماتے، اختلافی مسائل میں علماء کے اختلاف اور ان کے صحیح مذاہب کی تفصیلات مستند کتابوں کے حوالے سے بیان فرماتے، پھر ائمہ کے دلائل اور آخر میں امام ابوحنیفہ کے دلائل کا ذکر ہوتا، مگر اس شان سے کہ ائمہ پر کوئی حرف نہ آئے، بخاری شریف میں ترجمۃ الباب کی تشریح اور حدیث سے اس کی مطابقت پر پوری توجہ صرف ہوتی۔

حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری کی وفات کے بعد ۲۰۰۸ء میں آپ کو دارالعلوم وقف کے صدر المدرسین اور ناظم مجلس تعلیمی کے منصب پر فائز کیا گیا جس کو آپ نے بحسن وخوبی انجام دیا، دارالعلوم وقف میں اعلی منصب پر فائز ہونے کے باوجود سادگی اور تواضع کا مجسمہ تھے، تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف سے بھی ان کو خاص شغف تھا، سیرت حلبیہ کا مکمل ترجمہ سیرت پاک کے نام سے سیرت کے موضوع پر ایک اہم مجموعہ ہے جو آپ کے قلم کا شاہکار ہے، آپ بے مثال خطیب، انفرادی شان کے مصنف، مقبول مدرس، سحر طراز صاحب قلم ادیب، بلند فکر شاعر تھے اور رمزی تخلص فرماتے تھے، غرض یہ کہ گوناگوں صلاحیتوں کے حامل تھے، خاموش طبعی کے ساتھ ساتھ متانت، وقار

اور برد باری لئے ہوئے، یورپی ممالک کے اسفار میں اکثر حکیم الاسلام کے رفیق سفر اور حکیمانہ خطاب کے ترجمان ہونے کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل تھا، اجلاس صد سالہ کے ناظم وروح رواں، ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اپنی بے مثال خطابت کے حوالے سے ملک و بیرون ملک مقبول و مشہور تھے اور ہندوستان بھر سے ان کے پاس خطابت اور تقریر کے لئے دعوت نامے آتے رہتے تھے، اور وہ ان تقاضوں کو باوجود تدریسی مصروفیات اور طبیعت کی ناسازی کے پورا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مجھے اس وقت آپ کی خطابت پر ایک دو واقعے یاد آرہے ہیں۔

سن ۲۰۰۰ء کا واقعہ ہے، علی گڑھ مسلم یونیوسٹی کی سیرت کمیٹی نے حسب معمول ایک پروگرام ''سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے عنوان پر منعقد کیا، اس پروگرام میں ہندوستان کے ماہرین سیرت کو دعوت دی گئی ان ہی حضرات میں حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دعوت دی گئی اور کلیدی خطاب بھی آپ ہی کا رکھا گیا، اس میں شعیہ حضرات کے علماء کو بھی دعوت دی گئی تھی، اس زمانے میں راقم الحروف اور میرے بھائی جان بھی وہیں تعلیم حاصل کررہے تھے، بہرحال حضرت نے سیرت کے عنوان پر گفتگو شروع کی، یونیورسٹی کا کنیڈی ہال طلبہ اور اساتذہ سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، یونیورسٹی کے تمام ذمہ داران پروفیسر صاحبان اور ریٹائرڈ حضرات اور خواتین وہاں پر موجود تھے، تین گھنٹہ مسلسل علوم وفنون اور سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر چمنستان سیرت کے بلبل نے نغمہ سرائی کی، وہ منظر اور نقشہ راقم الحروف کے مکمل ذہن میں ہے کسی شخص کی تقریر اس طرح خاموشی سے مسلسل تین گھنٹہ سنتے ہوئے میں نے علی گڑھ کے لوگوں کو کبھی نہیں دیکھا تھا، کس قدر خاموشی تھی مجمع پر اور سب کے سب ہمہ تن گوش تھے، یہ تقریر مکمل ہونے کے بعد جناب پروفیسر ابوالکلام قاسمی[1] سابق چیف ایڈیٹر ''تہذیب الاخلاق''، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے راقم سے فرمایا کہ مولانا اسلم صاحب نے آج حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی یاد تازہ فرمادی، ڈاکٹر نعیم صاحب، پروفیسر ڈاکٹر خورشید صاحب وغیرہمانے تو فرمایا کہ ہمیں افسوس ہوا کہ یہ بیان ختم کیوں ہوگیا۔

[1] پروفیسر جناب ابوالکلام قاسمی دارالعلوم کے فارغ التحصیل ہیں، اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شعبہ اردو کے صدر بھی رہ چکے ہیں، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ترجمان سمجھے جانے والے مشہور رسالے تہذیب الاخلاق کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں، اور عالمی سطح پر آپ کی پہچان اردو کے ادیب اور ناقد کی حیثیت سے ہے۔ موصوف بہت ساری علمی اخلاقی خوبیوں کے مالک ہیں، اور دارالعلوم دیوبند کے فارغین طلبہ سے خصوصی رابطہ رکھتے ہیں۔

دوسرا واقعہ جس کا ذکر اوپر گذر چکا مگر مختصراً عرض کرتا چلوں، راقم الحروف کے چھوٹے بھائی عزیزم محمد طیب کا ۲۲ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا، انتقال جمعہ کے دن ہوا تھا، حضرت متکلم اسلام نانوتہ تشریف لائے، والد محترم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتوی نے حضرت سے درخواست کی کہ حضرت کچھ دیر جمعہ سے قبل صبر پر بیان فرما دیجئے، حضرت متکلم اسلام اٹھے اور ممبر پر تشریف فرما ہوئے اور یہ دریافت کیا کہ وقت کتنا باقی ہے؟ بتایا گیا کہ حضرت خطبہ میں تو پندرہ منٹ باقی ہیں مگر مزید وقت چاہیں تو کوئی مضائقہ نہیں حضرت نے پندرہ منٹ میں ''صبر'' کے عنوان پر جو گفتگو فرمائی اس کے بعد ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے غمزدہ دلوں پر کسی نے مرہم رکھدیا ہو، اس تقریر سے اہل خانہ کو انتہائی تسلی ہوئی۔

راقم الحروف کے زیادہ تر دعوتی اسفار رہتے ہیں اکثر و بیشتر جہاں بھی جانا ہوتا ہے وہاں جا کر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت متکلم اسلام مولانا محمد اسلم صاحب اس علاقے میں تشریف لائے تھے اور ان کے بیانات سے پورے علاقے میں یہ محسوس ہو رہا ہے کہ علاقے والوں کے ایمان تازہ ہوگئے۔

راقم الحروف کی حضرت متکلم اسلام کے ساتھ کئی خاص نشستیں ہوئیں اور جب جب بھی آپ کے پاس سے آتا، ایک نیا جذبہ کام کرنے کا اپنے اندر محسوس ہوتا، اب سے دس بارہ سال قبل ایک مرتبہ خدمت میں حاضری کے موقعہ پر میں نے بتایا کہ والدہ نے خواتین میں ہفتہ واری تبلیغ کا کام شروع کر دیا ہے، یہ سن کر خوشی کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ عزیزہ نے بروقت کام شروع کیا اگر اس سے قبل یہ کرتیں تو بچوں کی تربیت میں کمی واقع ہوسکتی تھی اور فرمایا کہ آپ کی والدہ کی طبیعت میں بڑی صلاح ہے اور یہ صلاح بچپن ہی سے ہے۔ ایک ایسی ہی ملاقات کے موقعہ پر فرمایا کام مسلسل جدوجہد کا نام ہے۔

ایک مرتبہ راقم الحروف اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ ''مطالعہ جب تک غذا کی طرح نہ ہو اس وقت تک انسان علم کی لذت سے نا آشنا رہتا ہے۔''

ایک مرتبہ راقم الحروف اپنے بھائی جان کے ساتھ حاضر خدمت ہوا تو بڑے پُر درد لہجہ میں فرمایا کہ ''ہماری قوم جمود کا شکار ہوگئی، اقدامی صلاحیتیں معدوم سی ہوگئیں'' ابھی آخری ایام میں یعنی وفات سے ڈیڑھ دو سال قبل فرمایا کہ صحت سفر کی اجازت نہیں دیتی اور تقاضے چھوڑتے نہیں، صحت سے اوپر تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد

علیگڑھ سے تعلیم حاصل کی، اور وہیں شعبہ اسلامک اسٹڈیز سے وابستہ ہو گئے، اور ابھی علی گڑھ ہی میں مقیم ہیں۔

حضرت متکلم اسلام کا نکاح مؤرخ اسلام حضرت مولانا محمد میاں صاحب، مؤلف ''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' کی چھوٹی صاحبزادی سے ہوا۔ حضرت مولانا اسلم صاحب کے نکاح کے موقعہ پر حضرت خطیب الاسلام نے ایک تہنیتی نظم لکھی تھی، جو آپ کی بیاض میں لکھی ہوئی تھی۔ اس نظم کے اشعار مندرجہ ذیل ہیں۔

نغمۂ تہنیت برادر عزیز مولوی محمد اسلم سلمہٗ قاسمی کی شادی خانہ آبادی کی پر مسرت تقریب سعید

نذرانۂ اخلاص

حیات نو کی منزل مبارک — وفور شوق کا حاصل مبارک
عزیز اسلم بایں یمن و سعادت — بہ نقد دل بہ نقد دل مبارک
طلوع مہر تابان محبت — عروج فکر سامان محبت
نگاہیں ترجماں، ہیں آج جس کی — مبارک ہو یہ عرفان محبت
جہاں دل میں آب و گل محبت — یہاں رہبر ہے دل منزل محبت
وقار علم سے چہرہ مشین — حیا کی آب سے سہرا مزین
دعائے والدین محترم سے — نگاہ و دل نے کی منزل معین
دعائیں دے رہے ہیں دل ہمارے — قرین اخلاص مندی ہو تمہارے
طلوع شمس عزت ہو یہ سہرا — رہیں جب تلک فلک پر چاند تارے

مولانا اسلم قاسمی صاحب کے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں۔ بڑے صاحبزادے مولانا فاروق صاحب ہیں، جو دارالعلوم وقف دیوبند میں حدیث کے استاذ ہیں، اور دوسرے صاحبزادے جناب ہشام قاسمی صاحب ہیں، جو فی الحال دہلی میں مقیم ہیں، اور ایک کامیاب تاجر ہیں۔ بڑی صاحبزادی محترمہ فوزیہ قاسمی صاحبہ کا کافی پہلے انتقال ہو چکا ہے، دوسری صاحبزادی محترمہ

فرح صاحبہ ہیں، جو متولی فیض الاسلام کاندھلوی کے صاحبزادے جناب محترم بدرالاسلام صاحب کاندھلوی سے منسوب ہیں اور دہلی میں مقیم ہیں۔

آپ نے کئی ماہ کی طویل علالت کے بعد ۱۳ نومبر ۲۰۱۷ء بروز دوشنبہ اپنے اہل خانہ کے علاوہ ہزاروں شاگردوں اور بے شمار فیض یافتہ لوگوں کو داغ مفارقت دے کر داعی اجل کو لبیک کہا اور اس طرح آپ کی وفات سے پورے ایک عہد کا خاتمہ ہوگیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون، احاطہ مولسری میں حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے باپ دادا کے پہلوؤں میں مزار قاسمی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آسودہ خواب ہوگئے۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

پروفیسر اعظم قاسمی صاحب

پروفیسر اعظم قاسمی صاحب دامت برکاتہم حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی ہیں، صاحبعلم، صاحب بصیرت ہیں، چہرہ شائستگی، وقار اور علمی عظمت کا گواہ ہے، سیرت و اخلاق خاندانی شرافتوں کی نمائندہ، اسلامیات میں مہارت کے ساتھ عصری علوم سے بھی آگاہ ہیں اردو ادب کے شہ سوار، انگریزی پر عبور، شعبہ اسلامیات علی گڑھ یونیورسٹی سے تاحیات وابستہ رہے، اللہ تعالیٰ نے زبردست حافظہ بھی عطا فرمایا ہے۔ جناب اعظم قاسمی کو حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ نے ابتداء میں دینی تعلیم دلوانے کی بہت کوشش کی، لیکن انہوں نے دینی علوم کے ساتھ عصری علوم بھی حاصل کیے۔ ان کا نکاح گنگوہ کے مشہور حکیم اجمیری خاندان میں ہوا۔ ان کے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں۔ بڑے صاحبزادے ائیر فورس میں ملازم ہیں جبکہ دوسرے صاحبزادے علیگڑھ میں زیر تعلیم ہیں۔

خطیب الاسلام کی ہمشیرہ ہاجرہ نازلی صاحبہ

ہاجرہ نازلی حضرت حکیم الاسلام کی صاحبزادی اور حضرت خطیب الاسلام کی ہمشیرہ ہیں، ان کی پیدائش ۱۹۲۰ء میں دیوبند ضلع سہارنپور میں ہوئی، جن کی شخصیت پر بھی خانوادہ قاسمی کے علمی اور پاکیزہ ماحول کا اثر پڑا۔

ان کا نکاح مولانا حامد انصاری غازی صاحب سے ہوا، ہاجرہ نازلی صاحبہ نے مختلف مجلّات اور رسائل مثلاً ''سہیل''، ''سہیلی'' اور ''عصمت'' وغیرہ میں لکھ کر اپنی قلمی اور تعلیمی سفر کا آغاز کیا، اور اس طرح اپنے جذبات کی بذریعۂ قلم عکاسی کر کے معاشرے میں پھیلی برائیوں کو ختم کرنے کی سعی پیہم کی، ان کے ذریعہ بہت سی خواتین اور لوگوں کی اصلاح ہوئی۔

ہاجرہ نازلی کا ۲۰۰۴ء میں علی گڑھ میں انتقال ہوا، اس طرح ان کی عمر ۸۴ سال ہوئی، آپ نے تقریباً ۲۴ ناول لکھے، جن میں سے چند کے نام یہ ہیں (۱) صبیحہ (۲) نغمہ (۳) نئے قدم (۴) غم دوراں (۵) غم جاناں (۶) شب آرزو (۷) شبینہ (۸) دو روپ (۹) انتظار سحر (۱۰) نشاط غم (۱۱) ببول کے سائے (۱۲) نمود سحر (۱۳) گھنی چھاؤں تلے (۱۴) خوابوں کے جزیرے (۱۵) ایک گھروندہ برف کا (۱۶) بھیگا دامن، اسی طرح بے شمار چھوٹے چھوٹے قصے اور کہانیاں لکھیں جن کے ذریعہ سماج اور معاشرہ میں پھیلی برائیوں کے خاتمے کی کوششیں فرمائیں۔ ان کی یہ کہانیاں اور قصے ہندوستان کے مشہور رسالوں مثلاً ''بانو'' ''پاکیزہ ڈائجسٹ'' ''شمع'' ''خاتون مشرق'' ''حریم'' ''زیور'' وغیرہ میں شائع ہوئے، ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں ''ان کی کہانی ہے'' ''دولہا بکتا ہے'' ''قہقہہ'' ''ایک مکالمہ'' ''دس ضرب دس اور بس'' ''پرکھ'' ''خواہشیں فریب ہیں'' ''سمٹتی دھوپ'' ''بوڑھے منہ مہاسے'' ''سودا'' ''پیار کی پیاس'' ''مایا جال'' وغیرہ وغیرہ۔

ہاجرہ نازلی ایسی کاتبہ ہیں جن کے ناول اور کہانیوں کی بنیاد اسلامی مبادی واصول ہیں، جن سے ان کا مقصد اخلاق کی پاکیزگی، اپنی اقدار وقیم کی حفاظت اور ایک صالح معاشرہ کی تشکیل ہے۔

بہر حال ہاجرہ نازلی نے یہ سب کچھ کسی باقاعدہ مدرسہ میں داخلہ لے کر نہیں سیکھا، بلکہ یہ سب اس ماحول اور تربیت کا اثر تھا جس میں وہ پروان چڑھیں، راقم الحروف بھائی جان کی معیت میں علی گڑھ میں تعلیم کے دوران کئی مرتبہ حاضر ہوا، ان کا پان کھا کر بڑے خوش اسلوبی کے ساتھ گفتگو کرنا مجھے یاد ہے، انہوں نے درود پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک واقعہ بھی سنایا تھا، جس کو بھائی جان نے ''درود شریف پڑھنے کے فضائل و برکات اور ثمرات'' میں نقل کیا ہے، واقعہ چونکہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اس لئے نقل کرتا ہوں:

''جدہ کے ایک صاحب خیر صاحب ثروت عرب تھے، جن کو اللہ نے بے شمار نوازا تھا، ان کی ایک کمپنی تھی، ان کے تین بیٹے تھے اور تینوں بیٹے ان کے کاروبار میں ان کے معین و مددگار رہتے، تینوں

ایک روز کسی تجارتی سفر پر گئے، واپسی میں جدہ آتے ہوئے کار کا خطرناک ایکسیڈینٹ ہوا اور تینوں کی جائے حادثہ پر ہی موت ہوگئی، یہ بڑا حادثہ تھا، پھر ان کی غالباً اہلیہ کا بھی اس صدمے میں انتقال ہوگیا، کاروبار بڑے لڑکے نے سنبھالا ہوا تھا، اس لئے کاروبار بھی ٹھپ ہونے لگا اور آہستہ آہستہ ان کی کمپنی دیوالیہ ہوگئی، مقروض ہوگئے۔ سب کچھ بکنے کے بعد بھی قرض ادا نہ ہوسکا اور نوبت فاقوں کی آ گئی، کئی کئی دن کے فاقے ہوتے بے انتہا خستہ حال ہوگئے، جب فاقوں پر فاقے ہونے لگے تو ایک دن مدینہ منورہ کا سفر اختیار کیا، بمشکل مدینے پہنچے، فاقے سے تھے، ریاض الجنہ میں گئے اور دو رکعتیں پڑھ کر دعا کی، فاقہ تو تھا ہی، کمزوری کی وجہ سے وہیں لیٹ گئے، آنکھ لگ گئی، خواب میں آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے، فرمایا یارسول اللہ آپ کے غلام سے اب برداشت نہیں ہوتا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بے سہاروں اور بیکسوں کے سہارا ہیں، مصیبت زدوں کے لئے امان ہیں، انکو تسلی دی اور فرمایا کہ پریشان نہ ہو، جاؤ مکہ چلے جاؤ، ہمارے ایک دوست ہیں، ان کا یہ نام ہے اور ان کی کمپنی کا یہ نام ہے، ان کو جا کر ہمارا سلام کہنا، ان کی آنکھ کھلی گھبرا کر اٹھے۔ مسجد نبوی سے باہر آئے، مکہ جانے کے لئے پیسے پاس نہیں تھے، بہر حال بمشکل تمام مکہ آ گئے۔ انہوں نے معلومات کی، ان کی کمپنی کو تلاش کیا، تلاش کرتے کرتے اس کمپنی کے دروازے پر پہنچ گئے۔ کمپنی کے مالک کا نام معلوم کیا، یقین ہوگیا کہ یہی وہ شخص ہیں جن کو آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچانا ہے، انہوں نے کمپنی کے ملازمین اور دروازے پر کھڑے لوگوں سے ان سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا، ان کی خستہ حالی دیکھ انہوں نے ان کو ملانے سے انکار کردیا، کہ بتاؤ تمہیں ان سے کیا کام ہے، انہوں نے کہا کہ کام تو میں ان ہی کو بتا سکتا ہوں، ان سے ملاقات کا اصرار کرتے رہے، صبح سے دوپہر ہوگئی، پھر اس دروازے پر بیٹھ گئے، کہ میں تو ان سے ملنے کے بعد ہی جاؤنگا، کسی ملازم کو رحم آ گیا، اس نے ان کی درخواست جو کمپنی کے مالک تھے ان کو پہنچا دی، کہ ایک خستہ حال شخص ہے جو آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے، کام معلوم کرتے ہیں تو کہتا ہے کہ بس کام ان ہی سے بتا سکتا ہوں، انہوں نے کہا کہ اچھا ان کو اندر بلاؤ اور بٹھاؤ، میں ابھی آتا ہوں، ان کو اندر بلایا گیا، تھوڑی دیر میں تاجر صاحب نے ان کو اندر اپنے آفس میں بلا لیا، یہ آفس میں گئے، انہوں نے پانی وانی پلوایا، پھر دریافت کیا کہ آپ کیسے آئے اور مجھ ہی سے ایسا کیا خاص کام ہے، تو اس پر ان صاحب نے ان کو اپنا پورا واقعہ سنایا اور کہا کہ آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کہا ہے، وہ پیغام لیکر آیا ہوں۔ کمپنی

کے مالک بے اختیار رونے لگے، انہوں نے اپنا غلہ کھولا اور مٹھی بھر کر نوٹ ان کی جھولی میں ڈال دئے اور فرمایا کہ یہ خواب ایک مرتبہ پھر سنائیں۔ انہوں نے پھر سنایا، پھر انہوں نے مٹھی بھری اور ان کی جھولی میں ڈال دی، پھر کہا کہ ایک مرتبہ یہ خواب پھر سنائیں، غرض یہ ہے کہ کئی مرتبہ یہی واقعہ پیش آیا، پھر انہوں نے وہی درخواست کی، تو جدہ کے ان صاحب نے ان سے کہا کہ آپ نے مجھے اتنا مال دے دیا کہ اب اور مزید رکھنے کی میرے پاس جگہ نہیں، اس پر وہ کمپنی کے مالک بولے کہ حضور اگر آج آپ یہ خواب سنانے سے منع نہ کرتے اور سناتے رہتے تو میں اپنی ساری دولت اس خواب پر لٹا دیتا۔ جدہ سے آئے ہوئے صاحب نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہنے لگے کہ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، لیکن جانے سے پہلے میرا آپ سے ایک سوال ہے کہ آخر آپ کا کون سا عمل ہے جس کی بنیاد پر آپ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ حضور کا سلام آپ کے پاس آیا۔ انہوں نے چھپایا تو یہ صاحب کہنے لگے کہ میں یہ مال نہیں لوں گا، جب تک آپ مجھے اس کے بارے میں نہ بتا دیں۔ جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو انہوں نے بتایا کہ میں تو دنیا دار آدمی ہوں اور میرے پاس کوئی عمل ایسا نہیں، ہاں البتہ میری والدہ کا ایک معمول تھا کہ انہوں نے روزانہ ایک تعداد درود پاک کی متعین کی ہوئی تھی، جب تک وہ مکمل نہ ہو جاتی، میری والدہ سوتی نہیں تھیں۔ جب ان کا انتقال ہوا تو انہوں نے مجھے بلا کر اس عمل کی تاکید کی، اس وقت سے میرا یہ معمول ہے کہ میں نے ایک تعداد درود شریف کی متعین کی ہوئی ہے، جب تک وہ مکمل نہیں ہو جاتی، میں کسی بھی حال میں ہوں سوتا نہیں ہوں۔

فاطمہ قاسمی صاحبہ

حضرت کی سب سے بڑی ہمشیرہ فاطمہ بیگم تھیں، حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ کی یہ سب سے بڑی صاحبزادی تھیں، ماسٹر رشید احمد صاحب (بریلی) کے نکاح میں تھیں، تقسیم ملک کے بعد ۱۹۵۰ء میں پاکستان منتقل ہوگئیں اور کراچی میں رہائش اختیار کر لی، وفات کے بعد وہیں مدفون ہوئیں۔

حمیرا قاسمی صاحبہ

حمیرا بیگم صاحبہ حضرت کی ہمشیر تھیں، دیوبند کے معروف گھرانے کے سابق چیرمین اور رئیس دیوبند محتشم صاحب کے صاحبزادے سید احتشام کاظمی سے منسوب ہیں، احتشام صاحب تقسیم ملک

کے بعد کراچی منتقل ہوگئے اور وہیں بودوباش اختیار کرلی، گذشتہ تین دہائیوں سے امریکہ میں مقیم ہیں۔

ان ہی کی رخصتی پر حضرت خطیب الاسلام نے مندرجہ ذیل نظم کہی، جس کا عنوان یہ تھا:

’رخصت ہمشیرہ عزیزہ‘:

اے شریک شیر مادر اے محبت کی شعاع
آج ان لرزاں لبوں پر آگیا لفظ وداع
الوداع اے رونق بزم محبت الوداع
الوداع اے پیکر صدق و دیانت الوداع
الوادع اے مخزن اخلاص الفت الوادع
الوادع اے گلشن طیب کی نکہت الوادع
آگئے ہیں آج وہ لمحے کے تو جانے لگی،
سینۂ ماں باپ سے سن کیا صدا آنے لگی
باپ کا گھر صرف ماضی کی امانت دار ہے
بھر مستقبل تری ذاتی سمجھ درکار ہے
ماں تری گفتار ہوتی تھی سکون و جاں و دل
تم پیام سرخوشی تھی بہر روح مضحل
یاں تری روشن جبیں کا نور ہی تھا کل متاع
جگ مگا دیتی تھی ہرگوشے کو تیری ایک شعاع
یاں تیری ہر بات کو بچپن کیا جاتا شمار
تری معصومانہ ہر حرکت پہ آتا تھا پیار
یاں تری ناعاقبت اندیشیاں وجہ سرور
تھی تری الھڑ نظر میں پختگی کی موج نور
یاں تری ادنی ہنر مندی پہ کھلتے تھے کنول

باعث صد کرب ہوتا تیری پیشانی کا بل
تھر تھراپا ایک آنسو یہ تیری پلکوں پہ گر
کائنات رنگ و بو تاریک تر آتی نظر
الغرض ہر بات سے پاتا تھا دل اک زندگی
اقتضا ماں باپ کی فطرت کا ہوتا ہے یہی،
چند لمحوں کے لئے بھی جب تو فرقت پائے گی،
تجھ کو اس آغوش مادر کی بہت یاد آئے گی
لیکن اے جان پدر اے روح مادر یہ بھی سن
یوں نہیں دنیا میں تیرے اب نہیں گائے گا گن
رام کرسکتی ہے تو سسرال کو اس کام سے
ہے جو وابستہ حمیرہ زندگی کے نام سے
حاصل ماضی تجھے ایک بات سمجھاتا ہوں میں
جاودان عشرت کا نقشہ سامنے لاتا ہوں میں
خدمت سسرال جب حرز جاں بنتی نہیں
ازدواجی زندگی جنت نشاں بنتی نہیں
عصمت ہستی ہے اوج کائنات زندگی
درحقیقت ہے یہی راز ثبات زندگی
سیم و زر کے زیوروں میں حسن ظاہر ہے نہاں
جذبۂ عفت میں باطن تجلی ضوفشاں
سیم و زر کی خواہشیں عورت کی فطرت ہے مگر
حسن باطن پر بھی رکھنی چاہئے اپنی نظر
اب نئے ماحول سے دوچار ہونا ہے تجھے
اجنبی نظروں میں دل کا پیار ہونا ہے تجھے
دیکھ اس ماحول میں رکھنا بزرگوں کا خیال

عظمت اسلاف کے شیشے میں آجائے نہ بال
قاسم نانوتوی کی روح تیرے ساتھ ہے
آبروئے حلقۂ اسلاف تیرے ہاتھ ہے
علم و تقویٰ عمر بھی وابستۂ دل چاہیئے
نیک بنیادوں پہ باہم جذبہ کامل چاہیئے۔

یہ حضرت خطیب الاسلام کی تیسرے نمبر کی ہمشیرہ ہیں۔

عذرا قاسمی صاحبہ

دیوبند کے معزز خاندان ڈاکٹر افضال صاحب سے نکاح ہوا اور نکاح کے ڈیڑھ سال کے بعد ۱۹۵۶ء میں ۲۱ سال کی کم عمری میں وفات ہوگئی، قبرستان قاسمی میں آسودۂ خواب ہیں۔

حضرت کا سراپا

حضرت خطیب الاسلام میرے شیخ اور ان سرپرستوں میں تھے جنہوں نے میرے ساتھ ایسی محبت وشفقت کا معاملہ کیا۔ جس کا اب کسی بڑے یا بزرک سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، آپ کے وصال کے بعد راقم کے جو دعوتی اسفار ہوئے ان اسفار میں حضرت کی یاد آتی رہی، گھنٹوں گزر جاتے، حضرت کے انتقال کے بعد اکثر و بیشتر ان ہی کیفیات سے دوچار رہا۔ حضرت کا سراپا آنکھوں میں گھوم جاتا اور سفر کی تنہائی میں بار بار ہم کلام ہوتا۔

آپ کو اللہ رب العزت نے خوبصورت اور خوش شکل بنایا تھا، مزید برآں آپ خوش لباس وخوش وضع بھی تھے۔ حضرت کا سراپا کچھ اس طرح تھا۔

کتابی چہرہ، سرخ سپید صباحت و ملاحت لئے ہوئے جسم گندم گوں رنگ چھریرہ بدن، اونچی ستواں ناک، بڑی آنکھیں جن میں بلا کی ذہانت کی چمک، متوسط القامت، سر گولائی کے بجائے لمبائی کی طرف قدرے مائل۔ اس پر دو پلی کھڑی ٹوپی، اپنے والد حکیم الاسلام کی دو پلی ممتاز کھڑی ٹوپی کی طرح جوان کی زندگی بھر شان امتیاز رہی۔ گھنی بھنویں، گردن قدرے طویل صراحی نما معیار حسن میں مزید اضافہ کرتی ہوئی، کان ذرا بڑے اور طویل جو ہمارے معاشرہ کے تصور کے اعتبار سے ذہانت وذکاوت کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ داڑھی گولائی سے ذرا لمبی مگر انتہائی خوش وضع، آنکھوں

پر ایک خوبصورت سا چشمہ درمیانی لمبے فریم کا، بڑے سلیقہ مندی کے ساتھ لگا رہتا، عموماً سفر اور خاص طور پر موسم سرما میں شیروانی میں ملبوس جو شخصیت کی جاذبیت میں مزید اضافہ کر دیتی۔ اس شیروانی پر اسی کپڑے کی دو پلی ٹوپی جو مخصوص انداز میں سلی ہوئی ہوتی، ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے کسی نے عزت و رفعت کا تاج پہنا دیا ہو۔

حضرت جب شیروانی میں ملبوس ہوتے اور ہاتھ میں ایک کالے رنگ کی دستہ والی چھڑی ہوتی جس کو دیکھ کر حضرت کے ذوق لطیف کا پتا چلتا مزید برآں محدثانہ باوقار چال، ہر دیکھنے والا محسوس کرتا کہ جیسے کوئی حسین شہزادہ لباس فاخرانہ میں ملبوس، جس کے رخ روشن سے نور نبوت کی شعاعیں پھوٹ رہی ہوں مسکراہٹوں کو بکھیرتا ہوا عظمتوں کا نشان خراماخراما چلا آ رہا ہو۔

حضرت عموماً اسفار میں شیروانی پہنتے، مگر گرمی کے مخصوص ایام میں ایک خاص ململ کا کلیوں والا کرتا زیب تن فرماتے اور اس پر کلف والی سفید رنگ کی ٹوپی اخیر میں جب چلنا بند ہو گیا اکثر و بیشتر جب بھی میں حاضر خدمت ہوا تو حضرت کو ململ کے سفید کرتے میں ملبوس بیٹھا ہوا مطالعہ یا کچھ تحریر کرتے ہوئے پایا، اور سامنے بیٹھ کر ایسا محسوس ہوتا کہ اکابرین واسلاف کی عظمتوں کا ایک علمی موسوعہ انسانی شکل میں ہمارے سامنے بیٹھا ہوا ہے جس کی زندگی میں نظم وضبط اور انتظام وانصرام اس قدر رہا کہ کوئی چیز غیر مرتب اور غیر منظّم نظر نہ آئے، بلکہ مہذب ومرتب قرینہ وسلیقہ مند انسان کا وہ اعلی وارفع نمونہ تھے۔ ان کے پاس جو جاتا اٹھنے کو وہاں سے طبیعت آمادہ نہ ہوتی، ان کی پاکیزگی، قلب اور خلوص وولٰلہیت کی جاذبیت میں مقناطیسی کشش تھی، جب گفتگو فرماتے بامقصد بولتے، بے مقصد اور لایعنی گفتگو سے پرہیز ان کا مخصوص وصف تھا۔

بس اب تو حال یہ ہے کہ حضرت کی شخصیت کا جب تصور بندھ جاتا ہے تو دل بڑا مضطرب رہتا ہے کہ ایسا کہاں سے لائیں نظریں ان گوناگوں صفات کی حامل شخصیت کی متلاشی رہتی ہیں۔

حضرت خطیب الاسلام کے خصوصی اوصاف

حضرت خطیب الاسلام کا علم

جب حق تعالیٰ کسی کے نوازنے کے فیصلے فرماتے ہیں تو اس کو فخر کائنات وجہ تخلیقات جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے اوصاف حمیدہ واخلاق کریمہ سے متصف فرما دیتے ہیں، جب بندہ ان اوصاف سے متصف ہو جاتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کے ہر عمل کو مقبولیت، اس کی نگاہ اور زبان کو قوت تاثیر عطا فرما کر مؤثر بنا دیتے ہیں، اور مخلوق کے لئے اس کی نافعیت ثابت ہونے لگتی ہے جو ہم سب کا مقصد اصلی ہے اور اسی کے لئے ہم مامور بھی ہیں اس مقصد کی تعیین حدیث خیر الناس من ینفع الناس فرما کر جناب رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی۔ جب انسان اپنی نافعیت ثابت کر دیتا ہے تو اس کو لوگوں کو منصب امامت پر فائز فرمایا جاتا ہے، چنانچہ وہ اپنی خیریت اور نافعیت سے دوسروں کو فائدہ پہنچا کر ان کے قلوب و دماغ کو فتح کر لیتے ہیں، یہاں تک کہ ان کی حکمرانی لوگوں کے دل و دماغ پر قائم ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں وہ لوگ ان فاتحین قلوب سے سرمو انحراف نہیں کرتے، بلکہ ان کے ایک اشارہ پر جان کی بازی لگا دیتے ہیں، اور ایسے ہی لوگ دراصل حاکم اور بادشاہ ہوتے ہیں، اقتدار اور سلطنت کا بادشاہ جسموں پر حکومت کرتا ہے، مگر اس خوف کے ساتھ کہ کوئی بغاوت نہ کر دے، برخلاف ان فاتحین قلوب کے کہ ان کی حکومت انسان کے دل و دماغ پر ہوتی ہے، ان کی حکومت کبھی ختم نہیں ہوتی، وہ زندگی میں تو حکومت کرتے ہی ہیں، مگر دنیا سے جانے کے بعد بھی ان کا احترام اور ان کا تقدس ختم نہیں ہوتا۔ ان ہی فاتحین قلوب میں جن کا نام سرفہرست آتا ہے وہ انبیاء و مرسلین ہیں، اور ان میں بھی ہمارے اور آپ کے آقا جناب محمد رسول ﷺ کی ذات رحمت للعالمین سب سے بلند و برتر ہے، پھر وارثین انبیاء علیہم السلام ہیں جن کو ہم علماء ربانیین کہتے ہیں، یہی وہ حضرات ہیں جو اس دنیا میں علم کو اپنے عمل سے اور عمل کو اپنے علم سے زندہ رکھتے ہیں۔ کائنات میں اللہ رب العزت نے اس انسان کو دیگر مخلوقات پر جو برتری اور فوقیت بخشی ہے اور اس کو اشرف المخلوقات بنایا ہے وہ بر بنائے علم ہی یہ امتیاز و شرف بخشا، کوئی بھی عمل بغیر علم کے اپنی اسپرٹ اور روح کھو دیتا

ہے اسی واسطے علماء نے لکھا ہے کہ جتنے اوصاف حمیدہ فطرتاً انسان میں پائے جاتے ہیں ان میں سب سے پہلا وصف اور پہلی صفت علم ہے، اسی وجہ سے قرآن کریم نے اپنی ابتداء ''اقراء'' سے فرمائی۔

اس تمہید مختصر کو ذہن میں رکھ کر خانوادہ قاسمی کا جائزہ لیں تو اس بات کا اعتراف کرنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں کہ خانوادہ قاسمی کا وصف علم نافع اور معلمیت رہا ہے، چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پر صفت علم کا ایسا غلبہ تھا کہ آپ کے اساتذہ آپ کو ''علم کی بکری'' کہتے تھے، پھر آپ کے اندر صفت علم کے ساتھ صفت معلمیت بھی تھی، اور آپ کی اس امتیازی صفت کی وجہ سے آپ کو ''حجۃ الاسلام'' سے ملقب کیا گیا۔ پھر اسی وصف علم سے حضرت حجۃ الاسلام کے صاحبزادے حضرت فخر الاماثل حضرت مولانا محمد احمد صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ''الولد شبه لأبيه''کے مصداق بن کر متصف ہوئے اور اپنے والد کے قائم کردہ اخلاص وللّٰہیت پر مبنی علمی ودعوتی ادارہ کی علمی وفکری آبیاری فرمائی اور اس کو ہندوستانی سطح پر ممتاز علمی وفکری دانش گاہ بنادیا۔

اس کے بعد جب اس دانش گاہ کو حجۃ الاسلام کے نبیرہ خاص حضرت حکیم الاسلام نے سنبھالا تو اکابرین کے تفویض کردہ علمی ورثہ کو ہندوستان کی سرحدوں سے باہر نکال کر بین الاقوامی شہرت کا حامل بنادیا اور اپنے آپ کو علمی اعتبار سے اتنا متفوق رکھا کہ جہاں جاتے جس جگہ جاتے اپنے علمی تفوق کو برقرار رکھتے، اس طرح یہ ادارہ انٹرنیشنل اور بین الاقوامی سطح کا اسلامی ادارہ بن گیا۔ اپنے نام کو اس ادارہ سے اتنا وابستہ فرمالیا کہ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ علیہ کا نام سنتے ہی لوگوں کے ذہن میں دارالعلوم دیوبند کا تاریخی پس منظر ابھرنے لگتا ہے۔ اس کے بعد حکیم الاسلام کی نسبت علمیہ منتقل ہوئی خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ میں ، جو یقیناً اپنی جماعت میں راسخ فی العلم، حسن اخلاق اور دعوتی مزاج زمرۂ اساتذہ میں مخصوص صلاحیتوں کے حامل، علم وفضل کا کوہ گراں، خطابت میں حکیمانہ اسلوب سے متعارف، بصیرت کے جوہر سے آراستہ، وسعت فکر ونظر سے مزین، ایک ممتاز انداز تحریر کی البیلی شخصیت کا عمدہ مرقع، متانت کا پیکر، ذہانت کا آئینہ، فراست کا سرمایہ، احتیاط کامل کی تفسیر، شرافت کی تصویر، لفظ لفظ علم و بصیرت کا ترجمان، جملہ جملہ حکمت وکلام کا دیوان، گفتگو میں آبشاروں کی روانی گویا کہ ایک باران رحمت کا تسلسل ہے، معلومات میں وسعت، دلائل ٹھوس، کتاب وسنت سے مبرھن، غرض یہ کہ کسی بھی ناحیے سے دیکھئے ایک معیاری ومثالی شخصیت ابھر کر سامنے آئی۔ آپ پر بھی اپنے آباء واجداد ہی کی

طرح وصف علم ہی کا تا حیات غلبہ رہا۔ جس کے نتیجہ میں آپ نے تقریر وتحریر کو میدان بنا کر فرزندان توحید وتشنگان علم وطالبان علوم نبوت کو سیراب فرمایا۔

حضرت کے علمی انہماک کا حال یہ تھا کہ بغیر مطالعہ کے ان کو سکون اور قرار نہیں تھا، بلکہ مطالعہ کتب ان کی غذا اور روح کی تسکین کا ذریعہ تھا، مجھے اخیر عمر میں حضرت کے پاس جانے اور حضرت سے استفادہ کا بحمداللہ کافی موقع میسر آیا، میں نے دیکھا کہ حضرت کبھی بھی خالی بیٹھے ہوئے نظر نہیں آئے، ہمیشہ جب بھی خدمت میں حاضر ہوا یا تو کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے پایا، یا پھر کچھ تحریر کرتے ہوئے، حضرت کے دیوان نما پلنگ پر برابر میں انتہائی سلیقے سے کتابیں، جرائد ورسائل، حضرت کی ڈاک یعنی خطوط، تقریظات وملفوظات لکھوانے کے لئے ملک وبیرون ملک سے آئے ہوئے کئی کئی مسودات، حضرت کا بیگ چھوٹے سائز کا جس میں مختلف علمی مشاغل واداوات علم موجود تھے، حضرت کی پروگرام ڈائری چھوٹے سائز کی اور حضرت کی بیاض بڑے قرینے سے رکھی رہتی اور اس کے برابر میں ایک طے ان کتابوں کی جو بطور ہدیہ مؤلفین اپنی نگارشات پیش خدمت ارسال فرماتے۔ صفت علم کا حضرت پر ایسا غلبہ اور رنگ غالب تھا کہ حضرت کے متعلقین بھی اکثر وبیشتر اس کا خاص خیال فرماتے کہ آپ کو جو ہدیہ دیں تو کوئی علمی ہدیہ ہو، کیونکہ آپ علمی ہدیہ سے بے انتہا خوش ہوتے۔

اپنے علمی وقار کا ہر محفل، ہر مجلس سفر وحضر میں خصوصی خیال فرماتے۔ آپ کے چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور گفتگو ہر ہر ادا سے آپ پر علمی وقار جھلکتا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہر علم وفن کا اپنا ایک الگ وقار ہوتا ہے۔ آپ پر علوم نبوت کا وقار غالب تھا، آپ محدثانہ شان رکھتے تھے، اور اس وقار اور اس شان کو زندگی بھر باقی رکھا۔ جب آپ حدیث کا درس، خاص طور پر بخاری شریف کا درس دیتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ ’کانہ ھوالامام البخاری‘ یہ علم حدیث کا وقار تھا، جو آپ کے چہرہ پر تھا، جو دیکھتا تو بس دیکھتا ہی رہ جاتا۔

جاذبیت کا یہ حال جو دیکھتا تو دل گواہی دیتا کہ کسی فرشتہ کی بشکل انسانی زیارت کر رہا ہے، یہ دراصل اس علم حدیث کا نور تھا جس کو آدمی ٹکٹکی باندھے دیکھتا ہی رہے۔

آپ نے بخاری شریف کا تقریباً چالیس سال درس دیا، دارالعلوم وقف دیوبند کے قیام سے قبل آپ دارالعلوم دیوبند میں بخاری شریف جلد ثانی پڑھا چکے تھے، اپنے والد حضرت حکیم الاسلام کی

طرح حضرت کو بھی علم حدیث، فن اسماء الرجال میں بڑا درک تھا، چنانچہ آپ کا بخاری شریف کا درس بڑا مشہور و معروف اور علمی نکات کا ایک خزانہ ہوتا، مجھ کو بھی کئی مرتبہ طالب علمی کے زمانے میں حضرت کے بخاری شریف کے درس میں شرکت اور استفادہ کرنے کا موقع ملا، حضرت جب حدیث پر کلام فرماتے تو کوئی گوشہ اس حدیث کا ایسا نہیں رہتا جو علم وفن کے اعتبار سے محتاج بیان ہو۔ اور جب حضرت یہ فرماتے ''اور اس کے معنی یہ ہوئے'' یا ''یہی وجہ ہے کہ'' تو اس سے کسی اہم علمی نکتہ کی طرف اشارہ ہوتا، اسی طرح مجھے حضرت کے درس بخاری کے آغاز میں کئی مرتبہ شرکت کا موقع میسر آیا، بخاری شریف کی پہلی حدیث 'انما الاعمال بالنیات'' پر جو کلام فرماتے وہ حضرت کے ہی علوم کا حصہ تھا، گویا ایسا محسوس ہوتا کہ حضرت امام بخاری خود اپنی کتاب پڑھا رہے ہیں۔ جس کی وجہ راقم کے نزدیک یہ تھی کہ تدریس آپ کے صرف فرائض منصبی ہی میں داخل نہیں تھی، بلکہ تدریس اور معلمیت آپ کی فطرت اور شوق تھا، اہل فن جانتے ہیں کہ کسی چیز کا شوق رکھنے والا اس فن میں دوسرے تمام لوگوں پر کیسے متفوق ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کام کو اندر کی قناعت سے کرتا ہے، کسی دباؤ یا فرائض منصبی کی ادائیگی کے طور پر نہیں کرتا، عربی کی کہاوت ہے، ''انّٰی یدرک الظالع شأو الظلیع''

اپنے شوق سے انسان کو عشق ہوتا ہے اس کی آبیاری کے لئے وہ مرمٹتا ہے، مجھے اس پر ایک بات یاد آئی کہ جب مشہور سارنگی وادک استاذ بسم اللہ خان کا انتقال ہوا، اگلے دن اخبارات میں ان کے انتقال کی خبر شائع ہوئی، ہندوستان کے ایک مؤقر انگریزی روزنامے The Hindu میں جو رپورٹ شائع ہوئی اس میں لکھا تھا کہ استاذ بسم اللہ خاں نے انتقال سے چند منٹ پہلے آس پاس لوگوں سے کہا کہ مجھے اٹھاؤ، دیکھنے والوں نے سمجھا کہ طبیعت میں کچھ افاقہ ہے، انہوں نے بیٹھتے ہی اپنے کسی قریبی عزیز سے کہا "Where is my Sarangi" میری سارنگی کہاں ہے، وہ سارنگی لائی گئی، اس کو دیکھتے ہی لیٹ گئے اور دس منٹ بعد انتقال ہو گیا۔

یہ ہے اپنے فن سے لگن اور عشق، بس پھر کیا تھا، اسی فن کی وجہ سے پوری دنیا میں مشہور ہوئے، اسی طرح معلمیت بھی حضرت خطیب الاسلام کا شوق تھا۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ جس فن کو آپ پڑھاتے اس کے اصول وکلیات بالکل واضح آپ کے ذہن میں ہوتے تھے اس فن میں کسی بھی ناحیے سے اخفا اور غموض نہ ہوتا کہ سامع کے دل میں کسی طرح کا شک یا کھٹکا پیدا ہو، سند حدیث یا رواۃ حدیث، یا پھر حدیث کے قوت وضعف پر

جب کلام فرماتے تو ایسا محسوس ہوا کہ گویا فن اسماء الرجال کا کوئی امام گفتگو کررہا ہو۔

یہ صرف فن حدیث ہی کی بات نہیں، جس علم کو بھی پڑھایا خواہ وہ حدیث ہو، اصول حدیث ہو علم کلام ہو، تفسیر ہو، فقہ یا اصول فقہ ہو، علم بیان ومعانی یا فلسفہ ومنطق ہو، ہر فن کو اسی علمی تبحر کے ساتھ پڑھایا گویا کہ آپ اس فن کے امام ہیں، اس کی گواہی حضرت کے بے شمار تلامذہ نے مختلف مواقع پر دی ہے، جو آپ کے تبحر علمی کے معترف ہیں۔

حضرت جب بھی کہیں تقریر فرماتے یا درسی تقریر فرماتے یا آپ کی کوئی علمی مجلس ہوتی تو آپ کا کلام حشو وزوائد سے بالکل پاک ہوتا یہ صفت انسان میں بڑے علمی درک کے بعد پیدا ہوتی ہے۔

ایک بات علمی اعتبار سے جو راقم نے خاص طور پر حضرت میں محسوس کی وہ یہ کہ حضرت اپنے آپ کو علمی اعتبار سے بڑا متفوق رکھتے اور اپنے معلومات کے دائرہ کو حالات حاضرہ کے اعتبار سے روزانہ وسیع کرنے کا اہتمام کرتے۔ علوم شرعیہ واسلامیہ کے اصول وکلیات پر نظر ہونے کے ساتھ ساتھ جزئیات اور جزوی مسائل پر گہری نظر اور استحضار تھا۔

اسی طرح یہ بات بھی دیکھنے میں آئی کہ حضرت علمی اعتبار سے قناعت کے قائل نہ تھے، بلکہ علم کے بحر بے کراں میں مستقل غواصی کر کے نئے نئے موتی نکالتے اور مزید متلاشی رہتے۔ بقول اقبال

نہ ہو قناعت شعار گلچیں اسی سے قائم ہے شان تیری
وفور گل ہو اگر چمن میں تو اور دامن دراز ہوجا

آپ کی علمی بصیرت اور تفقہ فی الدین کا اندازہ آپ کی تقاریر وخطابات اور آپ کی تحریروں سے لگایا جاسکتا ہے، آپ کی تحریروں اور تقاریر کے چند نمونے میں نے کتاب میں شامل کئے ہیں، جن سے آپ کی علمی بصیرت اور فقاہت تمام علمی حلقوں میں مسلم تھی۔

جب بھی میرا حضرت کی خدمت میں جانا ہوا اور میں نے کوئی علمی ہدیہ حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت نے جو کلمات عالیہ بطور اظہار خوشی ومسرت ارشاد فرمائے وہ کلمات جہاں مجھ ناچیز کے لئے ایک قیمتی سرمایہ ہیں وہیں حضرت کے ذوق علم اور فکری بصیرت کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔ بقول اقبالؔ

نہیں ہے تیرے علم و عشق کی انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر ساز فطرت میں نوا کوئی

حضرت خطیب الاسلام کو ان تمام علوم میں علم کلام سے فطری مناسبت رہی، چنانچہ شرح عقائد جو اس فن کی اہم ترین اور بنیادی کتاب ہے۔ اس میں آپ کا درس بڑا مشہور تھا، طلبہ حضرت کے درس میں دوسری درسگاہوں سے آکر شریک درس ہوتے اور ذہین طلبہ تو آپ کے درس کو محفوظ فرمالیتے، آپ کے تلامذہ میں بہت سے حضرات نے شرح عقائد کے درس کو لکھ کر اس وقت محفوظ فرمالیا تھا۔

علم کلام سے حضرت حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کو بڑی مناسبت تھی، بلکہ آپ کو تو علم کلام کا مجدد مانا جاتا ہے، یہ فن حضرت کے تلامذہ سے حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند میں منتقل ہوا، پھر ان سے ان کے صاحبزادے حضرت خطیب الاسلام میں یہ فن بطور نسبت منقل ہوا، چنانچہ بعض مواقع پر جہاں اس فن پر گفتگو ہوتی تو حضرت کا ہمسر کوئی نظر نہیں آتا تھا، اور اس فن کے اثرات آپ کی تقاریر اور تحریروں میں نظر آتے ہیں۔

حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ کے علمی اور دعوتی مزاج کے تعلق سے اس واقعے کا تذکرہ ناگزیر معلوم ہوتا ہے، جس کا تذکرہ راقم الحروف سے جناب اعظم قاسمی صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا، ابھی کچھ روز قبل ایک ضروری کام سے میں اور بھائی جان علی گڑھ حاضر ہوئے تھے، جناب قاسمی صاحب کے دولت خانے پر حاضری ہوئی، انہوں نے حضرت کے تعلق سے بہت سی مفید معلومات فراہم فرمائیں، میں نے معلوم کیا کہ حضرت کا علی گڑھ سے متعلق کوئی خاص واقعہ ہو تو اس کی نشاندہی فرمادیں، اس پر انہوں نے یہ مندرجہ ذیل واقعہ سنایا۔

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی کورٹ کے ممبر تھے اور جناب محمود الرحمٰن صاحب مرحوم کا زمانہ تھا، وہ اس وقت وہاں کے شیخ الجامعہ تھے، ان کا دور بہت ہی افراتفری کا گذرا، اور کئی مرتبہ یونیورسٹی ان کے زمانے میں غیر معینہ مدت تک بند رہی، کیونکہ وہ یونیورسٹی کے شیخ الجامعہ بن کر کشمیر سے آئے تھے، اور کشمیر کیڈر کے افسر اعلیٰ تھے، اس لئے ان کے بارے میں یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ ان کو یونیورسٹی میں دہشت گرد نظر آتے ہیں، اسی طرح ان کے دور میں تعمیراتی کام بہت زیادہ ہوئے، اور تعلیمی نظام کئی مرتبہ مختل ہوا، اگرچہ انہوں نے بہت سارے ناجائز قبضے بھی یونیورسٹی سے ہٹائے، اور یونیورسٹی کی املاک کو محفوظ کیا، لیکن بعض باتوں کے لئے بعض لوگ مشہور ہوجاتے ہیں، یہ باتیں حضرت تک بھی اخبارات کے ذریعہ پہنچتی تھیں، شیخ الجامعہ کی مدت ہر یونیورسٹی میں پانچ سال کی ہوتی ہے جب وہ مدت قریب الانتہا تھی تو انہوں نے یہ کوشش کی کہ وائس

چانسلری کی دوسری مدت کے لئے بھی مجھے موقعہ مل جائے، شیخ الجامعہ کے انتخاب میں یونیورسٹی کی روایات کے مطابق عمل یہ ہے کہ پہلے یورنیورسٹی کورٹ کے ممبران پانچ نام منتخب کرکے منسٹری بھیجتے ہیں، اور پھر وہ تین ناموں کا انتخاب کرتا ہے، اوراخیر میں پھر صدر جمہوریہ ان میں سے ایک نام کا انتخاب کردیتا ہے، اس لئے جناب محمود الرحمٰن صاحب نے ایک روز عشاء کی نماز کے بعد حضرت خطیب الاسلام کوفون لگایا اور اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا، اور درخواست کی کہ آئندہ کورٹ کی میٹنگ میں آپ اپنا ووٹ میرے حق میں دے دیں، تاکہ مجھے ایک مرتبہ مزید ادارے کی خدمت کا موقعہ مل سکے۔حضرت نے فرمایا: آپ نے مجھے فون کیا اس کے لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں، البتہ آپ کے پانچ سالہ دور میں یونیورسٹی میں تعمیرات پر زور دیا گیا ہے، تعلیمات پر زور نہیں دیا گیا، اور میں اپنا ووٹ تعلیم کے حق میں دوں گا۔اس جملے سے حضرت کی علم دوستی اور علمی مزاج کا مکمل اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت خطیب الاسلام کا حلم

حلم یہ دراصل صفت ہے حق تعالیٰ شانہ کی، اللہ رب العزت کے صفاتی ناموں میں ایک نام حلیم بھی ہے، ارشاد عالی ہے: ''اِنَّـهُ كَـانَ حَـلِيْـماً غَفُوْراً'' حق تعالیٰ شانہ نے اپنے بعد میں اپنی مخصوص صفت کا حامل سب سے زیادہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو بنایا، چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خاص طور پر قرآن کریم نے اس صفت کا تذکرہ فرمایا، ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَحَلِمٌ أَوَّاهٌ مُنِيْبٌ﴾ (سورہ ہود: ۷۵)

انبیاء علیہم السلام کے بعد نائبین ورسول ووارثین انبیاء میں سب سے زیادہ یہ صفت پائی جاتی ہے، ان ہی نائبین انبیاء میں ایک نام حضرت خطیب الاسلام کا بھی ہے، جن کو حق تعالیٰ شانہ نے بطور خاص صفت حلم سے متصف فرمایا۔

حلم کس کو کہتے ہیں: حلم یہ عربی زبان کا لفظ ہے، اوراس قدر جامع لفظ ہے کہ اس کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں ممکن ہی نہیں، حلم کا ترجمہ عام طور پر اردو زبان میں ''بردباری'' سے کردیا جاتا ہے، مگر درحقیقت یہ خاص صفات کے مجموعہ سے جو مرکب بنے گا اس کا نام حلم ہے، چنانچہ جو شخص جلد باز نہ ہو، غصہ ور نہ ہو، مغلوب الجذبات نہ ہو، عقل وفہم رکھتا ہو، نفس کے ہیجان کی صورت میں مشتعل نہ ہو، زبان پر قابو رکھتا ہو مزید برآں تدبر وتفکر کی صلاحیت ہو ایسے شخص کو کہا جائے گا کہ یہ

صفت حلم سے متصف ہے۔ ان تمام اعتبارات سے حضرت خطیب الاسلام انتہائی حلیم الطبع واقع ہوئے تھے اور یہ صفت آپ کو اپنے والد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سے ورثہ میں ملی تھی، کیونکہ آپ اپنے والد کے تربیت یافتہ تھے اور اپنے والد کو سلیم المزاج حلیم الطبع دیکھا تھا، شدید ترین مخالف حالات میں اپنے والد کو صبر وحلم کا کوہ استقامت پایا تھا، ان کو بچپن سے دیکھا تھا گھر اور باہر کی زندگی کا مشاہدہ بہت قریب سے کیا تھا، بقول حضرت خطیب الاسلام: ''میں نے اپنی زندگی میں ابا جان سے زیادہ حلیم الطبع انسان نہیں دیکھا۔'' وہی کیفیت اور نسبت منتقل ہوئی حضرت خطیب الاسلام میں، چنانچہ آپ ''اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْهِ'' کا مصداق ثابت ہوئے: اس طرح یہ صفت اس خانوادہ قاسمی کا ایک وصف امتیازی بن گیا۔

خانوادۂ قاسمی کے حلم کے چرچے محفلوں میں مجالسوں میں سنے اور زبان زد عام وخاص دیکھے، سخت سے سخت مخالف کو بھی معترف ہونا پڑتا اور اس کا اقرار واعتراف کرتا کہ جماعت دیوبند میں حضرت خطیب الاسلام جیسا صاحب علم وصاحب حلم کم ہی نظر آتے ہیں۔

راقم الحروف مدینہ منورہ میں ایک ایسی مجلس فروری ۲۰۱۸ء میں شریک تھا جہاں مختلف مزاج کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے، اس میں مغربی یوپی کے اضلاع کے لوگ مثلاً بجنور، مظفرنگر، سہارنپور اور کچھ حضرات دیوبند کے تشریف فرما تھے، گفتگو ہورہی تھی دارالعلوم قدیم یعنی حضرت حکیم الاسلام کے زمانہ کا دارالعلوم اور موجودہ دارالعلوم پر، دوران گفتگو حضرت حکیم الاسلام کا تذکرہ آیا اور آپ کے دور اہتمام کے واقعات ذکر ہونے لگے، اس میں آپ کے حلم کے واقعات کچھ حضرات نے سنائے، اس کے بعد حضرت خطیب الاسلام کا تذکرہ آیا، ان میں سے بعض حضرات وہ تھے جو بظاہر خانوادہ قاسمی سے ہم آہنگ نہ تھے، مگر جب حلم کا تذکرہ آیا تو بس بیک زبان معترف ہوئے راقم الحروف کا حضرت سے اصلاحی تعلق ورابطہ رہا، حضرت نے کبھی کسی بات پر یا کسی غلطی پر ڈانٹا نہیں، بلکہ چھوٹی چھوٹی کوششوں کو اس قدر سراہتے کہ مزید کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوجاتا، اسی وجہ سے حضرت سے میں اپنی دینی واصلاحی، ذاتی اور دنیوی امور میں بلا جھجک مشورہ کرلیتا اور جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خوف نہیں تھا کہ حضرت کسی بات پر ڈانٹ دیں گے۔

یہ معاملہ حضرت کا میرے ہی ساتھ نہیں بلکہ وہ لوگ بھی جو حضرت سے اپنا اصلاحی تعلق رکھتے ہیں ان حضرات کے ساتھ بھی حضرت کا یہی طرز تعامل رہتا، یہ صفت دراصل نبی کریم ﷺ کی ہے

کہ آپ ہر موقع پر اپنے اصحاب کے ساتھ بلکہ دشمنوں کے ساتھ بھی عفو و درگذر اور حلم کا مظاہرہ فرماتے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام میں سے ہر شخص یہ سمجھتا کہ نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ محبت مجھ سے ہی فرماتے ہیں۔ حضرت کا برتاؤ بھی اپنے تمام متوسلین کے ساتھ ایسا ہی رہتا، ہمارے مخدوم مکرم حضرت مولانا شاہد صاحب مدظلہ العالی خادم خاص حضرت خطیب الاسلام تقریبا پچیس سال سفر وحضر میں حضرت کے ساتھ رہے ایک لمبی مدت تک حضرت کی خدمت کا موقع میسر آیا، مگر کبھی حضرت نے ان کو کسی غلطی پر ڈانٹ ڈپٹ نہیں فرمائی، بقول حضرت مولانا شاہد صاحب کہ ''حضرت غلطی پر اس طرح اصلاح فرماتے کہ اصلاح بھی ہوجاتی اور دل میں مزید احترام پیدا ہوجاتا، مولانا نے راقم کو بتایا کہ حضرت نے مجھے کبھی ڈانٹا نہیں۔''

حضرت خطیب الاسلام کے اعلیٰ اخلاق کے سلسلے میں مولانا شاہد صاحب کی یہ شہادت خادم رسول ﷺ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی شہادت کے کس قدر مشابہ ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال خدمت کی، مجھے یاد نہیں کہ کبھی رسول اللہ ﷺ نے مجھے ڈانٹا ہو، یا یہ کہا ہو کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور یہ کام کیوں نہیں کیا، اگر اہل خانہ نے مجھے جھڑکا تو آپ ﷺ نے اسے روک دیا، رہنے دو، اس کو کچھ نہ کہو، جو ہونا تھا وہ ہوگیا، تقدیر میں یہی تھا۔[1]

اس طرح حضرت کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا اقبال صاحب جوگیشوری نے اپنے دولت کدہ پر راقم کو بتایا کہ ''سفر میں ہم ساتھ رہے کبھی کسی بھی طرح کی غلطی ہوئی کبھی ڈانٹا نہیں اور ہر ہر بات کی خبر گیری فرماتے، دینی اصلاح کے ساتھ دنیوی کاروبار اور دنیوی زندگی کے دوسرے مسائل میں بھی ہمیشہ مفید مشورے دیتے۔''

جس کا رویہ اپنے چھوٹوں کے ساتھ ایسا مشفقانہ ہو کہ اس کے چھوٹے اس کی ذات سے ہر طرح کے منفی رویوں سے مامون ہوں، ایسی شخصیت کے چلے جانے کے بعد نظریں ہر موقع پر ایسے کردار کی متلاشی رہتی ہیں جو کردار اس کی تلافی کر سکے، لیکن جب اس کردار کی حامل شخصیت نظر نہیں آتی تو پھر اس کی یادیں بہت ستاتی ہیں۔ میرا سفر ۲۶ رمئی ۲۰۱۸ء کو ناگپور کامٹی کا ہوا وہاں میری ملاقات حضرت خطیب الاسلام کے ایک تلمیذ رشید حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب امام وخطیب جامع مسجد کامٹی سے ہوئی، حضرت مفتی صاحب حضرت کا تذکرہ فرما کر حضرت کی شفقت کو یاد کر کے اس قدر

[1] مسند احمد ج۳ ص۲۳۱

روئے کہ بے قابو ہو گئے۔ یہ آنسو اسی کردار کی وجہ سے نکلے جو حضرت کا برابر اپنے سے چھوٹوں کے ساتھ تھا۔

رمضان ۱۴۳۹ھ سے چند دن قبل راقم نے حضرت مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی سے رابطہ کیا، حضرت نے بتایا کہ حضرت خطیب الاسلام میرے آخری استاذ باقی رہ گئے تھے، اب میرا کوئی استاذ باقی نہیں، سب انتقال فرما چکے، اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ مجھے حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند اور حضرت خطیب الاسلام دونوں ہی سے استفادہ کا موقع ملا ان دونوں حضرات کے چہروں پر میں نے کبھی غصہ نہیں دیکھا اور ہمیں یاد نہیں کہ دوران درس ان دونوں حضرات نے کبھی طالب علم کو ڈانٹ دیا ہو، اس کے بعد حضرت مولانا اسرار الحق قاسمی دامت برکاتہم کی آواز ان حضرات کے کردار اور مشفقانہ رویہ کو یاد کر کے بھرا گئی۔ یہ حلم ایسی ہی صفت ہے جو انسانی عظمتوں کو چار چاند لگا کر وقار بخشتی ہے۔

جو انسان حلیم ہوگا، وہ کبھی بھی کوئی فیصلہ ایسا نہیں کرے گا جو بعد میں اس کے لئے ندامت کا باعث بنے، وہ حاسد نہیں ہوگا، وہ کینہ ور نہیں ہوگا، وہ ظالم نہیں ہوگا، وہ شری نہیں ہوگا وہ جذباتی اور ناعاقبت اندیش نہیں ہوگا، اسی طرح حلیم انسان کوئی بھی سطحی بات نہیں کرے گا، تنگ نظر نہیں ہوگا۔

حضرت خطیب الاسلام صفت حلم سے اسی طرح متصف تھے جیسے کے ان کے والد بزرگوار حضرت حکیم الاسلام متصف تھے، اور اس صفت کا ان پر اتنا غلبہ ہوا کہ جماعت دیوبند میں ان حضرات کو اس صفت کی وجہ سے ممتاز قرار دیا جانے لگا، چنانچہ ان کی حلیم المزاجی زبان زد عام و خاص ہوگئی، میں جہاں بھی دعوتی سفر میں گیا اور ان دونوں بزرگوں کا تذکرہ ہوا تو کوئی نہ کوئی واقعہ ضرور ایسا سننے کو ملا جو ان کی حلیم المزاجی اور قوت برداشت کا بین ثبوت ہے۔ حضرت خطیب الاسلام کی حلیم المزاجی پر ایک واقعہ حضرت مولانا اشرف علی باقوی سابق مہتمم سبیل الرشاد بنگلور اور امیر شریعت کرناٹک نے مجھے سنایا کہ حضرت کرناٹک کے دعوتی سفر میں تھے دو دن قیام بنگلور میں تھا، کسی صاحب نے حضرت کی دعوت کی حضرت نے فرمایا کہ میزبان سے معلوم کرلیں نظام ان ہی کے پاس ہے۔ وہ صاحب حضرت سے کہہ کر چلے گئے اور اگلے روز لینے کے لئے آ گئے انہوں نے ذمہ داران کو اطلاع دینا گوارا نہ کیا جب حضرت نے ان سے کہا کہ آپ نے ذمہ داران کو اطلاع دی تھی انہوں نے کہا کہ میں تو آپ کو جانتا ہوں اور میرے یہاں دیگر مہمان بھی آرہے ہیں دعوت کے سب انتظامات گھر والوں

نے کر لئے، بلکہ اپنی اس غلطی کو حضرت پر ڈالتے ہوئے جیسے حضرت نہ جانا چاہتے ہوں کچھ دیگر ذمہ داران پر اظہار ناراضگی بھی کیا، حضرت خطیب الاسلام نے جب یہ دیکھا کہ اختلاف کا اندیشہ ہے، اور ان حضرات کے آپسی تعلقات میں ناچاقی پیدا ہوسکتی ہے، تو حضرت نے غیر معمولی حلم کا مظاہرہ کرتے ہوئے ذمہ داران کو الگ سے بلا کر سمجھا دیا کہ ان کی دعوت کو قبول کر لینا ہی آپ کے لئے اور ہمارے لئے عافیت کا ذریعہ ہے اور یہی حکمت کا تقاضہ بھی ہے، ہاں البتہ پہلے کھانا میں آپ حضرات کے ساتھ کھاؤں گا اس کے بعد ان کے یہاں جاؤں گا، چنانچہ ان صاحب سے فرمایا کہ آپ نماز ظہر کے بعد پونے تین بجے تشریف لے آئیں میں اور بعض احباب آپ کی دعوت میں ضرور جائیں گے۔ اس طرح حضرت نے معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر حلم کا مظاہرہ فرما کر دونوں فریقین کی دلجوئی فرمائی اور ایک دوسرے کو بدگمانی میں مبتلا ہونے سے بچالیا۔

اسی قوت حلم پر ایک اور واقعہ مجھے یاد آ گیا نقل کرتا چلوں، یہ واقعہ مجھے میرے والد صاحب نے سنایا، واقعہ یہ ہے کہ جب دارالعلوم دیوبند سے باقاعدہ انسلاک ختم ہوگیا تو میں نے چند شریوں کو ''طیب منزل'' کے سامنے دیکھا کہ وہ للکار للکار کر حضرت کا نام لیتے تھے اور حضرت کو مغلظات بک رہے تھے، مگر حضرت کی طرف سے کوئی جواب ندادر، اسی طرح بقول والد محترم حضرت خطیب الاسلام اپنے گھر سے باہر نکلے اور طیب منزل میں مین دروازہ سے داخل ہونے کے لئے باہر سڑک پر تشریف لائے، یا مین کے ہوٹل کے پاس کھڑے ہوکر چند ناعاقبت اندیشوں نے حضرت کو برا بھلا کہنا شروع کیا، میں نے ان کو منع کیا برباد ہوجاؤ گے یہ کام مت کرو، مگر وہ نہ مانے اور حضرت انتہائی حلم قوت برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے خاموشی کے ساتھ خراماں خراماں گذر گئے، کسی کو پلٹ کر یہ بھی نہ فرمایا کہ بھائی آخر مجھے بلا وجہ گالیاں کیوں دے رہے ہو۔

میں نے ان حضرات کو دیکھا کہ دنیا باوجود کشادگی کے ان پر تنگ ہوگئی اور ان کا انجام اور اخیر بہت برا ہوا، حسن خاتمہ کے بھی لالے پڑ گئے، خودکشی کر کے اور غلاظت کھا کھا کے مرے۔

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم نے بتایا کہ سخت سے سخت مخالف بھی بھائی صاحب کے پاس اگر آجاتا تو میں نے بارہا محسوس کیا کہ اتنا ہی آپ کے حلم میں اضافہ ہوجاتا۔ جتنی زیادہ کوئی بدتمیزی کرنا، اتنا ہی بھائی صاحب کا حلم بڑھے گا، یہی صفت سیرت کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کی بیان کی گئی ہے۔ چھوٹوں کے ساتھ حلم کا الگ معاملہ، بڑوں کے ساتھ الگ، مخالفین اور

دشمنوں کے ساتھ الگ، گھر والوں کے ساتھ معاملہ مختلف، اپنے چھوٹوں سے کیسی بھی غلطی ہو جاتی معاف فرما دیتے، بقول حضرت مولانا اقبال صاحب جوگیشوری وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت کے ساتھ عمرہ کے سفر میں تھا، سفر کے دوارن مجھ سے (اقبال بھائی سے) حضرت کا دھوپ کا بڑا قیمتی چشمہ زمین پر گر کر ٹوٹ گیا۔ میں نے گھبرا کر حضرت کی طرف دیکھا تو حضرت مسکرا رہے تھے، کوئی ڈانٹ ڈپٹ یا ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا۔

اسی طرح حضرت مولانا شاہد صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ پچیس سال کے عرصہ میں مجھ سے نا جانے کس قدر غلطیاں ہوئیں، خدمت میں کوتاہی ہوئی، مگر کبھی کسی بات پر ڈانٹا نہیں، نہ زبان سے ڈانٹا نہ رویوں سے ڈانٹا، بلکہ ہمیشہ کسی بھی غلطی پر ایسا نرم لہجہ اختیار فرماتے کہ آپ کے منہ سے شفقت کے پھول برس رہے ہوں، خود راقم الحروف کو یاد نہیں کہ کبھی کسی غلطی یا کوتاہی پر ڈانٹ ڈپٹ یا غصہ خفگی کا اظہار فرمایا جب حضرت کا وصال ہو گیا تو بقول حضرت مولانا محمد شاہد صاحب دامت برکاتہم کہ مولانا! مجھے اپنے حضرت کی شفقتوں کی یادیں بہت رلا رہی ہیں۔

حضرت کے تمام ہی ان شاگردوں اور متوسلین کا جن سے میری ملاقات ہوئی یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت کی زبان اور رویہ سے کبھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ کبھی آپ نے کوئی عمل ایسا کیا ہو جو صفت حلم کے منافی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت میں دو صفات بڑی نمایاں تھیں اور دونوں ہی آپ کی ذات کا جزو لا ینفک بن گئی تھیں۔ یعنی صفت علم اور صفت حلم۔

حضرت خطیب الاسلام کی شان تواضع

حضرت خطیب الاسلام کو علم کی دولت سے مالا مال فرما کر صفت حلم سے بھی حق تعالیٰ شانہ نے نوازا تھا، کیونکہ علم کو برداشت کرنے کے لئے ظرف، تحمل اور بردباری چاہئے

یہی وجہ ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص حلیم ہوگا وہ متواضع ضرور ہوگا اور جس شخص میں علم بھی ہو اور حلم بھی وہ غیر معمولی درجہ کا متواضع انسان ہوگا، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ملفوظ احیاء علوم الدین میں نقل فرمایا کہ: بڑا خوش نصیب ہے وہ انسان جس کو علم کی نعمت سے مالا مال کیا گیا ہو اور پھر وہ تعلی و تکبر سے بچا لیا جائے۔''

یعنی علم ے ساتھ اگر تواضع نہیں ہے تو یہ علم انسان کے لئے مارِ آستین بن سکتا ہے۔ اور انسان

میں تواضع جب تک پیدا نہیں ہوسکتی جب تک اس میں صفت حلم نہ ہو، اور حلم بغیر صالحین کی صحبت کے کسی میں پیدا نہیں ہوتا۔

اس لئے صفت علم وصفت حلم کے بعد حضرت کی شان تواضع کو بیان کیا گیا۔ کیونکہ صفت علم و صفت حلم کالازمہ تواضع ہے۔اسی وجہ سے اہل علم نے مستقل علماء کوتواضع وانکساری کی وصیت کی ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"تواضعوا لمن تعلمتم منه ولمن علمتموه"[1]

ترجمہ: جس سے علم حاصل کرو اس ے سامنے جھک جاؤ اور جس کو تم علم سکھاؤ اس سے بھی عزت سے پیش آؤ۔

علماء دیوبند کو حق تعالی شانہ نے دیگر جماعتوں کے لوگوں پر جو امتیاز بخشا وہ اس کسر نفسی، تواضع للہ، عجز وانکساری اور خوف خدا اور خشیت کی وجہ سے بخشا اور کوئی بھی انسان بغیر صحبت کے ان صفات کا خوگر نہیں ہوسکتا۔

حضرت خطیب الاسلام نے ایک مجلس میں مجھ سے فرمایا کہ "تواضع انسان میں مقام عبدیت و شان عبدیت پیدا کرتی ہے اور عبدیت کاملہ کا شعور ہی انسانی کمالات کی معراج ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ حدیث شریف "من تواضع للہ رفعہ اللہ" کا مصداق بندہ جب ہی بنتا ہے، جب وہ کسی صاب نظر کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنے آپ کو اس کے سپرد کردیتا ہے اور بقول شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کہ ارادت کا مزہ فٹبال بن جانے میں ہے۔

آج کل جو حالات چل رہے ہیں، خاص طور پر فارغین مدارس کے، ان میں کثرت سے تحاسد، تباغض وتباعد، انانیت، نخوت ورعونت اور تکبر اور خودغرضی پائی جارہی ہے، کیونکہ صالحین کی صحبت ختم ہوتی جارہی ہے۔ میں نے اپنے حضرت کو دیکھا کہ عجب حال ہے تواضع کا، چھوٹوں میں چھوٹوں کی طرح تعامل، بچوں میں بچوں کی طرح اور طلبہ میں بالکل ان کا ہم مزاج بن جانا اور گھر والوں کے ساتھ شفقت ومحبت کے ساتھ زندگی بسر کرنا اور جب اہل علم حضرات کی مجالس میں ہوتے تو باوجود ان تمام حضرات سے متفوق ہونے کے ان کا غایت درجہ ادب واحترام فرماتے اور عاجزی وانکساری کا مکمل پرتو ہوتے، اسی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے رفعہ اللہ کا مصداق بنا کر آپ کو مقام رفعت عطا فرمایا۔

[1] جامع بیان العلم وفضلہ ۱/۱۳۵

میرے والد محترم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی صاحب نانوتوی دامت برکاتہم العالیہ جو حضرت کے خاندان کے ایک فرد اور حضرت کے شاگرد بھی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:

''میرا حضرت سے بچپن ہی سے بڑا خاص تعلق رہا، میرے دل میں حضرت کے تئیں محبت و خلوص کے ایسے عجیب وغریب جذبات پیدا ہوتے جن کو میں الفاظ کا جامہ نہیں پہنا سکتا، اور اس میں سب سے بڑا دخل حضرت کے حلم اور متواضعانہ شان کا ہے، جب بھی حاضر خدمت ہوتا تو اس متواضعانہ شان سے ملاقات فرماتے، جیسے دو دوست آپس میں راز و نیاز کی باتیں کر رہے ہوں، کہ ان میں یہ امتیاز مشکل ہوجاتا ہے کہ ان میں کون چھوٹا اور کون بڑا ہے۔''

یہ عاجز بھی ایک تقریب میں (جو میرے عزیز محترم جناب محمد صہیب صاحب کے صاحبزادے کے عقیقہ کی تھی یعنی حضرت خطیب الاسلام کے پڑ پوتے کی) شریک تھا، حضرت کو دیکھا کہ بچے غباروں سے کھیل رہے ہیں اور آفتاب و ماہتاب کی طرح دونوں بھائی حضرت خطیب الاسلام اور متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی صاحبان ایک صوفہ پر تشریف فرما ہیں، اور ان کے ساتھ مل کر غباروں سے کھیل رہے ہیں، بچے حضرت کے پاس آتے اور حضرت اپنے ہاتھ سے ان غباروں کو مارتے اور بچوں کے ساتھ اس کھیل میں بڑی خندہ پیشانی سے شریک تھے۔ جب بھی حاضر خدمت ہوا ایسا محسوس ہوا کہ یہ تواضع کا پیکر، مجسم ومشکل سامنے بیٹھا ہوا ہے اور اپنی متواضعانہ شان اور عاجزانہ کردار کے ساتھ ہر آنے والے کا استقبال کررہا ہے۔

۲۰۱۴ء میں ایک نومسلم جناب ارشد بھائی (جن کا پہلا نام ہرشن تھا) کو لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے جس خندہ پیشانی، فرحت وسرور کے ساتھ ساتھ عاجزانہ ومنکسرانہ لہجہ میں ان سے گفتگو کی کہ وہ پہلی ملاقات میں حضرت کے دیوانے اور آپ کے اس منکسرانہ مزاج پر فریفتہ ہوگئے، پھر ان کا یہ حال ہوا کہ جب بھی ان کا میرے پاس فون آتا تو حضرت کے مزاج دریافت کرتے اور یہ ضرور کہتے کہ جب بھی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہوں تو حضرت کے لئے ضرور دعا کرتا ہوں اور بار بار بڑے درد بھرے لہجہ میں فرمایا کہ حضرت کی بہت لمبی عمر ہو میری عمر کا باقی حصہ بھی حضرت ہی کو لگ جائے۔

بقول شیخ سعدی علیہ الرحمہ

دلا گر تواضع کند اختیار
شود خلق دنیا ترا دوست دار
تواضع کند ہوش مند گزیں
نہد شاخ پرمیوہ سر برزمیں

حضرت کی زندگی درج ذیل عبارت ''زندگی کن باخدائے تعالی بصدق، و بانفس بقہر، و باخلق بانصاف، و بابزرگان بخدمت و باخرداں بشفقت، و بادرویشان بموافقت و بادشمنان بحکم و باعالماں بہ تواضع و باجاجلاہ بہ نصیحت۔ (ازصند پندلقمان)

حضرت خطیب الاسلام کا ایک اقتباس تواضع کے تعلق سے نظر سے گذرا اس کو نقل کر کے صفت تواضع کے بیان کو ختم کروں گا، حضرت فرماتے ہیں

''اس لئے اس درسگاہ کے منتظمین، معلمین، متعلمین کے اندر یہ بنیادی خصوصیات ہیں اور یہ ہی تعلیم کا اصل جوہر ہے کہ تواضع کی حقیقت کو مقدم رکھا جائے، تواضع عملاً بھی، فعلاً بھی، قولاً بھی، تدریساً بھی، تعلیما بھی، تواضع جتنی بڑھے گی اتنی ہی انشاء اللہ عزتیں اس پر قربان ہوں گی، الحمد للہ یہ چیز ہماری ان درسگاہوں کے اندر ابھی تک باقی ہے۔''[1]

سچ فرمایا جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: کسی نے اللہ کے لئے تواضع اختیار نہیں کی مگر اللہ نے اس کو رفعت وعزت عطا فرمائی۔

حضرت خطیب الاسلام اور ایفائے عہد

''حضرت خطیب الاسلام اور ایفائے عہد'' یہ عنوان میں نے خاص طور پر اس لئے قائم کیا کہ حضرت اس پر بذات خود بڑی پابندی سے عمل فرماتے، اور اپنے گھر والوں، متعلقین اور خصوصا اپنے تلامذہ کو اس کی خاص تاکید فرماتے۔ حضرت کو بدعہدی اور وعدہ خلافی سے تنفر اور نفرت تھی، احادیث میں چونکہ اس صفت پر مخلص ومنافق کا دار و مدار رکھا گیا، اس لئے بھی حضرت خطیب الاسلام اس کی عملا وقولا تاکید فرماتے۔

---

[1] خطبات حکیم الاسلام

چنانچہ حضرت کی زندگی میں ایفائے عہد کا اس قدر لحاظ رہا اور تا زندگی حضرت کا یہ معمول رہا کہ جس کو جو وقت دیدیا، پروگرام ہوں یا پروگرام نہ بھی ہوں حضرت اس کا اہتمام فرماتے کہ معینہ وقت سے قبل اس مقام پر پہنچ جائیں۔ متعینہ اور طے شدہ وقت سے قبل اس مقام یا جگہ پر پہنچ بھی جاتے، تاکہ بدعہدی اور وعدہ خلافی کی صورت میں دوسروں کو انتظار کی مشقت نہ اٹھانی پڑے، بقول مولانا محمد شاہد صاحب مدظلہ العالی: حضرت ہمیں ایک دن پہلے وقت بتادیتے کہ فلاں وقت پر چلنا ہے، اگر اس میں تاخیر ہوتی تو اظہار ناراضگی فرماتے اور پابندیٔ وقت اور ایفائے عہد کے بارے میں قرآن و حدیث کی کوئی نہ کوئی نص سناتے تاکہ ہمیں عملاً اس سلسلے میں درس مل سکے۔

حضرت خطیب الاسلام کی نانوتہ شریف آوری تھی، دیگر اہل خانہ کو بھی ساتھ آنا تھا حضرت نے ۱۰ بجے کا وعدہ فرمایا تھا تو بقول حضرت مولانا محمد سفیان صاحب صبح ساڑھ آٹھ بجے تیار ہوکر بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا کہ میں نے دس بجے کا وقت نانوتہ میں دے رکھا ہے، میں وقت مقررہ سے پندرہ بیس منٹ پہلے ہی پہنچنا چاہتا ہوں، مجھے کچھ ضروری کام تھا اور خواتین میں بھی ذرا تاخیر تھی، تو میں نے مولانا شاہد صاحب سے کہا کہ آپ بھائی صاحب کو لے کر نانوتہ پہنچیں میں بھی پہنچتا ہوں، چنانچہ حضرت نانوتہ میں ۹ بج کر ۵۰ منٹ پر تشریف لاچکے تھے۔ حضرت کی زندگی کا زیادہ تر حصہ سفر میں گذرا اور زندگی بھر سفر میں یہ معمول رہا کہ جس کو جو وقت دے دیا اور جو وعدہ فرمالیا حضرت کبھی بھی اپنے کئے وعدہ سے متخلف نہ رہتے جو زبان کسی کو دیدی اس کو پورا فرماتے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں جب انسان عمل کرتا ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ایفائے عہد خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو کس قدر دشوار کام ہے، اسی وجہ سے قرآن وحدیث میں اس کا بار بار تاکیدی حکم آیا ہے۔

ایفائے عہد کے سلسلے میں اس واقعے کا تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا۔ جس واقعہ کو حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی نے مجھ سے بیان فرمایا کہ بھائی صاحب (حضرت خطیب الاسلام) کا مدرسہ نور الاسلام میں بڑے اہتمام سے شرکت کا معمول تھا، بھائی صاحب نے جو تاریخ مدرسہ نور الاسلام میرٹھ یوپی کے لئے مقرر فرما رکھی تھی، بالکل اسی آس پاس تاریخوں میں بھائی صاحب کا انگلینڈ کا سفر ہوگیا۔ اسی سفر میں پروگرام بڑھ گئے، لوگوں نے بھائی صاحب سے بڑا اصرار کیا کہ حضرت وہاں کی تاریخوں میں کچھ ردوبدل فرمالیں، ہم لوگ بھی استفادہ کرلیں گے ورنہ ہم لوگ محروم ہوجائیں گے، ان کے اصرار پر بھائی صاحب نے واضح طور پر فرمادیا کہ میں ان سے وعدہ کرچکا ہوں اور زبان دے چکا

ہوں کہ ان تاریخوں میں آپ کے یہاں ان شاء اللہ ضرور حاضر ہو جاؤں گا اس میں تبدیلی تو ممکن نہیں، چنانچہ ان لوگوں نے حضرت سے استفادہ کی یہ شکل نکالی کہ حضرت اگر ایسا ہو جائے کہ آپ وہاں پر شرکت فرمالیں اور پھر دوبارہ واپس لندن تشریف لے آئیں حضرت اگر آپ ایسا فرمالیں تو ہم لوگ محروم نہیں ہوں گے۔ بھائی صاحب نے فرمایا کہ آپ لوگ میری تھکن کو نہ دیکھو بلکہ افادہ و استفادہ کو دیکھو، اس کے لئے میں تیار ہوں، چنانچہ ان لوگوں نے ترتیب سفر بنائی اور ٹکٹ کرا دیا۔ بھائی صاحب نے مدرسہ نور الاسلام میرٹھ کے پروگرام میں شرکت فرمائی اور ایک دن بعد پھر لندن تشریف لے گئے۔

یہ تھا ایفائے عہد کہ زبان دیدی تو اب اس کی خلاف ورزی کا امکان نہیں تھا، چنانچہ حضرت کا زندگی بھر یہ معمول رہا کہ سفر کی تاریخ اگر کسی کو دیدی تو پھر اس میں ردوبدل ہو جائے یہ ممکن نہ تھا اور یہ نظام اس لئے تھا کہ کہیں بدعہدی اور وعدہ خلافی نہ ہو جائے۔ کیونکہ بدعہدی اور وعدہ خلافی ایسی مذموم صفات ہیں جن پر قرآن وحدیث میں وعیدیں آئی ہیں۔

صبر وتحمل

صبر اور قوت برداشت کا ملکہ یہ ہر انسان میں حق تعالیٰ شانہ نے درجہ بدرجہ ودیعت فرمایا، کسی کو یہ وصف وافر مقدار میں عطا فرمادیا اور کسی کے حصے میں بہت کم آیا۔ ہاں البتہ اس میں کمی بیشی کا امکان رکھ دیا گیا اور اس کو موقوف رکھا انسان کی طلب وتڑپ پر، یعنی اگر انسان چاہے تو ریاضتیں اور مجاہدے کسی شیخ کامل کی سرپرستی میں کر کے اس وصف کو حاصل کر سکتا ہے اور اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے: ”**إنما العلم بالتعلم والحلم بالتحلم**.“

حضرت خطیب الاسلام نے جس ماحول میں آنکھ کھولی جن بزرگوں کی زیر سایہ تربیت پائی ان کو حلم و بردباری، صبر وقوت برداشت کا پیکر پایا تھا اور اسی ماحول میں ان کی نشو ونما ہوئی، اس کے اثرات لازمی طور پر ان کی زندگی میں نظر آئے کہ حضرت خطیب الاسلام حلم وصبر جیسی عظیم صفات سے متصف ہو گئے تھے، چنانچہ حضرت پر سخت سے سخت حالات آئے، ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ زمین بھی دشمن ہے اور فلک بھی دشمن، مگر یہ کوہ صبر واستقامت حق پر جما رہا اور اس پر انتہائی صبر وتحمل کے

ساتھ مستقیم رہا۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند کا قضیہ خود ایک اعلیٰ مثال ہے، پھر دارالعلوم وقف کی شکل میں جو ادارہ سازی کا کام کیا یہ صبر وتحمل کی دوسری اعلیٰ مثال ہے ادارہ سازی کا کام وہ شخص کرہی نہیں سکتا جس میں صبر وتحمل نہ ہو، قوت برداشت نہ ہو، سخت وسست اور تلخیوں اور ناگواریوں کا سامنا کرنے کا عادی نہ ہو۔ دارالعلوم وقف دیوبند کا قیام واستحکام خود حضرت کی اعلیٰ ظرفی، تحمل وقوت برداشت اور صبر وایثار کی اعلیٰ مثال ہے۔

آپ کو اللہ نے غیر معمولی صبر وتحمل عطا فرمایا تھا، چنانچہ آپ کے دنیا بھر میں دینی ودعوتی اسفار کو بھی صبر وتحمل کا ایک اعلیٰ نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص سفر کرے اور اس میں کوئی بات بھی مزاج کے خلاف نہ ہو، بلکہ قدم قدم پر ناگواریوں اور تلخیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، حضرت کی زندگی کا تو بیشتر حصہ دینی ودعوتی اسفار اور پروگراموں میں گذرا ہے۔ میں خود کبھی کبھی یہ سوچتا ہوں کہ حضرت کے ساتھ اس وقت کیا حالات ہوں گے جب آپ دارالعلوم دیوبند سے علیحدہ ہوگئے اور آپ کے پاس کوئی باقاعدہ ادارہ بھی نہیں تھا، مزید برآں لوگوں کے رویے اور لوگوں کے سوالات عوام الناس کے سامنے مختلف سوالات کے جوابات دینا اوران کو مطمئن کرنا اور پھر ادارہ کی ضروریات سامنے رکھ کر لوگوں سے درخواست کرنا پھر اپنے وقار کو قائم رکھ کر لوگوں میں ادارہ کے اعتماد کو بحال کرنا، یہ سب کام ایک ایسے شخص کو کرنا پڑیں جو خود اور اس کے آباء واجداد برصغیر کے سب سے بڑے ادارہ کے روح رواں رہ چکے ہوں، کیا یہ ممکن ہے کہ وہ شخص جو حلیم الطبع نہ ہو صابر نہ ہو، بردبار نہ ہو، قوت برداشت اس میں نہ ہو، وہ ایک دوسرا دارالعلوم بنادے۔ جس وقت دارالعلوم وقف دیوبند کا قیام عمل میں آیا اس وقت حالات کیسے تھے اس کی ترجمانی خود حضرت خطیب الاسلام کے والد بزرگوار حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب نے درج ذیل اشعار میں کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

قدم قدم پہ ہے خوف رہزن زمیں بھی دشمن فلک بھی دشمن
زمانہ ہم سے ہوا ہے بدظن تمہیں محبت سے کام لے لو
کبھی تقاضا وفا کا ہم سے کبھی مذاق جفا ہے ہم سے
تمام دنیا خفا ہے ہم سے خبر تو خیرالانام لے لو
یہ کیسی منزل پہ آگئے ہیں نہ کوئی اپنا نہ ہم کسی کے
تم اپنے دامن میں آج آقا تمام اپنے غلام لے لو

یہ اشعار اس وقت کے حالات کی غمازی کررہے ہیں کہ حضرت خطیب الاسلام نے ان دشوار ترین حالات کا سامنا کس طرح کیا ہوگا، بظاہر صبر وتحمل کے ہتھیار کے علاوہ اور کوئی ہتھیار اس ادارہ کی آبیاری میں کارگر ثابت ہونے والا نہیں تھا، چنانچہ حضرت کے اس صبر وتحمل کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ایک شجرۂ طویل دارالعلوم وقف دیوبند کی شکل میں موجود ہے۔ بقول علامہ اقبال

فکر رہتی تھی مجھے جس محفل کی وہ محفل ہے یہی
صبر و استقلال کی کھیتی کا حاصل ہے یہی

اب رہے وہ واقعات جو حضرت کی زندگی میں پیش آئے وہ واقعات اتنے ہیں کہ بقول حضرت مولانا محمد شاہد صاحب اس پر خود ایک رسالہ تیار ہوجائے۔

حضرت کا طاعات پر صبر، نواہی سے اجتناب پر صبر، لوگوں کی طرف سے ایذا رسانی پر صبر، تکالیف پر صبر، صدمات پر صبر وغیرہ وغیرہ یہ تو وہ چیزیں ہیں جو زندگی بھر ساتھ لگی رہیں، ان کے علاوہ اس عاجز نے دیکھا کہ حضرت نے کس قدر صبر وتحمل کا مظاہرہ فرمایا جس وقت آپ کی شریک حیات کا انتقال ہوا، ان کے جانے کے بعد فرقت کے ان لمحات کو جس قدر باوقار، تحمل و برداشت کے ساتھ عمر کے آخری حصہ کو آپ نے گذارا ہے، بہت کم لوگوں کو میں نے اس عمر میں صبر وتحمل اور وقار کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے دیکھا ہے، نہ تو زندگی بھر کے معمولات میں فرق آیا نہ ہی اپنے اوقات کار میں فرق آیا، حالانکہ یہ کوئی معمولی صدمہ نہ تھا، زندگی کے وہ حسین لمحات جو ان کے ساتھ انتہائی خوشگواری کے ساتھ گذارے تھے، ان کی یادیں وابستہ تھیں، جس کا اندازہ حضرت کے اس مرثیہ سے ہوتا ہے جو حضرت نے ان کی وفات پر 'الم نامہ حسرت' کے عنوان سے لکھا ہے۔ حضرت کی زبان پر کبھی کوئی حرف شکایت نہیں آیا اور نہ ہی اپنے اہل خانہ سے شکوہ شکایت اور اظہار مایوسیت فرمایا، بلکہ اس کا تذکرہ اس عاجز نے کئی مرتبہ اپنے بھائی جان سے کیا کہ حضرت کی زندگی میں کس قدر قرار وسکون ہے اور کس قدر صبر وتحمل کے ساتھ حضرت فرقت کے لمحات گذار رہے ہیں۔ تصور سے بالاتر ہے۔ اپنے عالمانہ وقار اور محدثانہ شان کو باقی رکھتے ہوئے یہ لمحات بسر کئے۔

حضرت کی اعلیٰ ظرفی

حضرت خطیب الاسلام بڑے اعلیٰ ظرف بھی واقع ہوئے تھے، حضرت میں یہ اعلیٰ ظرفی خاندانی اعتبار سے بھی تھی پھر تربیت بھی ایسے بزرگوں کی زیر سایہ ہوئی تھی جو خود اعلیٰ ظرفی کے اعلیٰ نمونہ تھے۔

یہ اعلیٰ ظرفی ان میں ان کے حلم کی وجہ سے تھی، اس لئے کہ جو شخص حلیم المزاج ہوگا، وہ سطحی سوچ والا نہیں ہوسکتا اور نہ ہی تنگ نظر اور کم ظرف ہوسکتا ہے حضرت خطیب الاسلام کو اللہ نے یہ اعلیٰ ظرفی ان کے حلم، صبر اور قوت برداشت کی وجہ سے عطا فرمائی تھی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے کبھی کسی نے ایسی بات سرزد ہوتے ہوئے نہیں دیکھی جو ان کی شخصیت، ان کے خاندانی وقار اور ان کے علمی مقام کے خلاف ہو۔ حضرت کے یہاں بڑوں کی تو بات ہی کیا اپنے چھوٹوں سے بھی شفقت ومحبت اور اعلیٰ ظرفی کا ایسا معاملہ ہوتا کہ صرف ایک ملاقات ہی کسی انسان کے لئے یادگار بن جاتی۔

اپنے چھوٹوں کے ساتھ اعلیٰ ظرفی کا یہ حال تھا کہ مرض الوفات کی جب ابتداء ہوئی تو حضرت کے صاحبزادہ محترم جناب حافظ عاصم قاسمی صاحب حضرت سے محو گفتگو ہیں، حضرت سے نقاہت کی وجہ سے بولا نہیں جا رہا تھا، وہ حضرت کو ڈاکٹروں کی طرف سے دی جانے والی ہدایات کی روشنی میں روبصحت ہونے کی تسلی دے رہے تھے، حضرت نے اس پر کچھ کہنا چاہا، مگر سمجھ میں صاف نہ آسکا، عاصم بھائی نے اپنا کان لگا کر حضرت کی بات سمجھنی چاہی کہ حضرت کیا کہنا چاہتے ہیں جب غور سے سنا تو یہ سمجھ میں آیا کہ حضرت فرما رہے تھے کہ میری وجہ (یعنی میری بیماری کی وجہ سے) سب لوگوں کو تکلیف ہوگئی اور سب لوگ پریشان ہیں، جس پر انہوں نے فرمایا کہ ”بھائی صاحب آپ کے پاس رہنا ہم سب کے لئے عین سعادت کی بات ہے، آپ اس بات کے لئے پریشان نہ ہوں۔“

جس شخصیت کا اپنے چھوٹوں سے یہ معاملہ ہو کہ شدید ترین تکلیف میں بھی یہ احساس کہ میری ذات سے میرے گھر والوں کو، متعلقین کو، ذرہ برابر بھی پریشانی یا تکلیف نہ پہنچ جائے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ زندگی بھر ان کا کس قدر اعلیٰ ظرفی، مروت اور رواداری کا معاملہ اپنے متعلقین کے ساتھ رہا ہوگا۔

بڑے وہ ہیں جو عزت اپنے چھوٹوں کی بڑھاتے ہیں
کہ دنیا میں مقام ان کا ہی اعلیٰ ہونے والا ہے

یہ عاجز حضرت کی خدمت میں جب سے خادمانہ حاضر ہوا اور اخیر وصال کے وقت تک کبھی مجھے یاد نہیں کہ حضرت نے کبھی کوئی ایک کلمہ بھی زبان سے ایسا بولا ہو کہ وہ ان کی شخصیت، مقام علمی اور اعلیٰ ظرفی کے خلاف ہو۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کے جذبات کا احترام کرنے کی نبوی اعلیٰ ترین صفت بھی دیگر صفات دعوت کے ساتھ آپ کی شخصیت کا جزء لاینفک تھیں۔

حضرت کی اعلیٰ ظرفی پر ایک واقعہ یاد آ گیا۔ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا صدر منتخب کیا گیا ۲۲/اپریل ۲۰۰۰ء میں حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد مسلم پرسنل لاء بورڈ کا صدارتی انتخاب کے لئے اجلاس ہوا۔ بورڈ کے نائب صدر حضرت خطیب الاسلام تھے اور اس مجلس میں حضرت ہی کا نام صدارت کے لئے پیش کیا گیا مگر حضرت نے خود آگے بڑھ کر اپنے شاگرد اور تلمیذ رشید حضرت قاضی مجاہد الاسلام کے نام کی تجویز پیش کی، کچھ حضرات نے اس پر حضرت سے فرمایا کہ حضرت! صدارت کے فرائض آپ ہی کو انجام دینا چاہئیں تھے اور صدر کے لئے آپ ہی کا نام زیادہ موزوں تھا، حضرت نے فرمایا کہ جو کام میں صدر بن کر کرسکتا تھا، وہ میں اب بھی کرسکتا ہوں، یہ تھا حضرت کے یہاں اعلیٰ ظرفی اور خردنوازی کا معاملہ۔

اسی اعلیٰ ظرفی کی ایک قسم عفو و درگذر، معافی اور چشم پوشی بھی ہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں حضرت کا اہم مکتوب گرامی کو جس کو پندرہویں صدی کا اہم اقدامی مکتوب کہا جاسکتا ہے یہاں نقل کرنا مناسب ہوگا، اس مکتوب کو 'اکسیری عمل قرآنی' کے آخری صفحات پر نقل کیا ہے۔ وہ عبارت اور حضرت کا مکتوب درج ذیل ہے:

''خطیب الاسلام جانشین حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند نے مرکز علم ودین دارالعلوم دیوبند کے عالمی جماعتی اختلاف کو حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ کے نام اپنے درج ذیل اقدامی مکتوب گرامی کے ذریعے ختم فرما کر اپنے اعلیٰ ترین خاندانی مکارم اخلاق (اعلیٰ ظرفی) کا انمٹ ثبوت تاریخ دارالعلوم میں ہمیشہ کے لئے قائم فرما دیا۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے نام حضرت خطیب الاسلام کا اہم ترین تاریخی مکتوب

محترم ومکرم جناب مولانا اسعد مدنی صاحب زیدت عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جواباً مکتوب گرامی نے ممنون بھی فرمایا اور مسرور بھی، جماعت کی ایک اہم ترین ضرورت کو محسوس فرماتے ہوئے آپ نے اختلافات ختم کرنے کے بارے میں تائیدی کلمات تحریر فرمائے اور احقر کی قدیم آرزو کی تکمیل کو متوقع بنا کر مسرت کو مضاعف فرمادیا ہے۔ ''جماعتی وقار اور مسلکی روایات اکابر کی مجروحیت کا سدباب، اختلافات کو یکسر ختم کردینے میں ہی مضمر ہے، احقر کے خیال میں عمر کے مراحل نہائی میں پہنچ جانے پر ہماری مشترک خواہش کوششیں یہی ہونی چاہئے کہ ہم اپنے بعد آنے والی نئی نسل علماء کو اختلافات کی یہ نامبارک وراثت دے کر نہ جائیں، بلکہ حسب روایت اسلاف کرام کے باہم اتحاد واتفاق، فکری وعملی وحدت اور مخلصانہ مشترک جذبات خدمت علم ودین دیگر بتوفیق الٰہی ایک اہم ترین جماعتی فریضے سے سبکدوش ہوکر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں۔''

آپ کی صحت کے لئے دعا گو ہوں اور دعا کا خواستگار ہوں۔ والسلام

محمد سالم قاسمی

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

یہ مکتوب گرامی حضرت کی اعلیٰ ظرفی کی اہم اور اعلیٰ ترین مثال ہے۔

حضرت کی زندگی میں بے شمار واقعات ایسے ہیں جن سے حضرت کی اعلیٰ ظرفی، بلندی فکر اور معیار کی بلندی کا اندازہ ہوتا ہے، ان تمام واقعات کو اگر جمع کیا جائے تو اس پر خود ایک کتاب تیار ہوجائے۔ بقول محترم جناب مولانا اسرارالحق قاسمی ''میں نے حضرت کو اپنے طالب علمی کے زمانے میں اور پھر میدان عمل میں آنے کے بعد بے شمار پروگراموں میں بہت قریب سے دیکھا، بہت سی جگہوں پر ساتھ کھانا تناول کرنے کا اتفاق ہوا کبھی بھی حضرت کو کوئی ایسا عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھا یا کوئی ایسی بات کہتے ہوئے نہیں سنا جو ان کی خاندانی اور اسلامی روایات اور ان کی شخصیت کو مجروح کردے اور نہ ہی کبھی غیر معیاری بات ان کے منہ سے سنی گئی۔'' یہ بات مولانا اسرارالحق قاسمی ہی نہیں بلکہ جس کا حضرت سے تھوڑا سا بھی تعلق تھا، اس کے یہی تاثرات سامنے آئے کہ حضرت اعلیٰ ظرفی کے انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

حضرت خطیب الاسلام کی ظرافت

ظرافتِ عقل حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے کسی انسان کے لئے بڑا عطیہ ہے، یہ نعمت تمام لوگوں کو یکساں طور پرنہیں عطا کی گئی، بلکہ اس کے بھی درجات ہیں اوران میں بھی فرق مراتب رکھ دیا گیا، کس کوظرافت فطری طور پر ملتی ہے،کوئی ماحول کے اثر سے ظرافت کا مزاج اپنے اندر پیدا کرلیتا ہے،مگر اس کی ظرافت اس شخص کے مقابلے میں کم درجہ رکھتی ہے جس کوقدرت نے بچپن ہی سے ظریف الطبع بنایا۔

اسی ظرافت کے اعتبار سے علماء وفقہاء نے عقلوں کا باہم موازنہ کیا ہے، چنانچہ یحییٰ ابن اکثم رحمۃ اللہ علیہ نے مامون الرشید کا قول نقل کیا ہے کہ ''عقلوں کا باہم موازنہ بڑی دلچسپ چیز ہے، یہی وجہ ہے کہ علماء نے اہل علم، اہل فضل، اہل عقل، اہل ذکاوت اورظریف الطبع لوگوں کے حالات کو قلمبند کرنے کا خاص اہتمام فرمایا اوراس کے نتیجے میں ''کتاب الاذکیا'' جیسی معرکۃ الآراء کتاب لکھی گئی۔جس میں علماء،فقہاء،صحابہ کی ذہانت کے واقعات اسی طرح بادشاہوں، وزیروں،شاہی مصاحبوں، قاضیوں،شاعروں،مزاح نگاروں اوراطباء کی ذکاوت کے الگ الگ عناوین کے تحت واقعات درج کئے گئے ہیں، کیونکہ ان واقعات کو پڑھنے سے ذہنی ورزش بھی ہوتی ہے اور صاحب واقعہ کی ذہنی پرواز کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

ذہانت انسانی دماغ کی وہ قوت ہے جس سے رائے قائم کرنے میں مدد ملتی ہے یہ جب نہایت قوی اوراعلیٰ درجے کی ہوتو اس کا نام فہم ہےاور جب فہم کے ساتھ ''حَدَس'' یعنی بات کی تہہ تک بہت جلد پہنچنے کی صلاحیت بھی شامل ہوجائے تو اسے ذکاوت کہا جاتا ہے، جسے اردو محاورہ میں ''ترت بدھی'' کہا جاتا ہے،بعض حضرات میں یہ ذکاوت اورظرافت فطری ہوتی ہے،خانوادۂ قاسمی کوبھی حق تعالیٰ شانہ نے یہ ذہانت وذکاوت اورظرافت فطرتاً ودیعت فرمائی، چنانچہ حضرت حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو غیر معمولی ذکاوت وظرافت ودیعت ہوئی تھی جن کی ظرافت کے واقعات کتابوں میں درج ہیں،اسی طرح حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب کی ظرافت طبعی کے واقعات بڑے مشہور ہیں، جن حضرات کوان کے ساتھ رہنے یا سفر کرنے کا موقع میسر آیا وہ حضرت کی ظرافت طبعی سے خواب واقف ہیں، پھر یہ خاندانی موروثی اثرات منتقل ہوئے حضرت

خطیب الاسلام کی طرف، حضرت کی مجلسیں ظرافت طبعی کے واقعات سے پر ہوتیں کچھ واقعات آپ کی ظرافت کے درج ذیل ہیں۔

عزیزم منصر سلمہ نے محترم جناب مولانا حسن الہاشمی کے حوالے سے خانقاہ تھانہ بھون میں حضرت کا ایک واقعہ بتایا کہ حضرت خطیب الاسلام خانقاہ تھانہ بھون میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کے یہاں پہنچے تو حضرت خطیب الاسلام نے کچھ حضرات کونماز کے لئے اٹھایا، ان میں ایک صاحب کوئی مرتبہ اٹھایا مگر وہ صاحب اٹھنے کا نام نہ لیں، حضرت خطیب الاسلام نے بطور ظرافت طبعی ان کو ایک چادر اوڑھائی اور دو چار لوگوں کو پیچھے کھڑا کر کے ان کی نماز جنازہ پڑھائی دوران نماز جنازہ پڑھادی، ان کی آنکھ کھل گئی تو وہ بہت خفا ہوئے اور اس بات کی شکایت ان صاحب نے حضرت حکیم الامت سے کی، حضرت نے حضرت خطیب الاسلام کو بلایا اور بہت مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یہ آپ کی شکایت کر رہے ہیں حضرت نے فرمایا کہ حضرت! ان کو کئی مرتبہ نماز کے لئے اٹھایا مگر ان میں حرکت ندارد تو میں نے سمجھا کہ انتقال فرما گئے، اس لئے میں نے نماز جنازہ بغیر تاخیر کے پڑھادی، حضرت حکیم الامت یہ سن کر بے ساختہ ہنسے۔

ایک مزید واقعہ راقم کو محترم جناب پروفیسر اعظم قاسمی صاحب نے حضرت خطیب الاسلام کے حوالے سے بتایا کہ بھائی میاں کا بنگلہ دیش کا سفر تھا، بیان کے بعد کچھ حضرات بھائی میاں سے ملاقات کے لئے آئے، ان میں سے ایک صاحب سے بھائی میاں نے پوچھا کہ کہاں رہتے ہو، انہوں نے بنگالی مخصوص لب ولہجہ میں برجستہ جواب دیا کہ مکان میں، ان کے اس جواب پر بھائی میاں (خطیب الاسلام) حیران اور پریشان ہوئے اور ہنسے بھی۔ بقول خطیب الاسلام: ''ان کے اس جواب پر میری طبیعت یہ چاہی کہ میں اپنا سر پیٹوں یا ان کو کچھ کہوں۔''

بھائی میاں نے جب یہ واقعہ مجھے سنایا تو کافی دیر تک میں بے ساختہ ہنستا رہا، اور یہ فرمایا کہ جب بھی یہ واقعہ یاد آجاتا ہے تو خود بخود ہنسی آجاتی ہے، جب یہ واقعہ محترم جناب پروفیسر اعظم قاسمی صاحب صاحبزادہ حضرت حکیم الاسلام نے مجھے اور بھائی جان کو سنایا تو کافی دیر تک ہم لوگ ہنستے رہے اور مجھے یہ خیال ہوا کہ حضرت خطیب الاسلام نے نہ جانے اس وقت اپنی ہنسی کس طرح روکی ہوگی۔

تیسرا واقعہ حضرت خطیب الاسلام اور حضرت مولانا عامر انصاری رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جو حضرت کے نہ صرف ہمعمر، ہم مزاج اور ہمعصر تھے، بلکہ حضرت ہی کی طرح ظریف الطبع بھی واقع ہوئے تھے، حضرت خطیب الاسلام کی نانیہال حضرت مولانا عامر انصاریؒ کے خانوادہ ہی میں تھی، یہ دونوں حضرات آگرہ تاج محل دیکھنے کے لئے گئے غالباً اگست کا مہینہ تھا گرمی شدید تھی تو یہ دونوں حضرات دوپہر کو شاہ جہاں اور ممتاز محل کے مقبروں کے بالائی حصہ پر بالکل ان مقبروں کے بالمقابل سیدھے پاؤں پسار کر لیٹ گئے، کچھ انگریز اور کچھ ہندوستانی ان کے ساتھ تھے وہ ان دونوں کے پاس آ کر رک گئے، مولانا عامر انصاری انگریزی بہت اچھی جانتے تھے، ان انگریزوں نے آ کر مولانا عامر انصاری سے سوال کیا کہ نیچے کس کی قبریں ہیں اور آپ اس طرح کیوں لیٹیں ہیں، مولانا عامر صاحب نے جواب دیا کہ نیچے ہماری قبریں ہیں، گرمی لگ رہی تھی اوپر آ کر لیٹ گئے۔ وہ پوری جماعت مبہوت سی ہوگئی اور شرمندہ ہوکر آگے نکل گئے۔ حضرت خطیب الاسلام اور حضرت مولانا عامر صاحب ہنستے ہوئے وہاں سے اٹھ گئے، یہ دونوں حضرات مشورہ کر کے اس انداز سے لیٹے تھے کہ ان کے اس طرح لیٹنے پر لوگوں کی نظریں خود بخود ان کی طرف اٹھ رہی تھیں اور جس مقصد کے لئے یہ لیٹے تھے وہ اس جماعت کے سوال کے جواب پر پورا ہو گیا تھا۔

یہ دو تین واقعہ میں نے آپ کی ظرافت کے بطور مثال درج کر دیئے ورنہ آپ کی ظرافت طبعی کے واقعات مستقل ایک کتاب کا عنوان ہے، علمی لطائف حضرت کے اتنے ہیں کہ ان کو اگر جمع کر دیں تو اس پر کافی مواد ہو جائے۔

مخدومی ومکرمی محترم جناب حضرت مولانا شاہد صاحب

خادم خاص حضرت خطیب الاسلام

حق تعالی شانہ جب کسی کے نوازنے کے فیصلے فرماتے ہیں تو بغیر زمان ومکان چھوٹے یا بڑے امیر وغریب اور اسباب ظاہری حدود وقیود سے الگ اور بالاتر ہوکر جس کو چاہتے ہیں جب چاہتے ہیں اور جس وقت چاہتے ہیں انتخاب فرمالیتے ہیں، اور اس انتخاب میں سب سے بڑا دخل فضل خداوندی اور توفیق من اللہ کا ہے، جس کی وجہ سے اس میں ایک لگن اور تڑپ پیدا ہوجاتی ہے، پھر اس کے مطابق بارگاہ خداوندی سے مقبولیت کے فیصلے ہونے لگتے ہیں۔ بالکل کچھ اسی طرح کا معاملہ ہمارے مخدوم ومکرم حضرت مولانا شاہد صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ساتھ پیش آیا کہ ان کو یہ سعادت میسر آئی کہ وہ حضرت خطیب الاسلام کے پاس آنے کے بعد حضرت کی خدمت اور راحت رسانی کو ہی انہوں نے اپنی زندگی کا عظیم سرمایہ حیات بنالیا اور حضرت سے ایسی وابستگی اختیار کی کہ حضرت کی زندگی کے آخری لمحات تک اس خادمانہ جذبۂ صادقہ میں ذرہ برابر فرق نہ آیا، بلکہ یہ رشتہ روز بروز مزید مستحکم ہی ہوتا رہا، یہاں تک حضرت خطیب الاسلام اور دیگر اہل خانہ کا اعتماد اس قدر بحال ہوا کہ انہوں نے گھر کے ایک فرد کی حیثیت اختیار کرلی، اس کی سب سے بڑی تصدیق حضرت خطیب الاسلام کی وہ تحریر ہے جو بطور سند حضرت نے مولانا کو عطا فرمائی۔ وہ تحریر درج ذیل ہے۔

مولوی محمد شاہد حسین بہاری ۱۹۸۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آئے، آنے کے کچھ ہی وقفے کے بعد مجھ سے ملاقات ہوئی، پھر بار بار ہوتی رہی، ان ملاقاتوں میں ربط اخلاص بڑھتا رہا اور ذوقی ہم آہنگی وسیلہ قربت بنتی رہی، یہاں تک کہ پھر موصوف کا قیام بھی احقر کے مکان ہی میں ہوگیا، جس کے بعد ان کی مخلصانہ خدمات نے اس قرب کو پُرتعلق بنادیا، اس وقت سے آج تک پچیس سالوں میں یہ رابطہ اپنائیت میں تبدیل ہوگیا اور موصوف اپنے مخلصانہ خدماتی تعلق کی بنیاد پر افراد خانہ ہی میں شمار ہونے لگے، ان کا یہ تعلق اخلاص اتنا معروف ہوگیا کہ احقر کے نام کے ساتھ ان کا نام بھی واقفین کی زبانوں پر زبان زد ہوگیا، اور ان کے مخلصانہ تعلق وخدمات نے قرب

کے جملہ مراحل کو طے کرلیا، اور وہ تقریباً احقر کے اہل خانہ ہی میں شمار کئے جانے لگے۔حق تعالی نے ان کی بے لوث مخلصانہ خدمات کو قبولیت عامہ عطا فرمادی، میں ان کے لئے ہمہ وقت دعا گو ہوں کہ حق تعالی ان کے علم واخلاص میں بے حساب برکات عطا فرمائے اوران کو ملت میں قبولیت عامہ ارزانی فرمائے اوردارین کی نعمتوں سے ہمیشہ مالا مال کرے۔آمین

یہ تحریر حضرت نے اپنے دستخط کے ساتھ مولانا کو ۲۷مئی ۲۰۱۵ء میں مرحمت فرمائی جس کے ایک ایک جملے سے حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی غیر معمولی شفقت ومحبت اور خلوص ومودت مزید برآں قلبی تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔

راقم الحروف سے اسی قلبی تعلق ومحبت کا اظہار مولانا شاہد صاحب کے بارے میں حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی اور محترم جناب حافظ عاصم قاسمی دامت برکاتہم بھی فرما چکے کہ مولانا شاہد صاحب ہمارے گھر کے ایک فرد ہی کی طرح ہیں۔

کسی بھی انسان کے لئے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کا شیخ، اسکا مربی اپنے مرید یا خادم کی خدمات سے خوش ہوکر اس کو ایسی سند دے جس کے ہر ہر لفظ سے اخلاص ومحبت، مودت وشفقت رحمت ورأفت، خلوص ورواداری ربط اور تعلق کا مکمل اظہار ہوتا ہو۔

خدمت ہی کا یہ صلہ مولانا کو ملا کہ آخری مرتبہ جب حضرت نے گفتگو فرمائی تو حضرت مولانا شاہد صاحب ہی کے متعلق فرمائی کہ کہاں کہاں کے رہنے والے مگر ایک دوسرے سے اتنے قریب ہوگئے کہ چین نہیں آتی ایک دوسرے کے بغیر۔

یہ آخری کلمات تھے جو حضرت مولانا شاہد صاحب کے بارے میں حضرت نے فرمائے۔

مولانا کا تعلق مقام پوسٹ بھتورا ضلع مدھوبنی بہار سے ہیں۔مولانا شاہد صاحب ۱۹۸۹ء میں رمضان شریف میں تشریف لائے اور ۱۹۹۰ء میں حضرت کی خدمت میں تشریف لائے، بقول مولانا، ایک سال گل کدہ منزل میں قیام رہا جو دارالعلوم وقف دیوبند کی اس زمانہ میں کرایہ کی منزل تھی اور ایک سال مکمل حضرت کی خدمت میں آتا رہا۔حضرت کے ایک خادم تھے جو یہاں سے شعبان میں چلے گئے تھے تو حضرت نے ایک دوسرے طالب علم کے ذریعہ مجھے بلایا اور فرمایا کہ بیٹھک میں تم رہو، پھر اس کے بعد یعنی ۱۹۹۰ء کے رمضان المبارک سے حضرت کی خدمت میں سفر وحضر میں خادمانہ مستقل ساتھ رہا۔

ایں سعادت بروز باز و نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مولانا شاہد صاحب کوحق تعالی شانہ نے ایک چھوٹے سے گاؤں سے اٹھا کر کس مقام پر پہنچایا کہ میں بلاتر دد ''ھر کہ خدمت کرد اومخدوم شد'' جملہ کوسامنے رکھ کر مولانا کی ذات پر رشک کرتے ہوئے یہ کہہ سکتا ہوں کہ جس طرح انہوں نے ہمارے حضرت کی بے لوث خدمت کی ، وہ حضرت کے جانے کے بعد ہم سب حضرت سے وابستہ مسفد ین اور تلامذہ کے مخدوم مکرم ہیں، اللہ رب العزت ان کواس کی بہت بہت جزائے خیر عطا فرماوے۔آمین۔آپ حضرت کے خلیفہ ومجاز بھی ہیں۔

سوانح حضرت خطیب الاسلام کے لکھنے میں راقم الحروف کی حضرت مولانا شاہد صاحب نے بڑی مدد فرمائی اور بڑا علمی تعاون فرمایا۔فجزاہ اللہ عنی خیر الجزا.

حضرت مولانا حافظ اقبال صاحب، جوگیشوری، ممبئی

آپ حضرت کے متوسلین اور حلقہ خاص میں حافظ اقبال صاحب جوگیشوری کے نام سے مشہور ہیں، آپ کو حضرت سے شروع ہی سے ایک خاص انس، خاص تعلق رہا۔بے شمار اسفار میں حضرت کی معیت نصیب ہوئی ان اسفار میں بہت سے واقعات پیش آئے ، بہت جگہوں پر علمی مجالس ہوئیں، بہت سے مقامات پر خاص خاص واقعات پیش آئے جو حافظ صاحب کی یاداشت میں محفوظ ہیں۔ عاجز نے بھی اس کتاب میں کئی مقامات پر حافظ صاحب کے حوالے سے واقعات نقل کئے ہیں،ابھی حضرت کے مرض الوفات میں اقبال بھائی حضرت کے پاس تشریف لائے اور عجیب حالات میں تشریف لائے، حافظ اقبال صاحب کی ہمشیرہ ۹یا۱۰سال میں غالبًا امریکہ سے ممبئی ایک ہفتہ یا دس دن کے لئے آئیں، ادھر حضرت کی علالت کی خبر ملی تو حافظ صاحب بہت بے قرار ہوئے ، ادھر بہن بھی ایک عرصہ میں تشریف لائیں تھیں، مگر حضرت کی محبت میں سب کو چھوڑ چھاڑ دیوبند تشریف لے آئے اور دو تین دن حضرت کے پاس رہے، میں بھی حضرت ہی کی خدمت میں تھا کہ اچانک کوئی ضروری فون آیا اور فوری طور پر حافظ صاحب کو ممبئی جانا پڑا، ٹکٹ ہوگیا، چنانچہ دیوبند سے جن شتابدی سے واپسی تھی دہلی کے لئے ،مگر دیوبند اسٹیشن پر جا کر دوبارہ واپس حضرت کی خدمت میں تشریف لے آئے کہ دل نہیں مانا، غرض یہ کہ وہ فلائٹ کینسل کرائی، پھر اگلے دن تشریف لے گئے، حضرت کو

بھی اقبال بھائی سے بہت زیادہ انسیت اور محبت تھی، بقول حضرت خطیب الاسلام: حافظ اقبال صاحب ہمیشہ خدمت کے لئے مستعد رہتے ہیں، یہ جملہ حضرت نے اس عاجز سے اس وقت فرمایا تھا جب دوران گفتگو ایک مجلس میں ان کا ذکر خیر نکلا، بہر حال حافظ صاحب حضرت کے بڑے معتمدین میں سے ہیں، حافظ صاحب کی پیدائش ۱۷/اپریل ۱۹۷۶ء ممبئی کی ہے، پرائمری ایجوکیشن اسکول میں ۷ویں کلاس تک پڑھی۔ اس کے بعد ایک سال حفظ وتجوید اکل کنواں میں مولانا عبدالرحمان گوئما کے پاس پڑھی، پھر مولانا اویس صاحب سے بقیہ درسی کتابیں پڑھیں، مولانا اویس صاحب امام وخطیب مجید یہ مدرسہ فاؤنٹین مسجد ممبئی میں اور دارالعلوم امداد یہ چونا بھٹی سے فضیلت حاصل کی، پھر آخری حدیث حافظ آصف صاحب کے در دولت پر حضرت خطیب الاسلام سے پڑھی۔ حافظ صاحب کے حضرت کے ساتھ بہت سے ملکی و غیر ملکی اسفار ہوئے، غیر ملکی اسفار میں مصر، حجاز مقدس اور حرمین شریفین، ترکی اور ساؤتھ افریقہ وغیرہ ممالک کے سفر کئے۔ حافظ صاحب ملی مسائل کے تعلق سے بڑے غیور واقع ہوئے ہیں اور ملی مسائل کو حل کرنے میں ان کی سرگرمیاں مستقل جاری رہتی ہیں۔ حافظ صاحب کے حوالے سے میں نے حضرت کے سفر کے کچھ واقعات کا آگے تذکرہ کیا ہے۔

حضرت خطیب الاسلام فرماتے ہیں:

’’ٹیکنالوجی کے یہ عجیب جدید ابلاغی ترقیات اسلام کی حقیقی بنیاد یعنی اللہ کی اس توحید مطلق پر انسانیت کو سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر رہی ہیں کہ جس پر قرآنی روشنی کے مطابق تو ذرہ ذرہ کائنات ہمیشہ سے گواہ تھا ہی لیکن اب سائنس کی جدید تحقیقات بھی اس توحید مطلق پر انسانیت کو سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر رہی ہیں، اور نبی کریم ﷺ کے صداقت نبوت پر آپ کا یہ پیغمبرانہ ارشاد شاہد عدل بن رہا ہے کہ:

’لایبقی علی ظهر الارض بیت مدر ولا وبر إلا أدخله الله کلمة الاسلام بعز عزیز وذل ذلیل.‘‘

(خطبات خطیب الاسلام: ۱۱۸)

باب چہارم

قال تعالیٰ:

﴿یاأیها المزمل، قم اللیل الا قلیلا نصفه أو انقص منه قلیلا . أو زد علیه ورتل القرآن ترتیلا، إنا سنلقی علیکم قولا ثقیلا . إن ناشئة اللیل هي أشد وطأ وأقوم قیلا﴾

(سورة المزمل: ۱ تا ۶)

قال رسول اللهﷺ:

”أن تعبد الله کأنک تراه، فان لم تکن تراه فإنه یراک“ (رواه مسلم)

شعر

افلاک سے کھینچی جاتی ہے سینوں میں اتاری جاتی ہے
توحید کی مے، ساغر سے نہیں نظروں سے پلائی جاتی ہے

باب چہارم کے مشمولات

☆ راہ سلوک کی ابتدا حضرت خطیب الاسلام شیخ وقت کی خدمت میں رائے پور میں حاضری
☆ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت
☆ حضرت خطیب الاسلام حضرت رائپوری کی وفات کے بعد
☆ دونوں بزرگوں سے حضرت خطیب الاسلام کو خلافت
☆ فہرست خلفاء ومجازین
☆ زریں فرمودات
☆ حضرت خطیب الاسلام اور خوابوں کی تعبیر کا علم

حضرت کے شیوخ کے تذکروں سے قبل چند باتیں بطور تمہید یہاں ذکر کرنا ناگزیر سمجھتا ہوں تا کہ اس نسبت کو سمجھنا جس کو شریعت کی اصطلاح میں ''احسان'' سے تعبیر کیا گیا آسان ہو جائے

راقم الحروف نے اپنے خاندانی بزرگوں سے حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کا ملفوظ بارہا سنا کہ حضرت فرماتے تھے:

''عالم بغیر معرفت راہ سلوک کے ریت کے تودے پر تعمیر کرنے کے مترادفت ہے، یعنی بغیر معرفت کے اس کا علم اس تعمیر کے مانند ہے جو ریت کے تودے پر بنائی گئی ہو، وہ کب گر جائے اور اس کو کتنا نقصان پہنچادے کچھ معلوم نہیں۔''

حضرت خطیب الاسلام فرماتے ہیں:

''میں نے بزرگوں سے سنا کہ دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی دور میں جب طلبہ فارغ ہو جاتے اور درخواست کرتے کہ ہم کو سند دے دی جائے، تو اساتذہ دارالعلوم اور ذمہ داران ان کی درخواست قبول نہیں کرتے بلکہ درخواست موصول ہونے کے بعد درخواست کنندہ کو بلاتے اور اس سے معلوم کرتے کہ تم نے درخواست دی ہے اور یقیناً تم فارغ بھی ہو چکے ہو اور نصاب کی تکمیل بھی کر چکے ہو اور امتحان میں کامیاب بھی ہو چکے ہو، لیکن تم نے کسی بزرگ کے پاس سال چھ مہینے کا وقت بھی گذارا ہے یا نہیں؟ اگر وہ جواب نفی میں دیتا تو اس سے کہا جاتا کہ تم ابھی صحیح نہیں ہوئے، ابھی تم سند کے مستحق نہیں ہوئے سند کے مستحق جب ہی ہو گے جب تم کسی صاحب دل اور اللہ والے کے پاس کچھ وقت گذارو، تا کہ اس صورت میں خانقاہی رنگ تمہارے اندر پیدا ہو جائے۔ گویا معنویت اور روحانیت سے جب تک مناسبت پیدا نہ ہو، اس وقت تک علم کارآمد نہیں ہوتا، یہ جو علم کتابوں سے حاصل ہوتا ہے یہ علم نہیں یہ تو معلومات ہیں، جب تک قلب کے اندر نہ رچ بس جائے، اس وقت تک یہ علم علم نہیں بنتا، اور یہ اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک اہل اللہ کی صحبت سے فیضیاب نہ ہو۔''[1]

ہمارے اپنے اسلاف خاص طور پر اسلاف دارالعلوم دیوبند کا طریقۂ کار بقول حضرت خطیب

[1] مجالس خطیب الاسلام

الاسلام[۲]

''یہ ہے کہ دارالعلوم سے فراغت اور سند فضیلت حاصل کرنے کے بعد اپنا ہاتھ کسی مربی وشیخ کامل کے ہاتھ میں دیدیتے اور کئی کئی سال ان کی خدمت میں گذار دیتے، اوران کے باطنی فیوض سے مستفیض ہوکر اپنے اپنے علاقوں کو منور کرتے۔''

اے دلِ زندہ مجھے ڈر ہے کہیں تو مر نہ جائے
کہ زندگی عبارت ہے ترے جینے سے

انسان کے لئے راہ احسان وسلوک کو ضروری قرار دیتے ہوئے علامہ اقبال کہتے ہیں:

دل بیدار فاروقی، دل بیدار کراری
مس آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری
دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری

(۲) دوسری بات بطور تمہید کے جو عرض کرنی ہے اور جس کی خاطر خانوادۂ قاسمی کے افراد نے اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کردیا، جس سے حضرت خطیب الاسلام کی پوری زندگی عبارت ہے، اور جس کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ''تفہیمات آلہیۃ،، کی تفہیم اول میں بیان فرمایا:

''انبیاء علیہم السلام جن چیزوں کی اہمیت اور خصوصیت سے دعوت دیتے ہیں وہ بنیادی طور پر تین چیزیں ہیں۔

(۱) ایک مبدأ ومعاد وغیرہ سے متعلق عقائد کی تصحیح، اس شعبہ کو علمائے عقائد واصول نے سنبھال لیا ہے۔ اللہ تعالی ان کی مساعی کو قبول فرمائے اور جزائے خیر عطاء فرمائے۔

(۲) دوسرے عبادات ومعاملات اور معاشرت وغیرہ انسانی اعمال کی صحیح صورتوں کی تعلیم اورحلال وحرام کا بیان، اس شعبہ کی کفالت فقہائے امت نے اپنے ذمہ لے لی اوراس میں انہوں نے امت کی پوری رہنمائی اور رہبری کی۔

(۳) تیسرے اخلاص واحسان (یعنی ہر عمل خالص لوجہ اللہ کرنا کہ میرا مالک مجھے اور میرے عمل

۲؎ حضرت خطیب الاسلام سے راقم الحروف نے اس قول کو ایک مجلس میں سنا تھا تو اس وقت میں نے اس کو محفوظ کرلیا تھا۔

کو دیکھ رہا ہے)

یہ تیسری چیز دین وشریعت کے مقاصد میں سب سے زیادہ رقیق اور عمیق ہے اور پورے نظام دینی میں اس کی حیثیت وہ ہے جو جسم میں روح کی اور الفاظ کے مقابلے میں معنی کی، اس شعبہ کی ذمہ داری صوفیائے کرام رحمہم اللہ نے لے لی ہے، وہ خود راہ یاب ہیں اور دوسروں کی رہنمائی کرتے ہیں، خود سیراب ہیں دوسروں کو سیراب کرتے ہیں، وہ بڑے بانصیب اور انتہائی سعادتمند ہیں[1]

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے دین کی حفاظت کا جو تکوینی انتظام فرمایا ہے اس میں کتاب وسنت کی عملی وکتابی حفاظت کے ساتھ امت میں ایسے علماء فقہاء اور صوفیائے ربانین کا مسلسل وجود بھی شامل ہے اور امت کی گذشتہ ساڑھے تیرہ سوسال کی دینی تاریخ کی شکل میں وہ ہمارے سامنے موجود بھی ہے اور یہ محفوظ تاریخ بھی اس خداوندی انتظام کے سلسلہ کی ایک مستقل کڑی ہے۔''[2]

واقعہ یہی ہے کہ تصوف ''جیسا کہ شاہ صاحب نے فرمایا ہے..دین وشریعت کی روح اور اس کا جوہر ہے اور صوفیائے کرام ہی اس دولت کے حامل ہیں۔ اور جس طرح جسم کبھی روح سے بے نیاز نہیں رہ سکتا، اس طرح امت مسلمہ اپنے دینی وجود میں کبھی تصوف اور علمائے ربانیین سے بے نیاز نہیں ہوسکتی۔

(۳) تیسری بات جس کی وجہ سے راقم الحروف نے حضرت شاہ صاحب کی ''تفہیمات آلہیہ،، کے تفہیم اول کا اقتباس نقل کیا ہے وہ صحبت اہل اللہ ہے، دل کی بیداری اور صفائی اس کے بغیر ناممکن ہے، جتنے بھی اہل اللہ اور اولیاء اللہ گذرے ہیں، ان کی اہلیت اور ولایت کے فیصلے من جانب اللہ جب ہی ہوئے، جب انہوں نے اس صحبت کا حق ادا کیا اور اپنے آپ کو اپنے شیوخ کے سامنے پامال کیا، جب نفس مغلوب ہوگیا تو ان کے دلوں میں صالحیت اور مصلحیت کی صلاحیت پیدا ہوتی چلی گئی اور ان پر معرفت حق کے دروازے کھلتے چلے گئے، اولیاء اللہ کی صحبت کی برکت سے جب یہ فیض

[1] تفہیمات آلہیہ، ص:۱۲،۱۳، راقم الحروف نے یہ ترجمہ مولانا منظور نعمانی کے مقدمہ سے نقل کیا ہے حضرت نے ''سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری،، کے مقدمہ کا آغاز اسی عبارت سے کیا ہے۔

[2] مقدمہ سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری.ص،۱۳، مولانا محمد منظور نعمانی۔

معرفت میں تبدیل ہوتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ سالک کے قلب میں ایک نور پیدا فرماتا ہے جس کی وجہ سے وہ ماوریٰ دیکھنے لگتا اور سالک پر اندرونی حالات منشکف ہونے لگتے ہیں، اس سلسلے میں حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا مقولہ راقم کو یاد آرہا ہے، جس کو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ نے ''تمہید مختصر تاریخ دارالعلوم دیوبند'' میں نقل فرمایا کہ:

''حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ مہتمم ثانی دارالعلوم کا مقولہ بزرگوں سے سننے میں آیا کہ مدرسہ دیوبند کا اہتمام میں نہیں کرتا، بلکہ حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کرتے ہیں۔ جو جوان کے قلب پر وارد ہوتا ہے وہ میرے قلب میں منعکس ہوجاتا ہے اور میں وہی کام کرگذرتا ہوں۔ چنانچہ جب بھی مولانا کوئی غیر معمولی کام کرتے تھے تو اگلے دن حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے کہ مولانا اللہ آپ کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔ کچھ عرصہ سے یہی کام جو آپ نے انجام دیا ہے، میرے دل میں آرہا تھا کہ ایسا ہونا چاہیئے جسے آپ نے انجام دے دیا ہے۔''[1]

حضرت مولانا کا یہ جملہ ''میرے قلب میں منعکس ہوجاتا ہے اور میں وہی کام کرگذرتا ہوں'' سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا کو حق تعالیٰ شانہ نے معرفت، نور قلب، بصیرت والی آنکھیں اور فراست ایمانی عطاء کررکھی تھی جس کی وجہ سے وہ حضرت نانوتوی کے قلبی واردات کو محسوس فرمالیا کرتے تھے۔

اس تمہید کے بعد جب ہم حضرت خطیب الاسلام کی زندگی کو دیکھتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو حضرت شاہ صاحب کی بیان کردہ تینوں شقیں علماء، وفقہاء اور متصوفین پر عائد ہونے والے فرائض کے تیئں قبول فرمایا، چنانچہ حضرت تازندگی اپنی عالمانہ وفقیہانہ شان کے ساتھ ساتھ احسان کی عظیم الشان صفت سے متصف رہے، اسی وجہ سے حضرت کا علمی، وفقہی اور احسانی فیض پورے عالم کے کونے کونے میں پھیلا۔

ایک طالبعلم یا سالک مشکل ہی یہ امتیاز کرپائے گا کہ حضرت کی فقہی وعلمی بصیرت زیادہ ہے یا پھر ان پر احسانی کیفیات کا غلبہ ہے، حضرت خطیب الاسلام نے جس راہ میں بھی قدم رکھا ایسا محسوس ہوا کہ آپ اسی راہ کے ہی مسافر ہیں، یہ فیض عرفانی ان باکمال وخداترس بزرگوں اور شیوخ کا تھا جن

[1] پچاس مثالی شخصیات، مختصر تاریخ دارالعلوم دیوبند، تمہید، ص ۳۲

کو حق تعالیٰ شانہ نے مقامِ علم کے ساتھ ساتھ کمال ادب بھی وافر مقدار میں عطاء فرمایا تھا، بقول حضرت خطیب الاسلام کہ:

''میرے ساتھ اللہ کا بڑا کرم یہ بھی رہا کہ مجھے شرف تلمذ ایسے اساتذہ سے ہوا جو اخلاص وخلوص کا مجموعہ اور کمال ادب وکمال شفقت میں یکتا تھے اور ہم سب طلبہ کے ساتھ ان کا یہی حال تھا۔''[1]

راہ سلوک کی ابتدا اور حضرت خطیب الاسلام شیخ وقت کی خدمت میں رائے پور میں حاضری:

راقم الحروف حضرت خطیب الاسلام کی خدمت اقدس میں حاضر تھا، حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید کی سوانح[2] کے بارے میں کچھ رکاوٹیں درپیش تھیں، اس لئے دعاء کی درخواست کے لئے حاضری ہوئی تھی، حضرت نے مجھے بہت سی اہم باتیں بتائیں، اسی دوران راقم نے حضرت سے معلوم کیا کہ حضرت! ذرا خانقاہ رائے پور کے بارے میں کچھ بتا دیں، آپ نے رائیپور کا رخ کیوں کیا؟ یہ نعمت تو آپ کے گھر میں حضرت حکیم الاسلام کی شکل میں بھی موجود تھی، بلکہ حضرت حکیم الاسلام حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے اجل خلفاء میں سے تھے، کیا اس طرف رخ کسی کے حکم کی وجہ سے فرمایا؟

اس پر حضرت نے راقم الحروف کو تفصیل سے بتایا کہ:

''جب میری دارالعلوم دیوبند سے فراغت ہونے والی تھی تو مجھے ابّا جان (حضرت حکیم الاسلام) نے حکم فرمایا کہ جمعرات کو صبح کے درس پورے کر کے ہر ہفتہ خانقاہ رائپور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دوں، (اس زمانہ میں جمعرات کو شام کا درس اکثر موقوف رہتا) میں نے ابّا جان کے حکم کی تعمیل میں رائپور جانا شروع کر دیا، دوپہر کو میں دیوبند سے چلتا اور رائپور پہنچنے تک شام ہو جاتی رات میں حضرت کے ساتھ رہتا اس امید پر کہ شاید کوئی خدمت کا موقع ملجائے، پہلی مرتبہ جب میں حاضر ہوا اور حضرت کا مشفقانہ تعامل اپنے ساتھ بلکہ ہر آنے والے

---

[1] راقم الحروف کے ایک مجلس میں سوال کرنے پر حضرت نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا۔

[2] یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حافظ ضامن صاحبؒ کی سوانح راقم لکھ رہا تھا۔

کی ساتھ دیکھا تو میں حضرت کا گرویدہ ہوگیا، جمعہ کی نماز کے بعد کھانے سے فارغ ہوکر میں نے اجازت مانگی، حضرت نے بطیب خاطر اجازت مرحمت فرمائی اور یہ جملہ ارشاد فرمایا: آپ کی تشریف آوری سے قلبی راحت اور سکون ملا، آتے رہا کرو،، مجھے رخصت کرنے کے لئے خانقاہ سے باہر تشریف لائے اور رخصت فرماتے ہوئے آنے جانے کا خرچ مرحمت فرمایا اور اس قدر نیازمندانہ ابا جی کو سلام کہلوایا کہ ان کی نیازمندی پر میرا سر شرمندگی سے جھکا جاتا تھا، بہر حال میں حضرت سے اجازت لے کر خانقاہ رائپور سے واپس تو آ گیا، مگر میری قلبی کیفیات بیان سے باہر تھیں، اس کے بعد حضرت خطیب الاسلام نے فرمایا کہ: آج تک ان کیفیات سے لطف اندوز ہوتا ہوں، جن کو صرف محسوس کیا جاسکتا ہے، بیان نہیں کیا جاسکتا، اس باغ کی کیفیت جس میں خانقاہ ہے کہ اس باغ کا پتا پتا ذکر الٰہی سے سرشار نظر آتا تھا، اس کے بعد میری عادت اور معمول یہ ہوگیا کہ تقریباً ہر جمعرات کو حضرت رائپوری کی خدمت اقدس میں جاتا اور ایک شب وہاں گذارتا اور خانقاہ رائپور کے معمولات کے مطابق ۲۴ گھنٹہ گذار کر آجاتا، یہ معمول میرا کئی سال تک چلتا رہا، اس کئی سالہ آمدورفت کے دوران میں نے جو اہم باتیں حضرت کے پاس رہ کر محسوس کیں اور جن سے میں بہت زیادہ متاثر ہوا وہ یہ کہ حضرت کے یہاں تصوف وسلوک کو ظاہری ورسمی حدود وقیود سے پاک دیکھا تھا، رسمی حدود وقیود کے نہ خود پابند تھے اور نہ آنے والوں سے اس کی پابندی چاہتے تھے۔ سارا زور نسبت باطن اور تعلق مع اللہ پر تھا، اس کے لئے حتی الامکان یکسوئی کے ساتھ کثرت ذکر وفکر پر زور دیتے اور اس کو باب السلوک کی کنجی سمجھتے تھے۔

دوسری بات جو حضرت کے یہاں مجھے خاص طور پر محسوس ہوئی کہ بظاہر دنیوی مشاغل وعوائق سے بالکل بے تعلق ہونے کے باوجود جب کبھی قومی، ملکی اور سیاسی معاملہ درپیش ہوتا، یا آپ سے رائے مانگی جاتی تو ایسی صائب رائے اور مشورہ دیتے کہ وہ حضرات بھی آپ کی رائے تسلیم کرتے جنہوں نے پوری زندگیاں اسی میدان میں لگا دیں، پھر حضرت رائے دے کر الگ ہوجاتے اپنے مشورہ کو کسی پر حتی کہ اپنے متوسلین پر بھی نہیں تھوپتے تھے وہ بھی آزاد ہوتے، عمل کریں یا نہ کریں، بعض مرتبہ حضرت کے مریدین بھی حضرت سے عملی طور پر اختلاف کرتے، مگر حضرت کی شفقت اور تعلق میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی تھی۔ تیسری بات جو اس ناچیز کو حضرت کی ذات میں خاص طور پر محسوس

ہوئی وہ تسلیم ورضا کا پہلو، توکل[1] **علی اللہ** اور تبتل[2] **الی اللہ** کا وہ مقام ارفع حاصل تھا جس کی نظیر بہت کم مجھے دیکھنے کو ملی۔

حضرت کی بے قراری اورانجذابی کیفیت

مقصود ومطلوب، حصول یقین اور روحانی ترقی، کامیابی وکامرانی کی ابتداء اکثر وبیشتر بے قراری اوراندرونی بے چینی اوراضطرابی کیفیت سے ہوتی ہے جس بے قراری کے نتیجہ میں انسان کے اندرایک چیز پیدا ہوتی ہے جس کو تڑپ اور لگن سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، اکثر کاملین اور بزرگان دین اس کیفیت سے گذرتے ہیں، سالک میں جب تک یہ کیفیات نہ ہوں اس وقت تک مقامات سلوک طے نہیں ہوتے، خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کیفیت کے اعلی مقام پر فائز تھے۔ حضرت خطیب الاسلام کی دو چار مرتبہ کی آمدورفت ہی سے خانقاہ رائپور کے لئے بے قراری سی رہتی اور بقول حضرت خطیب الاسلام

”مجھے خانقاہ سے واپسی کے بعد دیوبند پہنچ کر اگلی جمعرات کا انتظار شروع ہوجاتا اور میں وہاں جانے کے لئے ایسا بے قرار ہوتا اور صبح وشام کے لمحات گنتا اور جب تک خانقاہ نہ پہنچ جاتا میری بے قراری باقی رہتی، اور حقیقت یہ ہے کہ اس بے قراری اوراضطرابی کیفیت کو سکون صرف اہل اللہ ہی کی صحبت سے ملتا ہے۔“

حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت

جب حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو ہرزاویہ سے دیکھ لیا اورطبیعت کے میلان میں رسوخ پیدا ہوگیا تو حضرت خطیب الاسلام نے باطن کی اصلاح کے لئے حضرت رائپوری کے دست حق پرست میں اپنا ہاتھ دے دیا اور سلسلے چشتیہ میں بصد شوق وبکمال جوش خواجہ حافظ کی زبان میں عرض کیا

تو کہ کیمیا فردشے نظرے بقلب ما کن
کہ بضاعتے نہ داریم وفگندہ ایم رامے

---

[1] توکل: اللہ ہی کی ذات پر صرف اور صرف بھروسہ واعتماد۔

[2] تبتل: سب کو نظرانداز کرکے صرف اللہ ہی کا ہورہنا۔

چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت خطیب الاسلام کے سوز دروں کو محسوس فرما کر بیعت فرمالیا،[1] بیعت کیا بلکہ اس عہد کی تجدید فرمائی جو ہر انسان سے حق تعالیٰ شانہ نے عہد الست یعنی ازل میں لیا تھا، جس کا ذکر قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں کیا گیا ارشاد فرمایا:

﴿اَلَسْتُ بربّکم قالوا بلی﴾ (سورۃ الاعراف: ۱۰۲)

یہ بیعت وارشاد دراصل اسی عہد الست کی تجدید ہے۔ جس کے ذریعے رجوع الی اللہ کے ساتھ شوق عبادت، احسان وسلوک کا بلکہ، ایمانی حلاوت اور معرفت خداوندی کے حصول کی تڑپ، رذائل نفس کو ختم فرما کر کرائی جاتی ہے، تاکہ سالک میں استحضار ویقین کی کیفیات اور جناب رسول اللہ ﷺ کی فکر وتڑپ کا عُشر وعشیر حصہ پیدا ہوسکے، بیعت کا یہ سلسلۃ الذہب جناب رسول اللہ ﷺ کے عہد میمون سے بغیر انقطاع کے بحمد اللہ آج تک علماء ربانین اولیاء اللہ کی شکل میں مسلسل چلا آرہا ہے۔

بہرحال حضرت کو حضرت رائپوری کے متوسلین میں شامل ہونے کا موقع ملا، حضرت کو خلافت دیتے ہوئے ابھی چند ماہ ہی گذر پائے تھے کہ حضرت رائپوریؒ کا وصال ہوگیا، حضرت خطیب الاسلام نے بہت کچھ باطنی طور پر اس دوران حضرت سے استفادہ کیا جو نعمت ملنی تھی اور جس کو حاصل کرنے کے لئے پروانہ وار دیوانہ ومشتاقانہ بار بار حاضری کی سعادت حاصل کررہے تھے۔ وہ تعلق مع الخلق اور تعلق مع النفس (یعنی رذائل نفس سے اجتناب اور فضائل نفس والے اعمال کی طرف رغبت) کی شکل میں حاصل کر چکے تھے۔ آپ کے خانقاہ رائپور کی آمد ورفت کے درمیان ان تین اہم اور بنیادی شعبوں کی داغ بیل پڑ چکی تھی، ''تعلق مع النفس'' جب کسی کا تعلق اپنے نفس کے ساتھ صحیح ہوجاتا ہے تو وہ درج ذیل صفات کا متحمل خود بخود ہوجاتا ہے، مثلاً اس میں پاکدامنی وپاک نفسی عفت وعصمت، حیاء وانکسار، غیرت وحمیت، ہمت وشجاعت، صبر وسماعت، حلم وضبط، اعتماد وتوکل، زہد وقناعت، مجاہدہ وریاضت، تحمل شدائد ومصائب اور خدا ترسی وغیرہ کے اعلیٰ ترین ملکات اس میں پیدا ہوجاتے ہیں اور تعلق مع الخلق سے اس میں خدمت خلق اللہ، صلہ رحمی، نصرت واعانت، ایثار وعطاء، راحت رسانی

---

[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کا ثبوت چار طرح ملتا ہے، (۱) بیعت اسلام (۲) بیعت جہاد (۳) بیعت ہجرت (۴) بیعت توبہ وطریقت، بیعت ہجرت کا حکم تو ختم ہوگیا تھا، دیگر بیعتوں کی طرح بیعت توبہ وطریقت اب بھی باقی ہے۔ صحابہ کرام نے بارہا نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی، چنانچہ قرآن کریم اور روایات حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے، بخاری ومسلم میں اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت سے آپ نے فرمایا: ''بایعونی علی أن لاتشرکوا باللہ شیئاً''.

کف اذی (ایذا رسانی سے بچنا) عفوو در گذر، محبت وشفقت، دلسوزی و ہمدردی، تعلیم وتربیت ارشاد و تزکیہ وغیرہ جیسی صفات حمیدہ پیدا ہوتی ہیں اور تعلق مع اللہ سے اس میں عبادت و ریاضت، مجاہدہ ومراقبہ، کسر شہوات ولذات، توبہ وانابت، توبہ واستغفار، تہجد وشب بیداری ذکر وفکر جیسے عظیم ملکات پیدا ہوتے ہیں، اور تینوں تعلقات میں بھی اصل چونکہ تعلق مع اللہ ہے جو باقی دونوں تعلقات کو صحیح نہج پر قائم کرتا ہے اسی لئے خانقاہوں میں ہر عمل پر مجاہدہ کی غرض وغایت رضائے الٰہی اور حصول تعلق مع اللہ بتلایا جاتا ہے، ان خانقاہوں کے برخلاف جو حضرات اللہ سے منقطع ہو کر ان تعلقات کو خوشنما بنانے کی فکر میں ہیں وہ طرح طرح کی مہلک لغزشوں کا شکار اور نفسانی جذبات میں گرفتار ہیں، جن کی مہلک لغزشوں سے دنیا فتنہ وفساد کی جانب چل پڑتی ہے۔[۱]

بہر حال حضرت خطیب الاسلام کے لئے ایک امتیاز تو قاسمی گھرانے کی وہ تربیت تھی بقول شخصے:

''جن کی ماؤں کی گود میں اسلام پلتا تھا'' دوسرا امتیاز اکابرین دارالعلوم دیوبند کی خصوصی توجہات اور تیسرا امتیاز حضرت خطیب الاسلام کی خانقاہ رائپور سے وابستگی تھی، جس کی وجہ سے حضرت کے قلب میں تعلق مع اللہ، تعلق مع الخلق اور تعلق النفس کی داغ بیل پڑ گئی اور پھر حضرت رائپوری کی وفات کے بعد حضرت نے اپنی شخصیت کی تعمیر انتہائی مجاہدہ وریاضت کے ساتھ ان تین بنیادوں پر کی، جن کے ظاہری وباطنی اثرات آج ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں اور اس وقت حضرت خطیب الاسلام کا حال یہ ہے کہ بقول حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ والد بزرگوار مفتی محمد شفیع صاحب:

مرجع مخلوق بود و متبع جود و کرم
خُلق او خلق محمد چشمۂ فیض اتم
طالبان را فیض صحبت صورت اکسیر داشت
نقش حب حق بلوح قلب ایشاں برنگاشت[۲]

---

[۱] یہ خلاصہ ہے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے مضمون ''سیرت کی جامعیت کے چند بنیادی اصول،، کے اقتباس کا یہ مضمون چھپا ہے، نقوش کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نمبر کی پہلی جلد میں، ص ۳۸ تا ۱۵ا مزید تفصیل کے لئے وہاں رجوع فرمائیں۔

[۲] یہ تحریر حضرت کی زندگی میں ہی لکھی گئی تھی، ان اشعار کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے: (بقیہ)

حضرت رائپوریؒ اوران کے مختصر حالات

سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی زا آفتاب
لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن
ساعت بسیاری باید کشیدن انتظار
تا کہ درخوف صدف باراں شودُ رّعدن[۱]

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اشعار گرچہ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کے والدمحترم حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب نے حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمتہ اللہ علیہ کی تعریف وتوصیف میں کہے تھے، مگر راقم الحروف نے ان اشعار کو پڑھا توان اشعار کا مصداق میں نے اپنے مربی وشیخ حضرت خطیب الاسلام کو پایا، میں یہ بات صرف سیدی حضرت خطیب الاسلام کی عقیدت میں نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ اس حقیقت کا اظہار ہے جس کو میں علی وجہ البصیرت دارالعلوم دیوبند میں طالبعلمی کے زمانہ سے دیکھتا آیا ہوں، اللہ رب العزت حضرت کی عمر میں برکت عطاء فرمائے، اس وقت حال یہ ہے کہ حضرت کے چہرہ کو دیکھ کرہی یہ اشعار زبان پر خود بخود جاری ہوجاتے ہیں، ہمارے ایک بہت بڑے داعی اورعرب عالم دین شیخ محمد عکاس جب ہندستان تشریف لائے اور دیوبند کا دورہ کیا تو راقم الحروف اور میرے بھائی جان جناب مولانا محمد اویس صدیقی نانوتوی کی رفاقت میں شیخ کا دورۂ دیوبند ہوا جب ہم لوگ ان کو لے کر حضرت خطیب الاسلام دامت برکاتہم کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے تو شیخ محمد عکاس باربار فرماتے **مشائخنا دیوبند، مشائخنا دیوبند** پھرفرمایا **علی محیاہ نور** (ان کے چہرے پرنور ہے) اس کے بعد حضرت خطیب الاسلام کی پیشانی کا کئی بار بوسہ لیا، دوسرا واقعہ راقم الحروف کے ایک نومسلم ساتھی جو فی الحال بحمداللہ مشرف باسلام ہوگئے، وہ اپنے اسلام لانے سے قبل راقم کے ساتھ حضرت خطیب الاسلام کی زیارت اورملاقات کے لئے اپنے چند اور غیرمسلم ساتھیوں کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے، ملاقات کے بعد ہمارے وہ ساتھی جن کا نام پہلے ہرشن چوہان تھا کہنے لگے کہ حضرت کے چہرہ کو دیکھنے کے بعد میرا دل گواہی دیتا ہے کہ میں فوراً اسلام قبول کرلوں، کیونکہ جس مذہب کے ماننے والوں کے چہرے ایسے ہوں وہ مذہب جھوٹا نہیں ہوسکتا، حقیقت ہے جس نے بھی یہ شعر کہا ہے،

صورت کو تری معیار کمالات بنا کر
دانستہ مصور نے قلم توڑ دیا ہے

ترجمہ: یقیناً آپ مرجع خلائق اور جودوسخاوت کا سرچشمہ تھے، اخلاق نبوی کے چشمۂ فیض سے آپ نے آسودہ ہوکرخودکو اخلاق نبوی کا آئینہ دار بنادیا تھا۔ طالبان ہدایت کے لئے آپ کی صحبت ومجالست کیمیا اثر ہے، آپ کی صحبت سے لوح قلب پرعشق خداوندی وحب نبوی کا نقش مرتسم ہوجاتا ہے۔

[۱] حکیم سینائی

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری کا نام ان کے والد نے غلام جیلانی رکھا تھا، جب ان کے والدان کو حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی خدمت میں لے کر گئے تو حضرت نے نام دریافت کیا تو غلام جیلانی بتایا، اس پر حضرت نے فرمایا کہ غلام جیلانی نہیں آپ تو عبدالقادر ہیں پھر اسی نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کی سن ولادت کا صحیح علم نہیں ہوسکا، ہاں البتہ قرائن سے اتنا پتا چلتا ہے کہ آپ کی ولادت ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء کے آس پاس ہوئی۔

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری کا خاندان ابتداء میں خاں تحصیل تلا گنگ ضلع کیمبل پور (مغربی پنجاب) میں پڑتا تھا، آپ نسلاً راجپوت تھے۔[1]

اس خاندان کے پہلے نامور شخص مولوی عبدالرحیم صاحب تھے جو شاہان مغلیہ کے دور میں تھے، ان کو کسی بزرگ نے بشارت دی تھی کہ سات پشت تک تمہاری اولاد میں حفظ قرآن کی دولت اور علم رہے گا۔

ان مولوی عبدالرحیم کے تین فرزند تھے (۱) مولانا محمد اکرم (۲) مولانا محمد حسن (۳) مولانا محمد محسن، مولانا محمد اکرم حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری کے حقیقی دادا ہیں۔

آپ کے والد حافظ احمد علی صاحب بڑے جید حفاظ میں سے تھے اور آپ کو قرآن کریم سے غایت درجہ شغف تھا اور قرآن کریم کی بہت زیادہ تلاوت کرنے والے تھے، آپ کو اپنے بچوں میں حضرت شاہ عبدالقادر سے غیر معمولی اور سب سے زیادہ محبت تھی، جب لوگ آپ سے اس کی وجہ دریافت کرتے تو فرماتے کہ اس بچہ کا مستقبل مجھے بڑا روشن نظر آتا ہے، جب اس کی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہوں گی اور مخفی جوہر وہنر کھلیں گے تو میری محبت کے اس میلان اور رجحان کو لوگ سمجھیں گے اور اس پر رشک کریں گے۔

حضرت رائپوری موضع ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے، تعلیم کی تکمیل حضرت نانوتوی کے شاگرد رشید حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھی سے مدرسہ عبدالرب میں کی، اسی دوران حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے درس حدیث میں شرکت کی، تصوف وسلوک کی تکمیل حضرت مولانا عبدالرحیم رائپوری سے کی اور پھر پوری زندگی اپنے شیخ کے قدموں میں گزاردی، شیخ نے آپ کو اپنا خلیفہ وجانشین بنایا۔

[1] سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری، مولانا ابوالحسن علی ندوی۔

آپ زندگی بھر یادِ حق اور خدمتِ خلق میں لگے رہے، ہمیشہ صبر واستقامت کے ساتھ ذکر وفکر اور ریاضت ومجاہدہ میں مشغول رہے، چنانچہ ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء میں اپنے شیخ کے انتقال کے بعد مسند پر رونق افروز ہوئے اور مکمل ۴۵ سال تک اپنے شیخ کی مسند کی عزت بڑھاتے رہے، انتہائی اخلاص اور کثرتِ ریاضت ومجاہدہ سے شریعت وطریقت کو دنیا میں عام کیا اور راہِ سلوک کی تشنہ لب جماعتوں کو روحانی طور پر سیراب فرمایا اور لاکھوں مسلمانوں کو فسق وفجور اور رسوم وبدعات سے توبہ کرائی۔

آپ نہایت متواضع، خوش اخلاق اور سادہ طبیعت واقع ہوئے تھے، اور فنائیت کے اس قدر اعلیٰ مقام پر فائز تھے کہ بقول شخصے: وہ فنا ہو کے بھی فنا نہ ہوئے، اور اپنے متوسلین کو بھی سادگی وفنائیت کی ہدایت فرماتے تھے، جو وہاں چلا جاتا ذرا سی تڑپ کے ساتھ ان کی خانقاہ میں رہ لیتا وہ مقامِ فنائیت کے ساتھ لوٹتا، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی وغیرہ جیسے بہت سے مشاہیر آپ کے خلفاء ومجازین میں شامل ہیں۔ حضرت خطیب الاسلام کے راہِ سلوک کی ابتداء بھی اسی خانقاہ کی دین ہے، اس راہ کا گرم رو مسافر بنا کر حضرت رائپوری نے اس قاسمی خاندان کی امانت کو گویا یہ فرما کر لوٹا دی کہ ''بضاعتکم ردت إلیکم'' آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے، پہلے ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء میں ایک سال تک اور پھر ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ سے ۱۳۸۲ھ/۱۳۶۲ھ تک۔

۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ/۱۵ اگست ۱۹۶۲ء کو انتقال ہوا اور ڈھڈیاں سرگودھا کی مسجد کے قریب تدفین عمل میں آئی۔[1]

حضرت خطیب الاسلام ''دبستان معرفت کے ایک گوہر شب چراغ کے دیباچہ میں خانقاہ رائپوری کی بابت تحریر فرماتے ہیں:

> ''بحمد اللہ ہندستان کو بھی دین کی ان تینوں بنیادوں (''اکمال'' ''اتمام'' اور رضاء ذاتی) پر ہمیشہ مخلص خدام میسر رہے اور بہ تسلسل ایسے خادم میسر آتے رہے ہیں، جو ان ذمہ داریوں کو باخلوص ادا فرما رہے ہیں۔
>
> ''اتمام نعمت'' کے فیض معنوی کے لئے الحمد اللہ خانقاہ رحیمیہ رائپور میں صاحب معنویت وروحانیت علم وتفقہ اور کامل تربیت روحانیہ میں خانقاہ رحیمیہ کے اسلاف صالحین کے نقوش عمل

[1] سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائپوریؒ از: مولانا ابوالحسن علی ندوی، دبستان معرفت کے ایک گوہر شب چراغ، سلیم احمد، ابو محمد کلیم اللہ ناظور قاسمی، دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، مشاہیر علماء دیوبند، دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی۔

پر مرتبۂ کمال رکھنے والی گرامی مرتبت شخصیت حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب مدظلہ سے یہ فیضان جاری ہے۔''[۱]

حضرت خطیب الاسلام کے یہ کلمات:

''اور کامل تربیت روحانیہ میں خانقاہ رحیمیہ کے اسلاف صالحین کے نقوش عمل پر'' سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کے ذہن میں خانقاہ رحیمیہ رائپوری کا کیا عالی مقام ہے اور یہ وہی نقش ذہن میں مرتسم ہے جس کا مشاہدہ حضرت نے بذات خود راہ سلوک کے ابتدائی سفر میں حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری کی خدمت میں رہ کر کیا۔ بقول علامہ اقبال:

نہ تخت وتاج میں ، نہ لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے
کئے ہیں فاش، رموز قلندری میں نے
کہ فکر مدرسہ و خانقاہ ہو آزاد[۲]

حضرت خطیب الاسلام حضرت رائپوری کی وفات کے بعد

حضرت خطیب الاسلام حضرت رائپوری کی وفات کے بعد یعنی اگست ۱۹۶۲ء کے بعد اس راہ کی تکمیل کے لئے سلسلہ تھانوی کی طرف رجوع فرمایا، اس سلسلہ کا بنظر غائر مطالعہ جب کیا تو اس سلسلے کی سب سے زیادہ موزوں شخصیت حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہ کی شخصیت نظر آئی، یہ ایک اتفاقی امر ہے کہ حضرت حکیم الاسلام آپ کے والد محترم بھی تھے تو گویا یہ دولت گھر ہی میں مل گئی، بے شک یہ ایک عظیم نعمت تھی، جو حضرت خطیب الاسلام کو گھر پر ہی مل گئی تھی، مگر حضرت خطیب الاسلام نے بھی اس نعمت کو شکر کے ساتھ قبول فرمایا اور اپنے والد بزرگوار حضرت حکیم الاسلام کے دست حق پرست پر اس سلسلہ کو قائم فرمایا اور حضرت رائپوری نے جو معرفت الٰہیہ کا تخم بویا تھا اس کی حضرت حکیم الاسلام نے نہ صرف نگرانی فرمائی اور خیال بھی رکھا بلکہ اس کی مکمل آبیاری فرما کر اس کو تناور درخت بنایا اور اس طرح حضرت خطیب الاسلام کی ذات آیت شریفہ تؤتی

۱؎ دبستان معرفت کے ایک گوہر شب چراغ. ص:۱۴، یہ تحریر حضرت خطیب الاسلام نے ۱۰ شوال ۱۴۳۳ھ میں لکھی ہے۔
۲؎ علامہ اقبال کا دیوان کلیات اقبال سے ماخوذ۔

اُكُلَهَا كُلَّ حِيۡنٍ بِاِذۡنِ رَبِّهَا. (سورۂ ابراهیم: ۲۵) کا مصداق بن گئی۔ اور الحمد للہ آج بھی یہ سلسلہ اپنی تمام تر فیوض و برکات کے ساتھ قائم ہے اور بحمد اللہ اس چشمہ فیاضی سے تا دم تحریر لوگ مستفید و مستفیض ہو رہے ہیں اللہ رب العزت ان کے فیض کو تا قیام قیامت جاری رکھے۔ بقول خواجہ حافظ:

از صد سخن پیرم یک نکتہ مراد باد است
عالم نشود ویراں تا میکدہ آباد است

حضرت خطیب الاسلام کے دو امتیازی وصف

حضرت رائپوری اور حضرت حکیم الاسلام کے لگائے ہوئے اس شجرۂ طوبیٰ کی دو امتیازی خصوصیات ہیں، جن کا مشاہدہ عاجز نے ہر ہر موقع پر کیا، شاید ہی کوئی موقع ایسا ہو کہ یہ عاجز خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہو اور ان دونوں خصوصیات کا مشاہدہ نہ کیا ہو، (۱) اتقانِ عمل اور (۲) دوسری چیز اشتغال بالعلم کے ساتھ مقصد پر نظر حضرت کی یہ اپنی خاندانی خصوصیت اور امتیاز رہا کہ بڑی سے بڑی مشکلات اور رکاوٹیں حصول مقصد میں کبھی حارج نہیں ہوئیں، اور نہ ان دشوار کن مراحل اور مشکلات میں بھٹکے اور الجھے، میں نے اپنی زندگی میں اپنے حضرت (حضرت خطیب الاسلام) کا جو علمی انہماک دیکھا وہ ہماری موجودہ جماعت دیوبند میں شاید ہی کسی میں اس حد تک ہو، راقم نے شغف اور انہماک فی العلم کا واقعہ اپنے خاندان کے ایک بزرگ حضرت مولانا مملوک العلی نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں سنا تھا کہ وہ بنیے کی دکان میں سے جو روشنی آتی اس روشنی میں کتابوں کا رات بھر مطالعہ فرماتے، یا پھر بچپن میں اپنے گھروں میں ایک قصہ سنا تھا، ایک مولوی صاحب غریب آدمی تھے بھوک کی شدت کے عالم میں کسی حلوائی کی دکان کے قریب جا کر کھڑے ہو جاتے اور مٹھائیوں کی خوشبو سے اپنا پیٹ بھر لیتے، سڑک پر یا اور کہیں روشنی نظر آتی تو وہاں جا کر کتابیں دیکھتے، ایک مرتبہ شہرہ ہوا کہ بادشاہ کے صاحبزادے کی شادی ہے، رات میں قمقمے وغیرہ روشن کئے گئے، یہ صاحب رات بھر ان قمقموں کی روشنی میں صبح تک کتابیں دیکھتے رہے، جب صبح ہوئی تو فرمایا:

''وہ شادی کے قمقمے کہاں گئے سنا تھا کہ بادشاہ کے یہاں شادی ہے۔''[1]

حقیقت یہ ہے کہ جس کو کسی کام کا چسکا پڑ جائے پھر کوئی چیز حصول مقصد میں نہ مانع ہوتی نہ حارج،

---

[1] ملفوظات حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا ''صحبت با اولیاء'' مرتب پروفیسر تقی الدین ندوی مظاہری۔

مکتب عشق کے انداز نرالے دیکھے
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

اس عاجز کو جب بھی گذشتہ ۱۲ سالوں میں حضرت کی خدمت میں حاضری کی سعادت ملی تو یہ عجیب بات دیکھنے میں آئی کہ حضرت خطیب الاسلام کو کبھی خالی نہیں دیکھا ہمیشہ مطالعہ یا پھر لکھنے میں مصروف پایا، اس پیرانہ سالی میں مطالعہ اور علمی انہماک کا یہ حال ہے، آپ کی عمر ۹۰ سے متجاوز تھی۔

خانوادہ قاسمی میں سلسلہ تھانوی کے دیگر باطنی فیوض کے ساتھ علم ومعرفت کو نمایاں طور پر مقام حاصل ہوا، خود حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب کے حالات میں اپنی والدہ محترمہ کا چشم دید واقعہ یعنی رات تین بجے کا عمل اور معمول نقل کر چکا کہ رات کو شمع روشن ہے اور تین بجے شب کا عمل ہے اور دیگر مخلوق اور گھر کے تمام افراد محوخواب ہیں، اور حضرت حکیم الاسلام اپنی زندگی کے آخری ایام میں تصنیف کے عمل میں مشغول ہیں۔[1]

برصغیر میں حق تعالیٰ شانہ نے اس خانوادہ کو علمی اعتبار سے بالکل ممتاز رکھا جو درحقیقت معرفت حق کی خشت اول ہے، یہی وہ خشت اول ہے جس پر بعد میں جو چاہیں تعمیر کر سکتے ہیں، علم وحکمت سلوک معرفت اور تزکیہ واحسان کی تعمیر حقیقت میں جب ہی صحیح نہج پہ ہوسکتی ہے جب کہ ان سب کی خشت اول صحیح رکھی جائے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے خشیت کا صحیح حق ان لوگوں کو عطا کیا جن کو علم کا وافر حصہ نصیب ہوا، ارشاد فرمایا: ﴿اِنمایخشی الله من عباده العلماء﴾ (سورۃ الفاطر: ۲۸)

ایک حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’لَنْ یَشْبَعَ مُؤمِنٌ من خَیْرٍ حَتّٰی یَکُوْنَ مُنْتَهَاه الْجَنَّةَ‘‘ (رواہ الترمذی)

مؤمن خیر سے کبھی سیراب نہیں ہوتا (یعنی مستقل ہر خیر کی طرف حریص رہتا ہے) یہاں تک کہ وہ اپنے اصل ٹھکانہ اور مقصود یعنی جنت میں نہ پہنچ جائے۔

بہرحال خانقاہ رائپور سے حضرت خطیب الاسلام نے خانقاہ تھانہ بھون کے شجرۂ طوبیٰ کی شاخ طیب کی طرف جب رجوع فرمایا تو حضرت خطیب الاسلام کے بقول:

شَرِبْنَا شَرَاباً طَیِّباً عِنْدَ طَیِّبٍ
کَذَاکَ شَرَابُ الطَّیِّبِیْنَ یَطِیْبُ

[1] یہ واقعہ تفصیل سے حضرت حکیم الاسلام کے حالات میں گذر گیا۔

شَـــرِبْـنَـــاوَاَحْـــرَقْـنَـــاعَلَـیٰ الْأَرْضِ جُـرْعَةً
وَلِلْاَرْضِ مِـــنْ كَـــأسِ ألــكَـــرَام نَـصِيْـــبُ[1]

ان اشعار کو حضرت خطیب الاسلام نے عاجز کو جس پس منظر میں سنایا تھا میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ حکیم الاسلام کے چشمۂ علم وحکمت سے مکمل فیضیابی اور نسبت قاسمی کے انتقال کی طرف اشارہ تھا، اوراس کے بعد حضرت نے فرمایا: بطور تحدیث بالنعمت عرض کرتا ہوں کہ مجھ پر فضل رب ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے مجھے ﴿الـم تـر كيف ضـرب الـلهـمثلاً كَـلِـمَةً طيبة كَشَـجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْـلُهَـا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَافِي السَّمَاءِ﴾ (سورة ابراهيم: ۲۴) کا خوشہ چیں بنایا، اس پر میں نے حضرت کے سامنے جرأت کر کے اس آیت کو مکمل کر دیا کہ: ''حضرت! اس کا نتیجہ اور ثمرہ ﴿تُـؤتِـيْ اُكُـلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا﴾ (سورة ابراهيم: ۲۵) آپ کی ذات بابرکت کی شکل میں بحمد اللہ جماعت دیوبند کو مل گیا، حضرت نے فرمایا کہ یہ سب سلسلے کے فیوض وبرکات ہیں۔اور یہ شعر پڑھا:

جمالِ ہمنشیں درمن اثر کرد
وگرنہ من ہمہ خاکم کہ ہستم[2]

حقیقت یہ ہے کہ علم ومعرفت کی میراث کسی کو جب ہی نصیب ہوتی ہے جب اس کی نظر اپنے اسباب اور اپنی ذات پر سے ہٹ کر فضل رب پر ہو جائے اور یہ ذہن میں رہے کہ:

منت منہ کہ خدمت سلطاں، ہمیں کنی
منت شناس کہ ازوے خدمت بداشتد[3]

جیسا کہ حضرت خطیب الاسلام نے فرمایا:

''مجھ پر فضل رب ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے مجھے ﴿الم تر كيف ضرب الله مثلاً كلمة طيبة كشجرة طيبة أصلها ثابت وفرعها في السماء﴾ (سورة ابراهيم: ۲۴) کا خوشہ چیں بنایا۔''

[1] راقم الحروف نے حضرت خطیب الاسلام سے یہ شعر دو تین مرتبہ سنا، ایک مرتبہ جب میں نے سوال کیا حضرت حکیم الاسلام سے بیعت کے سلسلے میں تو حضرت رائپوری کے وصال کے بعد حضرت حکیم الاسلام کی طرف رجوع کا واقعہ بیان فرما کر آخر میں حضرت نے یہ شعر سنائے۔

[2] یہ واقعہ ۲۰۱۴ء فروری کا ہے حضرت دیوبند میں اپنے دولت کدہ میں تشریف فرما تھے۔

[3] ترجمہ: یہ احسان مت جتلا کہ میں بادشاہ کی خدمت کررہا ہوں، بلکہ یہ احسان مان لے کہ بادشاہ نے تجھ کو اپنی خدمت میں رکھ لیا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کی نظر گھر کی دولت اور گھر کی میراث پر نہیں تھی کہ اس کو جب چاہوں گا حاصل کرلوں گا، بلکہ یہ ذہن میں تھا کہ تمام دنیوی اسباب اختیار کرنے کے بعد اگر فضل رب شامل حال رہا تو یہ علم ومعرفت کی دولت ملجائے گی ورنہ ہم بھی کورے رہ جائیں گے۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں ذرہ برابر شک وشبہ کی گنجائش نہیں، کہ یہ مخلصین اولیاء اللہ کا ایسا سلسلۃ الذھب ہے، جو جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک ہر زمانے اور ہر جگہ پر اس کی کڑیاں ایک دوسرے سے مدغم رہیں، اس سلسلۃ الذھب کی نہ معلوم کتنی کڑیاں عہد صحابہ سے لے کر اب تک امت میں جاری وساری ہیں۔ اور عطار ورومی، رازی وغزالی، حسن بصری، جنید بغدادی، عبدالقادر جیلانی وبسطامی، دہلوی ودیوبندی، رائے بریلوی وسرہندی، اجمیری وکلیری، نور محمد جھنجھانوی، قاسم نانوتوی ورشید احمد گنگوہی، یعقوب نانوتوی واشرف علی تھانوی اور نہ معلوم ان جیسے کن کن پارساؤں اور ستودہ صفات انسانوں کی شکل میں آئیں۔ اور یہ بندگان حق اپنے سوز دروں سے نہ معلوم کتنے انسانوں کو تڑپا کر اور ان کو اس راہ کا گرم رومسافر بنا کر واصل بحق ہو گئے، اس سلسلے میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید علی میاں صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

''تاریخ کے سرسری مطالعہ ہی سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ قرن ثانی سے لے کر اس وقت تک بلا انقطاع وبلا استثناء ہر دور اور ہر ملک کے کثیر تعداد مخلص بندوں نے اس طریقہ کو اختیار کیا اور اس کی دعوت دی، خود فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو فائدہ پہنچایا اور ساری زندگی اس کی اشاعت میں مشغول وسرگرم رہے۔''[۱]

بقول شاعر:

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینت چمن
اے ذوقؔ اس جہاں کو زیب ہے اختلاف سے[۲]

بہرحال اس نورانی وعرفانی سلسلے کی ایک کڑی حضرت خطیب الاسلام کی ذات بابرکت ہے جو اپنے والد محترم حضرت حکیم الاسلام کا علم وفضل، فکر وفن، عمل وکردار صلاح وتقوی، اخلاص وللّٰہیت

۱؎ دبستان معرفت کے ایک گوہر شب چراغ، سلیم احمد ابوکلیم اللہ ناظور قاسمی، ص ۹۴۔ حضرت مولانا علی میاںؒ نے ''قرن ثانی'' سے تذکرہ اس لئے کیا کہ قرن اول میں تو ہر صحابی اس سلسلۃ الذھب کی مستقل ایک کڑی کی حیثیت رکھتے تھے۔

۲؎ ابراہیم ذوق کا دیوان

اور عفو وحلم میں پرتو اور ان کی ہمہ جہتی تصویر ہیں۔

حضرت خطیب الاسلام ان بانصیب اور خوش بخت لوگوں میں ایک ہیں جن کو تینوں مراحل میں باعتبار تربیت وتہذیب اور ثقافت مکمل اسلامی ماحول ملا، جب وہ پہلے مدرسہ یعنی والدہ کی گود میں زیر تربیت تھے تو آپ اپنی دادیہال ونانیہال کے مجموعی نظام تربیت سے پروان چڑھے،[1] جس کا ذکر عاجز نے باب اول میں کیا ہے۔

حضرت نے جب دوسرے مرحلے میں قدم رکھا تو اساتذہ کرام سے واسطہ پڑا، اساتذہ میں بھی نمونہ اسلاف حکیم الامت، حکیم الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، علامہ ابراہیم، مولانا سید اصغر حسین، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی جیسی نابغہ روزگار شخصیات سے براہ راست استفادہ کا موقع ملا، اور ان حضرات نے خطیب الاسلام کی تربیت کے پہلے مرحلے پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا، اس دوسرے مرحلے میں بھی حضرت نے اپنے اساتذہ کرام کا انتہائی ادب واحترام ملفوظ رکھا اور ان کی خدمت کو اپنے لئے دارین کی سعادت کا ذریعہ سمجھ کر صالحیت کے بعد صلاحیت پیدا کرنے کی خاطر بارگاہ خداوندی میں مستقل دست بدعا رہے۔

حضرت کے اساتذہ کرام کے تذکرے اوپر گذر چکے، جن میں حضرت کے اوپر حضرات اساتذہ کے اطمینان واعتماد کا بھی ذکر کیا جاچکا، بہرحال حضرت جب علوم ظاہرہ سے آراستہ ہوگئے تو تربیت کے تیسرے مرحلہ میں قدم رکھا اور اپنے آپ کو باطنی علوم سے پیراستہ کرنے کے لئے دبستان معرفت وسلوک میں داخل ہوگئے، تاکہ آپ کے قلب میں ذکر الٰہی، فکر اخروی، دنیائے دوں سے کنارہ کشی وبے نیازی، بدعات وخرافات اور غیر اسلامی رسومات ونظریات کی بیخ کنی کے ساتھ شعور دینی، جرأت ایمانی، غیرت اسلامی، روح عرفانی وحکمت برہانی کا تصور اہل معرفت کی صحبت سے پھونکا جاسکے۔ جن کے پاس جاکرہی:

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظل رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر

[1] جن کے گھر کی تربیت سے دنیا بھر کے لوگوں کو انجم کی ہم قسمتی ملی حضرت خطیب الاسلام بھی اس گھر کے تربیت یافتہ چشم وچراغ ہیں۔

انہی کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے
اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخن دانی

تربیت کے تیسرے مرحلے سے مستفید ہونے اور دبستان معرفت میں قدم رکھنے کے لئے لازم ہے صحبت شیخ، کیونکہ اچھی صحبت اور صلحاء واتقیاء کی مصاحبت اور ان کے ساتھ رہ کر تعلیم وتربیت یہ چیزیں فکر ونظر، ذوق ومزاج اور انسانی شخصیت پر اثر انداز ہوتی ہیں، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسائی حضرت شعیب علیہ السلام تک ہوگئی، یہاں سے واپسی پر خرقۂ نبوت سے شرفیابی ملی، علامہ اقبال فرماتے ہیں:

اگر کوئی شعیب آئے میسر
تو شبانی سے کلیمی چند قدم ہے

صحبت کی اثر انگیزی اور ماحول کی سرخیزی ہمیشہ اپنے جوہر دکھاتی ہے، بری صحبت اور غلط لوگوں کی معیت کے برے اثرات سے کوئی بھی باشعور انسان انکار نہیں کرسکتا، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی اور بری صحبت کی مثال عطر فروش کی دکان اور لوہار کی بھٹی سے دی ہے، بہر حال صحبت کی تاثیر وانفعالیت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

حضرت خطیب الاسلام نے جب اس تیسرے مرحلۂ تربیت میں قدم رکھا تو باطنی اعتبار سے خوب خوب مستفید ہوئے، خانقاہ رائپور ہو یا پھر دبستان طیب دونوں ہی جگہوں سے فیضیاب ہوئے، خود صحبت صالحین مامور بہا ہے، اسی وجہ سے قرآن کریم نے حکم دیا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللهَ وَكُوْنُوْ مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (سورة التوبة: ۱۱۹)

اس آیت کے ضمن میں حضرت مفتی شفیع صاحب ''معارف القرآن'' میں لکھتے ہیں: ''صفت تقویٰ حاصل ہونے کا طریقہ صالحین وصادقین کی صحبت اور عمل میں ان کی موافقت ہے۔[۱]

حضرت حکیم الاسلام نے اس آیت کے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ:

''صحبت میں زیادہ مؤثر معیت ہوتی ہے، ایک یہ ہے کہ کسی چیز کا مطلقاً یاد ہو جانا اور ایک یہ ہے کہ وہ چیز اس کی طبیعت بن جائے جس کو ذوق خاص بھی کہتے ہیں اور یہ ذوق خاص اسی

[۱] معارف القرآن، جلد۴ص: ۴۸۵.

وقت حاصل ہوتا ہے جب قلب کے اندر انشراح پیدا ہو جائے اور یہ انشراح اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب کسی بزرگ کی صحبت کے ساتھ ساتھ اس کی معیت بھی حاصل ہو، اسی واسطے محدثین حضرات کے یہاں یہ اصول ہے کہ ایک راوی وہ ہے جس نے کسی سے روایت سن لی اور ایک راوی وہ ہے کہ اس کو شیخ کی صحبت اور معیت بھی مل گئی ہو اور ایک راوی وہ ہے کہ جس نے کسی شیخ سے روایت سنی اور اس کی صحبت میں رہا اور اس کی معیت بھی اس کو حاصل رہی، تو اس راوی کی روایت محدثین کے یہاں زیادہ قوی مانی جاتی ہے اور اس کی حدیث کا زیادہ اعتبار بھی کیا گیا ہے، کیونکہ جب کسی راوی کی معیت حاصل ہو جاتی ہے تو اس کی روایت کے اندر حقائق ہوتے ہیں اور حقائق کا انکشاف جو ہوتا ہے وہ صحبت اور معیت ہی سے ہوتا ہے اور وہ علم جو صحبت اور معیت سے حاصل ہوتا ہے اس کے اندر ایک قسم کا رنگ ہوتا ہے اللہ تعالی نے قرآن شریف میں فرمایا: ﴿یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللهَ وَ کُوْنُوْ مَعَ الصَّادِقِیْنَ﴾ (سورۃ التوبۃ: ۱۱۹)

اے ایمان والو! تقوی اختیار کرو اور سچوں کی صحبت میں رہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ صرف تقویٰ کافی نہیں ہے بلکہ نیکوں کی صحبت اور معیت بھی ضروری ہے اور صادقین وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے ظاہر و باطن کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے تابع بنا دیتے ہیں، ان کی صحبت اور معیت میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے ان کی صحبت اور معیت سے حق تعالی کی معرفت اور محبت قلب میں پیدا ہوتی ہے۔

ایک ہے معیت خداوندی یہ ان انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتی ہے جیسا کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ شریف سے ہجرت کر کے مدینہ شریف کے لئے روانہ ہوئے تو آپ نے غار ثور میں پناہ لی اور تین دن تک وہیں رہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے جب کفار مکہ نے یہ اعلان کیا کہ جو محمد ﷺ یا ان کے ساتھی کو پکڑ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے، تو یہ خبر سن کر حضرت ابوبکر صدیق بہت غمگین ہوئے کہ کہیں ہم پکڑ نہ لئے جائیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کی پریشانی دیکھ کر فرمایا: ﴿لاتَحْزَنْ اِنَّ الله مَعَنَا﴾ (سورۃ التوبۃ: ۴۰) آپ غمگین اور پریشان نہ ہوں بیشک اللہ تعالی ہمارے ساتھ ہیں، یہ معیت خداوندی تھی، اسی لئے انبیاء علیہم السلام اعدائے اسلام سے نہیں ڈرتے، کیونکہ ان کو معیت خداوندی کی دولت حاصل ہوتی ہے، پھر اس کے بعد صحابہ کو معیت رسول ﷺ ملی پھر تابعین کو معیت صحابہ رضی اللہ عنہم ملی

اور تبع تابعین کو تابعین کی معیت حاصل ہوئی، اس طرح اولیاء کرام کو معیت در معیت حاصل ہوتی رہی۔

معیتِ صادقین سے صرف معلومات ہی حاصل نہیں ہوتی بلکہ معرفت بھی حاصل ہوتی ہے۔"[1]

صحبت اہل اللہ قوی التاثیر اور سریع الاثر شئ ہے کہ ذرا سی دیر میں آدمی کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے، یہی صحبت روحانیت سے گذر کر مادیات تک میں اپنا اثر دکھلاتی ہے، شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

گِلے خوشبوئے در حمام روزے
رسیدا زدستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکے یا عبیری
کہ از بوئے دلآ ویز تو ستم
بگفتا من گِلے نا چیز بودم
ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرد
وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم[2]

اولیاء اللہ نے اس راز کو سمجھا اور مستفیدین و طالبین کے لئے صحبت کو لازم قرار دیا اور مختلف عناوین سے اس کو بیان کیا۔ اس ایک مضمون کو مختلف عناوین اور مختلف پیرائے میں بیان کیا، ایک جگہ لکھتے ہیں:

صحبت نیکاں اگر یک ساعتست
بہتر از صد سالہ زہد و طاعتست
اور ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا
گو نشیند در حضور اولیاء

اور

یک زمانے صحبتت باولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

---

[1] مجالس حکیم الاسلام، مجلس ۴۳، صفحہ ۴۹۹۔۵۰۰۔ مولانا حبیب اللہ قاسمی چشتی قادری۔ [2] گلستاں، شیخ سعدی

اور گر تو سنگِ خارہ و مر مر شوی
چوں بصا حبدل رسی گوہر شوی
اور صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

یہی وجہ ہے کہ حضرات صوفیائے کرام نے صحبت کو طریق کا جز و اعظم قرار دیا ہے، بقول اکبراللہ آبادی

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

ایک عربی شاعر کہتا ہے:

من صاحب الأشراف صار مشرفا،
و مصاحب الآثام غير مشرف
أو ماترى الجلد الحقير مقبلا،
بالثغر لما صار جلد المصحف

اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے کہ صحبت راہ سلوک کا جز و اعظم ہے خطیب الاسلام نے مسلسل پانچ سال جد و جہد فرمائی اور حکیم الاسلام اس دوران مسلسل نگرانی فرماتے رہے۔

ذکر اللہ سے موانست اور دبستانِ طیب

حضرت حکیم الاسلام نے فرمایا کہ: ذکر اللہ روح عالم ہے،،۔ (درج ذیل اقتباس ''حیات طیب،، جلد اول اور ''شجرہ راہ سلوک'' سے ماخوذ ہے) حدیث میں آیا ہے'' لاتقوم الساعة حتى يقال في الأرض ألله ألله،، یعنی کہ جب تک روئے زمین پر اللہ کا نام لیا جاتا رہے گا اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی، جس کے معنی یہ ہوئے کہ قیامت کو اللہ کا ذکر تھامے ہوئے ہے، ذکر بند ہوا اور قیامت کا سماں قائم ہو گیا۔

اسی مضمون کو حکیم الاسلام کی زبان سے ملاحظہ فرمائیں۔ فرمایا:

''کائنات عالم کی روح جس سے وہ زندہ اور برقرار ہے ذکر اللہ اور یاد حق ہے، اگر یہ روح اس

میں سے نکل جائے تو پھر یہ عالم برقرار نہیں رہ سکتا، جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ,,قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جارہا ہے'' یعنی جب تک ذکراللہ کی گونج اس جہاں میں قائم ہے یہ جہاں قائم ہے، جس دن اس میں یادالٰہی باقی نہ رہے گی اسی دن اس عالم کی موت آجائے گی، جس کا نام قیامت ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ عالم کی روح ذکرالٰہی ہے جس کے گم ہوتے ہی اس کی زندگی ختم ہوجائے گی۔

پھر نہ صرف مجموعہ عالم بلکہ اجزائے عالم کی زندگی بھی یادالٰہی سے قائم ہے، حق تعالی نے ارشاد فرمایا کہ ''کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو اللہ کی تسبیح اور حمد نہ کرتی ہو لیکن تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔'' اور فرمایا کہ ''ہر چیز نے اپنی نماز اور تسبیح کو جان لیا ہے۔'' حدیث میں ہے کہ ماء جاری اللہ کی تسبیح کرتا ہے یعنی جب اس کی روانی رک جاتی ہے تو تسبیح بند ہوجاتی ہے اور وہی اس پانی کی موت کی ساعت ہوتی ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ ''سرسبز ٹہنی اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔'' (یعنی جونہی وہ اپنی اصل سے جدا ہوتی ہے اس کی تسبیح بند ہوجاتی ہے اور یہی اس کے مرجھانے اور مرنے کی گھڑی ہوتی ہے۔) اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم، کا ارشاد ہے کہ ''سفید کپڑا اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔'' (پس جوں ہی وہ میلا ہوتا ہے اس کی تسبیح بند ہوجاتی ہے اور یہی اس کی معنوی موت کا وقت ہے) غرض ہر چیز کی زندگی ذکراللہ سے ہے اور اس کی موت غفلت عن ذکراللہ سے ہے۔

کائنات کا اہم جزو انسان ہے۔ انسان کی حقیقی زندگی بھی ذکرالٰہی سے ہی ہے، اس کی معنویت کی روح بھی یہی ذکراللہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ,,جو شخص اپنے پروردگار کو یاد کرتا ہے اور جو یاد نہیں کرتا ان کی مثالیں زندہ اور مردہ کی سی ہیں''۔[1]

---

[1] رواہ البخاری۔ مکمل حدیث یہ ہے: **عن أبی موسی الأ شعری رضی الله عنه عن النبي صلی الله علیه و سلم قال ''مثل الذی یذکر ربّه والذی لأ یذکره مثل الحي والمیت.**

''یعنی ذاکر زندہ ہے اور غافل مردہ، اس سے واضح ہے کہ انسان کی روحانی اور قلبی زندگی کی روح بھی ذکراللہ ہے، جس سے اس کا دل زندہ ہے کہ اصل زندگی دل ہی کی زندگی ہے۔''

ذکراللہ ہی عمل صالح کی روح ہے.

فرمایا: پھراسی طرح انسان کے عمل کی روح بھی ذکراللہ ہی ہے جس سے وہ عمل قبول اور پائیدار ہوتا ہے۔ اگرانسانی عمل کا ڈھانچہ ذکراللہ سے خالی ہواوراس میں یہ روح نہ ہووہ عمل ہی مردہ ہے جس پرنہ آخرت میں کوئی پھل آئے گا نہ دنیا میں اس کی قدر و قیمت ہوگی۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ ''ذکراللہ کرنے والے کی مثال ایک سرسبز درخت کی سی ہے، درختوں کے مجموعہ میں'' یعنی جیسے سرسبز درخت ہی پھل و پھول لاسکتا ہے نہ کہ خشک جھاڑ ایسے ہی ذکراللہ کی تازگی رکھنے والا عمل باثمر ہوسکتا ہے نہ کہ غفلت آمیزاورریاکارانہ عمل۔

ظاہر ہے کہ جب ذکراللہ روح عالم، روح کائنات، روح قلب و جان اورروح اعمال وافعال ہے تو ذکراللہ ہی تمام اعمال میں افضل ترین عمل بھی ہوسکتا ہے، اسی لئے حدیث نبوی میں ذکراللہ کو ''خیرالأعمال'' بہترین، پاکیزہ ترین عمل بلند پایہ عمل چاندی سونا خرچ کرنے سے بھی زیادہ اونچا عمل، جہادفی سبیل اللہ سے بھی اعلی ترین عمل فرمایا گیا۔''

ذکراللہ کے فوائدو برکات

ذکراللہ کے تکوینی اور کائناتی فوائد تو سامنے آئے، اب کچھ تشریعی اوراخروی فوائد پر بھی توجہ فرمایئے، فرمایا: ''اسی لئے یہ ذکراللہ کمال قرب الٰہی اورمعیت حق کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ حدیث قدسی میں حق تعالی کا ارشاد ہے کہ میں بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں جب کہ وہ مجھے یاد کرتا ہے، اگر وہ دل میں اوراپنے نفس میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں اوراگر وہ مجھے کسی مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر مجمع (یعنی جماعت ملائکہ) میں یاد کرتا ہوں۔''

عالم میں سب سے بڑے ذاکر جناب رسول اللہ ﷺ تھے، آپ کی شان حدیث شریف میں فرمائی گئی ہے کہ آپ کی کوئی گھڑی ذکراللہ سے خالی نہ ہوتی تھی اورمختلف اندازوں سے آپ ہر ہر آن ذکراللہ میں مشغول رہتے تھے۔ کان یذکر اللہ علی کل أحیانہ (آپ اپنے تمام اوقات میں اللہ کو یاد کرتے رہتے تھے) حدیث شریف میں ذکراللہ کی مجلسیں جنت کے باغات بتائی گئی ہیں گویا حضور ﷺ تغلبی دنیا میں رہ کر بھی ہمہ وقت جنت ہی کے باغوں میں سیر فرماتے رہتے تھے۔''

ذکراللہ کے آثار

فرمایا: ''ذکراللہ ہی سے قلب میں رقت اور نرمی پیدا ہوتی ہے اور سخت دلی کافور ہوجاتی ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے کہ ذکراللہ کے بغیر بہت زیادہ کلام مت کیا کرو۔ کیوں کہ کثرت کلام بلا ذکر الٰہی کے قساوت قلبی ہے۔

پھر ذکراللہ ہی سے نفس میں شیطانی اثرات زائل ہوسکتے ہیں، ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ: ''آدمی کے قلب کو شیطان چمٹا رہتا ہے، جیسے ہی اس نے یاد الٰہی کی اور ذکراللہ میں مشغول ہوا ویسے ہی شیطان کھسک جاتا ہے اور جیسے ہی آدمی ذکراللہ سے غافل ہوا ویسے وہ وسوسے ڈالنا شروع کردیتا ہے۔''

پھر ذکراللہ عذاب الٰہی سے بچاؤ کا سب سے بڑھ کر مؤثر ذریعہ ہے حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: ''ذکراللہ سے بڑھ کر کوئی عمل بھی عذاب الٰہی سے نجات دلانے والا نہیں۔''

اسی کے ساتھ ساتھ قلب کے زنگ دور کرنے اس پرنور کی پالش کرنے والی چیز بھی ذکراللہ ہی ہے، ارشاد نبوی ہے کہ ہر شئی کے لئے ایک صیقل ہے (جس سے اس پر چمک آتی ہے جیسے تانبے کے لئے قلعی اور لوہے ولکڑی کے لئے پالش) اور قلوب کا صیقل ذکراللہ ہے۔

اس لئے اگر ایک مردمؤمن چاہتا ہے کہ اس کے قلب میں نور اور صیقل پیدا ہو، دل میں نرمی اور رحمت پیدا ہو، عذاب الٰہی سے نجات پا جائے، شیطانی اثرات سے محفوظ رہے اور اسے قرب الٰہی نصیب ہو تو وہ ذکراللہ کی کثرت کرے اور ہمہ وقت اپنی زبان یاد الٰہی سے تر رکھے،،۔

ذکراللہ سے خطیب الاسلام کی موانست

حضرت خطیب الاسلام نے حضرت رائپوری کی وفات کے بعد ۱۹۶۲ میں حضرت حکیم الاسلام کی طرف رجوع فرمایا تھا اور ۱۹۶۷ء میں حضرت حکیم الاسلام نے خلافت سے سرفراز فرمایا ۶۲ سے ۶۷ تک پانچ سال کا وقفہ ہے اس پانچ سال کے وقفہ میں خطیب الاسلام کو راہ سلوک کا گرم رو مسافر بنانے کی مسلسل سعی پیہم رہی، اسی دوران ان سے مختلف مجاہدے، ریاضتیں اور خاص طور پر ذکراللہ سے ان کے قلب کو مانوس کیا گیا تاکہ ذکراللہ سے ایک خاص ربط اور موانست پیدا ہوجائے اور یہ ان کے ذہن نشین کیا گیا کہ کائنات کی اصل اساس، اس کی روح اور بنیاد ذکراللہ ہے، چنانچہ حضرت خطیب الاسلام نے جب حکیم الاسلام کی سرپرستی میں اس چمنستان معرفت کی سیر کی تو ذکراللہ سے

متعلق مذکورہ بالا فوائد وثمرات اور اس کے آثار کا بذات خود بھی مشاہدہ کرلیا جس کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ دوام ذکر بقائے قلب کا ذریعہ اور اس سے انقطاع وغفلت قلب کے لئے موت ہے، چنانچہ اس کے اثرات سب سے پہلے حضرت خطیب الاسلام نے اپنی زندگی میں دیکھے کہ ان کا ذکر اللہ سے ایسا اشتغال ہوا کہ اس کے بغیر اب ان کو قرار نہ تھا، کبھی مشغول فی العلم ہیں، کبھی تدبر وتفکر، کبھی افادہ و استفادہ، کبھی وعظ ونصیحت، کبھی تعلیم وتدریس اور کبھی تصنیف وتحریر کے ساتھ ساتھ اپنے معمولات ,تلاوت کلام اللہ میں مشغول، گویا کہ حضرت خطیب الاسلام کا لمحہ لمحہ یادحق میں مصروف اور ان کا قلب یاد الٰہی سے منور رہا، خود راقم الحروف نے بارہا اس کا مشاہدہ بچشم خود کیا کہ جب بھی میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو یادحق میں مصروف پایا یا اشتغال بالعلم (جو یادحق کا ایک اعلیٰ درجہ ہے) میں مشغول پایا۔ بقول جناب حافظ محمد عاصم قاسمی:

> ’’بھائی صاحب کی اصل غذا علمی اشتغال ہے، یہی وجہ ہے کہ بھائی صاحب سب سے زیادہ خوش اس شخص سے ہوتے ہیں جو بغرض ملاقات آئے اور ساتھ میں کوئی علمی ہدیہ بھی لائے، خاص طور پر کوئی تحقیقی کام سامنے آتا خواہ وہ کسی بھی فن سے متعلق ہو، انتہائی خوشی کا اظہار فرماتے ہیں۔‘‘

اس عاجز کو بھی تین موقعوں پر اس طرح کا تجربہ ہوا ایک اس وقت جب میں مجاہدہ ملت ’’قوم کی بیٹی مسعودہ بیگم رحمۃ اللہ علیہ‘‘ کی سوانح لکھ کر لے گیا اور اس پر بطور مقدمہ کے کلمات عالیہ تحریر فرمانے کی التماس کی، تو میں اس خوشی کا اظہار اپنے الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا جو حضرت خطیب الاسلام کو ہوئی اور اس ناچیز کو کس طرح سراہا اور حوصلہ افزا کلمات عالیہ فرمائے وہ میرے تصور سے بالاتر بھی اور میرے لئے سرمایہ سعادت بھی تھے، اس کے بعد دوپہر کو اپنے ساتھ مجھے کھانا کھلایا۔

دوسرا موقعہ جب میں نے بحکم حضرت اپنے خاندان صدیقی نانوتہ کا شجرہ مرتب کیا، اس خوشی کا اظہار اس پر تحریر کردہ مقدمہ سے ظاہر ہے۔

اور تیسرا موقعہ جب عاجز شہید فرنگ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید کی سوانح (جو حضرت ہی کے حکم پر لکھی گئی) لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کی تو اس پر خوشی کا اظہار فرمایا، حضرت نے ایک جملہ فرمایا کہ: ’’ہماری جماعت میں حافظ صاحب پر کسی نے باقاعدہ کوئی کام نہیں کیا حافظ صاحب کی سوانح لکھ کر پوری جماعت دیوبند پر جو قرض تھا اس کی ادائیگی اللہ نے آپ سے کرادی۔‘‘ بہرحال

بتانا یہ ہے کہ حضرت خطیب الاسلام علمی وتحقیقی کاموں سے بے انتہا مسرور ہوتے ہیں اور آج بھی یہی حال ہے۔[۱]

سلسلہ امدادی کی ہمیشہ سے خصوصیت یہ رہی کہ حصول معرفت میں بنیادی طور پر سب سے بڑا ذریعہ علم رہا، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت خطیب الاسلام کے جدامجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آخر آپ اتنے بڑے عالم اور آپ نے شیخ کا انتخاب ایک ایسے شخص کا کیا جو بظاہر عالم نہیں، فرمایا: میں حاجی امداداللہ صاحب سے بیعت جو ہوا ان کے علم سے متأثر ہو کر ہی ہوا، سلسلے کی اس خصوصیت کو اپنے تمام بزگوں نے ہی اپنی اپنی جگہ آگے بڑھایا، حضرت نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی غرض یہ کہ تمام بزرگوں نے اس نسبت علمیہ کا خاص خیال رکھا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تو اس نسبت کا حد درجہ خیال رکھا گیا، جس کے اثرات ان کے خلفاء ومجازین میں خاص طور پر نظر آئے، اور ان خلفاء میں بھی حضرت حکیم الاسلام میں یہ صفت خاص طور پر نمایاں رہی اور یہ نسبت علمیہ جب خطیب الاسلام کی طرف منتقل ہوئی تو اس کے اثرات ان کی شخصیت پر علم سے غیر معمولی شغف کے طور پر ظاہر ہوئے اور فی الحال ۹۳ سال کی عمر میں یہ نسبت علمیہ ہی ان کی روحانی غذا بنی ہوئی ہے۔ اللہ رب العزت آپ کی عمر میں برکت عطاء فرمائے۔ (اٰمین)

بہر حال پانچ سال میں حضرت خطیب الاسلام ذکر اللہ سے اس طرح مانوس ہوگئے کہ خلافت کے بعد ان کا لمحہ لمحہ یادِ حق سے معمور ہو کر کارآمد ہو گیا، اور اس وقت حال یہ ہے کہ:

---

[۱] اشتغال بالعلم یہ ذکر اللہ کی اعلیٰ ترین قسم ہے، جیسا کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے دیکھا صحابہ کی دو جماعتیں الگ الگ بیٹھی ہوئی ہیں، ایک جماعت ذکر واذکار میں مشغول ہے اور دوسری جماعت تعلیم وتدریس اور علمی مذاکرہ میں مشغول ہے آپ نے دونوں کو دیکھا اور جہاں علمی مذاکرہ ہو رہا تھا اس میں تشریف لے گئے اور یہ فرمایا کلا کما علی الخیر کہ تم دونوں خیر کے کاموں میں مشغول ہو "وانما بعثت معلماً" مگر میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، اپنی زندگی کو علم حاصل کرنے میں لگا دینا یہ خود اتنا بڑا ذکر اور اتنی بڑی عبادت ہے جو دیگر بہت سی عبادات سے افضل ہے، چنانچہ اس کی فضیلت میں بہت سی آیات قرآنی اور احادیث شریفہ وارد ہوئی ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ سَلَکَ طَرِیْقاً یَلْتَمِسُ فیه علما سَهل اللّٰهُ له به طَرِیْقاً اِلی الجنةِ (رواہ مسلم) جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے راستہ طے کرے اللہ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمادیں گے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے علماء کا معمول رہا ہے کہ وہ زندگی بھر علم حاصل کرتے رہے اس امید پر کہ ان کو حق پر خاتمہ نصیب ہو۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہو سنا کے نداند جام سنداں باختن

حضرت خطیب الاسلام کے یومیہ معمولات

اذ کار عشرہ! اذ کار عشرہ دراصل شب وروز کے اوراد واذ کار کے معمولات کا ایک عنوان ہے، جن کی ہر زمانہ اور ہر دور میں اہل اللہ اور مشائخ نے اپنے اپنے متوسلین کو خاص تاکید فرمائی، حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

''شریعت اسلام کے عرف میں ذکر اللہ کے دس کلمے منتخب اور معروف ہیں جو اپنی جامعیت کے لحاظ سے ہر نوع کے ذکر پر حاوی ہیں اور اسی لئے خصوصی طور پر ان کے ورد کی تاکید اور فضیلت آئی ہے اور جن میں سے ہر ایک کلمہ بجائے خود ایک مستقل ذخیرۂ دین، عمدہ ترین خزانۂ اجر و ثواب اور میزان عمل میں ثقیل ترین وزن دار جنس ہے اور اسی لئے ہر دور میں اہل اللہ اور مشائخ نے ان کلمات طیبات کی تلقین بھی فرمائی ہے۔ اور خود بھی انہیں اپنا معمول بنائے رکھا۔''[۱]

وہ اذ کار عشرہ یا دس کلمے جن کی حضرت حکیم الاسلام نے خطیب الاسلام کو اپنے یومیہ معمولات میں شامل کرنے کی تلقین فرمائی مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) کلمہ تکبیر یعنی اللہ کی بڑائی بیان کرنے کا کلمہ اور وہ ''اللہ اکبر'' ہے۔

(۲) کلمۂ تسبیح یعنی اللہ کی پاکی بیان کرنے کا کلمہ اور وہ ''سبحان اللہ'' ہے۔

(۳) کلمۂ تحمید یعنی اللہ کی صفت حمد بیان کرنے کا کلمہ اور وہ ''الحمد اللہ'' ہے۔

(۴) کلمۂ توحید یعنی اللہ کی ذات وصفات کی یکتائی بیان کرنے کا کلمہ اور وہ '' لاالٰـہ الا اللـہ'' ہے۔

(۵) کلمہ توبہ یعنی اللہ سے گناہوں کی معافی مانگنے کا کلمہ اور وہ ''اَسْتَغْفِرُ الله'' ہے، جس کا جامع صیغہ حدیث شریف میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے: ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الذی لَا الٰهَ اِلّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ واَتُوْبُ اِلَیْهِ.''

(۶) کلمہ تعوذ یعنی آفات ومصائب کے وقت اللہ تعالی سے پناہ مانگنے کا کلمہ اور وہ اعوذ باالله التّآمّآت من شَرِّ مَاخَلَقَ. فرمایا گیا۔ اَعُوْذ بِکَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَاخَلَقَ

[۱] احیات طیب، ج اول، ص: ۴۹۷ و شجرۂ طیب از خطیب الاسلام

(۷) کلمہ بَسمَلَہ یعنی اللہ کے نام سے اوقات اور افعال کو شروع کرنے کا کلمہ اور وہ بسم اللہ ہے، جس کا جامع صیغہ حدیث شریف میں یہ فرمایا گیا ہے ''بسم الله الذی لَا یَضُرُّ مَعَ اِسۡمِهٖ شَیۡئٌ فِی الاَرۡضِ وَلَا فی السَّمَاءِ وَهُوَالسمیع العلیم''

(۸) کلمہ تُوقلہ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کو تمام اعمال کا سرچشمہ ماننے کا کلمہ اور وہ لَاحَوۡلَ وَلَا قوۃ اِلا بالله ہے۔

(۹) کلمہ حَسۡبَنــــہ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کو اپنے اور اپنے ہر کام کے لئے کافی وافی سمجھنے کا کلمہ اور وہ حسبنا اللهُ ہے، جس کے لئے قرآن کریم نے یہ دو جامع صیغے ارشاد فرمائے ہیں:

(۱) حسبنا اللهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيلُ.

(۲) وحَسۡبِيَ اللهُ لَا اله الا هُوَ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَهُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيم.

(۱۰) کلمہ صلاۃ و سلام: یعنی اللہ تعالیٰ سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے رحمت مانگنے کا کلمہ اور وہ درود شریف ہے جس کا جامع اور مختصر صیغہ یہ ہے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ مَعۡلُوۡمٍ لَكَ.[۱]

بقول حضرت خطیب الاسلام کہ: ''یہ اذکار عشرہ جب سے حکیم الاسلام نے اس ناچیز کو تلقین فرمائے تھے میرے معمول میں ہیں۔''[۲]

تِلۡكَ عَشَرَةٌ كَاملة

ان اذکار عشرہ کا قرآن کریم سے ثبوت اور وجوب۔

حضرت حکیم الاسلام نے فرمایا: ''ان دسوں کلموں کا مأخذ قرآن حکیم میں ہے جن میں ان کے وردر کھنے و پڑھتے رہنے کا امر فرمایا گیا ہے:

(۱) ذکر تسبیح کے بارے میں ارشاد ہے ﴿وَسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَ اَصِيۡلاً﴾ (سورۃ الاحزاب: ۴۲) اور صبح وشام اس کی تسبیح کرتے رہو۔ ﴿سبح اسمَ رَبِكَ الۡأعلی﴾ (سورۃ الاعلی: ۱) آپ اپنے پروردگار عالی شان کے نام کی تسبیح کیجئے۔ ﴿فَسَبِّحۡ باسم رَبّكَ العظيم﴾ (سورۃ الواقعہ: ۹۶) سو اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح کیجئے۔

۱؎ حیات طیب، جلد اول، ص: ۴۹۷۔۴۹۸ و شجرہ طیب۔

۲؎ حضرت خطیب الاسلام نے راقم الحروف سے ایک مجلس میں اپنے اس معمول کا تذکرہ فرمایا۔

(۲) ذکر تحمید کے بارے میں حکم دیا گیا، ﴿قل الحمدُ لِلّه وَسَلامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ اصْطَفٰى﴾ (سورة النمل: ۵۹) آپ کہئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے سزاوار ہیں اوراس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کواس نے منتخب فرمایا۔ ﴿وقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا﴾ (سورة النمل: ۹۳)

اور آپ کہہ دیجئے کہ سب خوبیاں خالص اللہ کے لئے ہی ثابت ہیں جو عنقریب اپنی نشانیاں دکھلا دے گا اور تم ان کو پہچانو گے۔

(۳) ذکر توحید کے بارے میں ارشاد ہے ﴿فأعلم أنه لا اله اِلّا الله﴾ (سورة محمد: ۱۹)

جان رکھ کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ

(۴) ذکر تکبیر کے بارے میں ارشاد ہے ﴿وَكَبِّرْهُ تَكْبِيراً﴾ (سوره بنی اسرائیل: ۱۱۱) اوراس کی خوب بڑائیاں بیان کیا کیجئے، دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ (سورة المدثر: ۳) اور اپنے رب کی بڑائی کر۔

(۵) ذکر توبہ واستغفار کے بارے میں ارشاد ہے، ﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْاتُوْبُوا الى اللّٰهِ تَوْبَةً نَصُوْحاً﴾ (سورة التحريم: ۸) اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو ایک جگہ اور ارشاد ہے ﴿وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعاً أَيُّهَا الْمُؤمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (سورة النور: ۳۱) اور مسلمانوں تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ فلاح پاؤ۔

ایک جگہ ارشاد ہے ﴿واستغفر لذنبك ولِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (سوره محمد: ۱۹) اور مغفرت چاہو اے پیغمبر اپنی خطاء کے لئے اور مؤمنین کے لئے۔

(۶) ذکر تعوذ واستعاذہ کے بارے میں حکم ربانی ہے: ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ آپ کہئے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں۔ ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس﴾ الخ. آپ کہئے کہ میں لوگوں کے مالک کی پناہ لیتا ہوں

(۷) ذکر بَسْمَلَهٗ کے بارے میں ارشاد باری ہے: ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ.﴾ اے پیغمبر آپ قرآن اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے جس نے پیدا کیا۔

(۸) ذکر حوقلہ کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا: ﴿وَلَوْ لَا اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلا بِاللّٰه.﴾ (سورة كهف: ۳۹) حدیث میں اس پر لاحول کا مزید اضافہ ہے۔ اس لئے مجموعی کلمہ ہے ﴿لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلا بِاللّٰه﴾ ہو جاتا ہے۔

(۸) ذکر حسبنہ کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے: ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ.﴾ (سورة التوبہ: ۱۲۹) پھر اگر وہ روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں ہے۔ اسی پر بھروسہ کرلیا اور وہ بڑے بھاری عرش کا مالک ہے۔ اور فرمایا: ﴿وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ.﴾ (سورة آل عمران: ۱۷۳) اور کہا انہوں نے ہم کو حق تعالیٰ کافی ہے اور وہی سب کام سونپ دینے کے لئے اچھا ہے۔

(۱۰) ذکر صلاۃ وسلام کے بارے میں ارشاد حق ہے۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً.﴾ (سورة الاحزاب: ۵۶) اے ایمان والو! تم نبی پر صلوۃ وسلام بھیجا کرو۔

بہر حال ان دس کلمات طیبات کے لئے قرآن نے مستقل باب قائم کردئے ہیں اور ان کی نہ صرف ترغیب ہی دی بلکہ حکم اور امر کیا ہے کہ انسان انہیں اپنا ورد و وظیفہ بنائے۔[1]

جب حکیم الاسلام نے دیکھ لیا کہ ان کے اندر ذکر اللہ سے خاص انسیت پیدا ہوگئی اور خطیب الاسلام اس راہ کے گرم رو مسافر بن گئے، تو حکیم الاسلام نے ان کو ۱۹۶۷ء مطابق ۱۳۸۷ھ میں چاروں سلسلوں میں نوازش فرما کر مجاز فرمایا، ادھر حضرت خطیب الاسلام اپنے تدریسی مراحل کو رفتہ رفتہ آگے بڑھاتے گئے، چنانچہ جس سال (یعنی ۱۹۶۷ء) حضرت کو خلافت ملی اس سال جلالین شریف، الفوز الکبیر، شرح عقائد اور ہدایہ اولین جیسی اہم کتابیں آپ کے زیر درس تھیں۔

مذکورہ بالا اذکار اور ان کے اوقات کا تذکرہ حضرت خطیب الاسلام ''شجرہ طیبہ'' میں درج ذیل عنوان سے فرماتے ہیں۔

کلمات عشرہ کے ذکر کے اوقات

''ان اذکار کو معمول بنانے کیلئے انہیں دو وقت پر منقسم کرلینا چاہئے صبح اور شام۔ صبح کو بعد نماز فجر اور شام کو بعد نماز مغرب یا بعد نماز عشاء جس میں جو شخص اپنی سہولت محسوس کرے ان میں سے بعض اذکار صبح شام دونوں وقت کئے جائیں گے اور بعض صرف صبح کو اور بعض صرف شام کو، جن کی تفصیل یہ ہے۔

[1] حیات طیب جلد اول، ص: ۴۹۸۔۴۹۹ از حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند۔

دونوں وقت ادا کرنے کے اذکار

(۱) اولاً صبح اور شام کلمۂ بسملہ، ''بسم الله الذى لَا يضره مَعَ اِسمه شِئ في الأرض ولا في السماء وهو السميع العليم.''

تین تین بار پڑھا جائے، حدیث شریف میں اس کی یہی مقدار آتی ہے۔[۱]

(۲) اس کے بعد صبح اور شام کلمۂ استعاذہ، ''أعوذ بكلمات الله التا مات من شر ما خلق'' تین تین بار پڑھا جائے کہ اس کی بھی یہی تعداد حدیث میں ارشاد فرمائی گئی ہے۔

(۳) اس کے بعد کلمہ تمجید، ''سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ اللهَ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا الله وَاللهُ أَكْبَرُ'' وقتاً فوقتاً ''لاحول وَلَا قوة اِلا باللهِ العلیِ العظيم.'' صبح اور شام ایک ایک سو مرتبہ پڑھا جائے اس کی یہی تعداد از روئے حدیث نبوی ثابت ہے۔

(۴) اس کے بعد کلمہ ''استغفار، اَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِیْ لَا اِلٰه اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ'' صبح وشام ایک ایک سو مرتبہ پڑھا جائے اس کی بھی یہی تعداد حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے۔

(۵) اس کے بعد کلمہ درود شریف ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ على سيدنا محمد وعلى اٰل سيدنا محمد بعدد كل معلوم لک'' صبح وشام ایک ایک سو مرتبہ پڑھا جائے، گو اس کی کوئی خاص تعداد احادیث سے ثابت نہیں مگر اس کی کثرت کی فضیلت بہت سی احادیث سے ثابت ہے اس لئے مشائخ نے اس کی مقدار بھی صبح وشام سو سو مرتبہ رکھی ہے۔

صرف صبح کے اذکار

(۶) ان پانچوں کلموں کے ذکر کے ساتھ کلمہ تسبیب، ''سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِه سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ'' صرف صبح کو ۴۱ مرتبہ پڑھا جائے۔

(۷) کلمہ حوقلہ، ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِی الْعَظِيْمِ'' ۴۱ بار پڑھا جائے۔

صرف شام کے اذکار

(۸) پھر انہی اوپر والے پانچ کلموں کے ساتھ شام کو کلمہ حسبنہ، حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۴۱ مرتبہ (صرف شام) کو پڑھا جائے۔

---

[۱] غرض درود شریف سے نسبت عبودیت بھی مضبوط ہوتی ہے اور نسبت بھی مستحکم ہوتی ہے۔ شجرہ طیبہ از: خطیب الاسلام، ص ۳۴

(۹) پھر کلمہ تکریم (آیت کریمہ) ''لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ.''
(سورۃ الانبیاء:۸۷) صرف شام کو ۴۱ مرتبہ پڑھا جائے۔[۱]

حضرت خطیب الاسلام تحریر فرماتے ہیں:

''جو حضرات قلت وقت یا کثرت مشاغل اسی طرح ضعف کے سبب اختصار چاہیں وہ صبح وشام اوپر والے پانچ کلمات پر قناعت کریں اور باقی ترک کردیں، البتہ یہ اختیار ہے کہ ابتداء میں صرف پانچ کلمات صرف صبح وشام پڑھیں اور طبیعت کے خوگر اور متحمل ہوجانے کے بعد رفتہ رفتہ آخر کے چار اذکار بھی ملائیں۔

اور اگر کوئی شخص اپنے غیر معمولی مشاغل کی وجہ سے ابتداء ان پانچ اذکار کی تعداد بھی پوری نہ کر سکے تو اس کے لئے اول کے دوکلموں کی تعداد تین تین رکھ کر بقیہ کلمات ذکر کو دس دس مرتبہ پڑھ لیا کرے تو حکم میں سوسو ہی کے ہوجائیں گے، کیونکہ شریعت اسلام نے ہر نیکی کو دس نیکی شمار کیا ہے تو اس طرح فضل خداوندی سے یہ دس قائم مقام سو کے ہوجائیں گے اور گویا وہ شخص ہر کلمہ کو سوسو مرتبہ ہی پڑھنے والا شمار کیا جائے گا، پس یہ مختصر معمول ہر فارغ اور مشغول آدمی بآسانی نبھا سکتا ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ جسے راہ سلوک طے کرنی ہو تو وہ انہی مقداروں کو پورا کرے جو اوپر کے نمبروں میں لکھی گئی ہے، مگر ساتھ ہی جو یہ مختصر راستہ اختیار کرے اور دس دس ہی کے عدد پر اکتفا کرے اس کے لئے بھی مناسب یہ ہے کہ ہفتہ میں کم از کم ایک دن مثلاً شب جمعہ یا روز جمعہ مقرر کر کے اس میں یہ اذکار اسی اصلی عدد کے ساتھ پڑھ لیا کرے اس سے امید بڑھ جائے گی کہ وہ روزانہ اسی عدد کا عادی ہوجائے اور بعد چند ایام اسے نبھانے کی توفیق ہوجائے گی۔''[۲]

اذکار عامہ

(۱) تلاوت قرآن کریم

حضرت خطیب الاسلام تلاوت قرآن کریم کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''ہاں پھر ان تمام اذکار پر جو چیز مستولی اور چھائی ہوئی ہے اور ان سارے اذکار کا منشاء اور سر

---

[۱] شجرہ طیبہ، خطیب الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ، ص: ۳۴-۳۵۔
[۲] از: خطیب الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم العالیہ، شجرہ طیبہ، ص: ۳۵-۳۶

چشمہ ہے وہ تلاوت قرآن شریف ہے جو افضل الاذکار ہے اور بنفس نفیس حق تعالی سے بات چیت کرنا ہے اور انتہائی قرب کا ذریعہ ہے، حدیث میں ہے کہ جو مؤمن قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال ترنج کی سی ہے کہ خوشبو بھی پاکیزہ اور مزہ بھی عمدہ اور جو مؤمن قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی سی ہے کہ مزہ تو عمدہ ہے مگر خوشبو نہیں ہے، جو پھیلے اور دوسروں کو منتفع کرے۔ اس کے علاوہ اگر آدمی فتنوں سے بچنا چاہتا ہے تو اس کا واحد علاج تلاوت قرآن ہے، سمجھ کر پڑھے گا تو بصیرت کے ساتھ فتنوں سے محفوظ رہے گا اور بے سمجھے بھی اگر تلاوت کرے گا تو کم ازکم اس تاثیر اور برکت سے عملاً فتنوں سے بچا رہے گا، خواہ اسے تحفظ و برکت کی خبر بھی نہ ہو۔ نیز حدیث میں ہے کہ قرآن شریف کی ہر آیت جنت کا ایک درجہ ہے محشر میں حافظ سے کہا جائے گا کہ تلاوت کرتا جا اور درجات میں ترقی کرتا جا، حدیث میں ہے کہ نماز میں قرأت قرآن افضل ہے نماز سے باہر کی قرأت سے اور نماز سے باہر کی قرأت افضل ہے، تسبیح وتکبیر کے ذکر سے اگر تلاوت قرآن کریم نماز میں کی جائے تو بہتر ہے جب کہ آدمی حافظ قرآن ہو مثلاً تہجد کی آٹھ رکعتوں میں یا بعد مغرب اوابین کی چھ رکعتوں میں، حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قلوب پر اس طرح زنگ لگتا ہے جیسے لوہے پر، جب کہ لوہے کو پانی لگ جائے اور زنگ آلود دلوں کی جلاء موت کی کثرت سے یاد اور تلاوت قرآن ہے۔[1]

بہرحال مذکورہ اذکار عشرہ کے ساتھ یہ افضل الاذکار یعنی تلاوت کلام ربانی بھی لازم کرلی جائے جو کم ازکم ایک پارہ یومیہ ہونی چاہئے ورنہ جس قدر بھی روزانہ نبھ سکے اتنی ہی تلاوت کرلی جائے۔قرآن پاک نے اس ذکر تلاوت کا بھی امر فرمایا ہے، ارشاد ربانی ہے ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾ (سورۃ المزمل:۴) اور قرآن کو صاف صاف پڑھو اور ارشاد ہے ﴿فَاقْرَؤُا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ (سورۃ المزمل:۲۰) (جتنا آسان ہو قرآن پڑھو)''[2]

---

[1] اس حدیث کو مشکوۃ میں علامہ بیہقی کے حوالے سے نقل کیا ہے، انہوں ''شعب الایمان'' میں حضرت ابن عمر سے نقل کی ہے۔حدیث یہ ہے: عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم! ان هذه القلوب تصدأ كما يصدأ الحديد اذا أصابه الماء قيل يا رسول اللّٰه! وما جلاؤها قال: كثرة ذكر الموت (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

[2] از: شجرہ طیبہ، خطیب الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ، ص:۳۶-۳۷

۲۹ اگست ۲۰۱۷ء کو حضرت خطیب الاسلام کی خدمت اقدس میں اس عاجز کی حاضری ہوئی، حضرت کو اپنے معمولات کے بارے میں بتایا کہ حضرت میرا گذشتہ ایک ماہ سے شجرہ طیبہ پڑھنے کے بعد روزانہ ایک منزل پڑھنے کا معمول ہو گیا ہے اور اس طرح بحمد اللہ ایک ہفتہ میں قرآن کریم ختم ہو جاتا ہے، حضرت دعا فرما دیجئے کہ اس معمول پر تا زندگی استقامت نصیب فرما دے، حضرت نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور یہ فرمایا کہ ویسے آج کل قوی کمزور ہیں وہ صحابہ کرام کا معمول تھا، لیکن میں دعا کرتا ہوں کہ اس معمول پر استقامت ملے اور تا زندگی حق تعالی نبھانے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

(۲) ذکر دعا وسوال

اس کے علاوہ ایک اہم ذکر دعا وسوال بھی ہے جس کا قرآن نے بڑے اہتمام کے ساتھ امر فرمایا ہے ارشاد ہے، ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (سورة المؤمن: ٦٠) اور تمہارے پروردگار نے فرما دیا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا، اس لئے دعاء کثرت سے کی جائے اور اس کی عمدہ صورت یہ ہے کہ مناجات مقبول پاس رکھی جائے اور روزانہ اس کا ایک حزب پڑھ لیا جائے جس میں حدیث شریف کی دعائیں جمع کر کے سات دنوں پر تقسیم کر دی گئی ہیں اس لئے روزانہ صبح کے معمولات سے فارغ ہو کر یہ حزب پڑھا جائے۔[۱]

(۳) ذکر اسماء حسنی

اسماء حسنی کے بارے میں حضرت خطیب الاسلام فرماتے ہیں:

''پھر اس دعا و پکار میں اعلی ترین دعا و پکار وہ ہے جو اسمائے حسنی کے ذریعے سے ہو جس کے بارے میں امر الٰہی ہے، ﴿وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (سورة بنی اسرائیل: ۱۱۰) (اور اللہ کے پاک نام ہیں ان کے ذریعے اللہ کو پکارو) پس اللہ کو اس کے اسماء حسنی کے ساتھ اس سے دعائیں مانگنا بھی مطلوب ذکر ہے جس کے لئے عمدہ صورت یہ ہے کہ اللہ تعالی کے ننانوے نام جو حدیثوں میں آئے ہیں یاد کر لئے جائیں اور بچوں کو یاد کرائے جائیں، روزانہ نہیں تو کم از کم ہفتہ میں ایک بار پڑھ لیا جائے، چونکہ ذکر اسماء حسنٰی اور ذکر دعا وسوال اور ذکر تلاوت کے لئے متعین اور مخصوص کلمہ نہ تھا اس لئے ہم نے ان تین اذکار کا تذکرہ اذکار عشرہ میں نہیں کیا لیکن عملا ان کو لازم کر لینا چاہئے۔[۲]

---

[۱] شجرہ طیبہ، ص ۳۷-۳۸۔

[۲] شجرہ طیبہ از خطیب الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ، ص: ۳۸۔

شجرۂ مشائخ

جس طرح فیضان الٰہی ہم تک جناب رسول اللہ ﷺ کے طفیل اور توسل سے پہنچا ہے اور اسی طرح آپ تمام عالم بشریت کے محسن اعظم ومربی اکبر ہیں، اسی احسان عظیم کو پہچاننے اور ماننے کے لئے درود شریف رکھا گیا ہے جس سے حضور ﷺ کے ذکر مبارک کے علاوہ بارگاہ خداوندی میں توسل اور قرب بھی مقصود ہے، چنانچہ اسی بنا پر دعاء کے اول وآخر درود شریف پڑھنے کا حکم اور اس سے دعاء کی مقبولیت کا وعدہ احادیث میں رکھا گیا ہے۔ٹھیک اسی طرح فیضان نبوت ہم تک نائبان نبوت اور وارثان رسالت کے واسطہ اور وسیلہ سے پہنچا ہے، بالخصوص فیضان اخلاق وکمالات باطن کے پہنچنے کا واسطہ اور وسیلہ مشائخ طریقت کے سوا دوسرا نہیں، جو ان کمالات میں خلفائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور نبوت کے بعد آپ کے سچے وارث ہیں، بنابریں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہی حضرات امت کے محسن اور مربی مانے گئے ہیں اس لئے اس احسان کو پہچاننے اور ماننے نیز قرب خداوندی اور نسبت نبوی ڈھونڈھنے کے لئے ان کا تذکرہ بھی شامل طاعت اور ذکر اللہ ہی شمار کیا گیا ہے کہ یہی لوگ حدیث نبوی ''اذا ذکر اللہ ذکروا واذا ذکروا ذکر اللہ''

(جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کا بھی ذکر زبان پر آتا ہے اور جب ان کا ذکر کیا جاتا ہے تو اللہ کا ذکر زبان پر آتا ہے) کے سچے مصداق ہیں گویا:

خاصان خدا خدا نہ باشند
لیکن ز خدا جدا نہ باشند

اور ذکر کی صورت مشائخ نے شجرہ پڑھ لینا تجویز کی ہے جو اکابر طریق کا معمول رہا۔ بنابریں شجرہ چشتیہ مولفہ شیخ المشائخ سید الطائفہ مرشدنا حضرت شاہ حاجی امداد اللہ تھانوی ثم مہاجر مکی قدس اللہ سرہ العزیز کا پڑھنا بھی معمول بنالیا جائے خواہ روزانہ یا حسب ذوق وشوق دوسرے یا تیسرے دن[1]

[1] شجرہ طیبہ از خطیب الاسلام، ص ۳۸-۳۹۔

شجرۂ طیبہ

حمد ہے سب تیری ذاتِ کبریا کے واسطے — اور درود و نعت ختم الانبیاء کے واسطے
اور سب اصحاب و آل مصطفیٰ کے واسطے — رحم کر مجھ پر الٰہی اولیاء کے واسطے
حضرت سالم تقیؔ با خدا کے واسطے — عبد قادر، شاہ طیب ذوالعطا کے واسطے
عالم تلمیذ اشرف پارسا کے واسطے — قاسم علم نبوت بے خطا کے واسطے
حضرت طیب شہ علم و ہدیٰ کے واسطے — حضرت محمود و اشرف ذوالعلا کے واسطے
حاجی امداد اللہ ذوالعطا کے واسطے — حضرت نور محمد پُر ضیا کے واسطے
حاجی عبد الرحیم اہل غزا کے واسطے — شیخ عبد الباری شہ بے ریا کے واسطے
شاہ عبد الہادی پیر ہدیٰ کے واسطے — شاہ عضد الدین عزیز دوسرا کے واسطے
شہ محمد اور محمدی اتقیا کے واسطے — شہ محبّ اللہ شیخ باصفا کے واسطے
ابوسعید اسعد اہل ورا کے واسطے — شہ نظام الدین بلخی مقتدا کے واسطے
شہ جلال الدین جلیل اصفیا کے واسطے — عبد قدوس شہ قدس و صفا کے واسطے
اے خدا شیخ محمد رہنما کے واسطے — شیخ احمد عارف صاحب عطا کے واسطے
احمد عبدالحق شہ ملک بقا کے واسطے — شہ جلال الدین کبیر الاولیاء کے واسطے
شیخ شمس الدین ترک باصفا کے واسطے — شیخ علاؤ الدین صابر با رضا کے واسطے
شہ فرید الدین شکر گنج بقا کے واسطے — خواجہ قطب الدین مقتول ولا کے واسطے
شہ معین الدین حبیب کبریا کے واسطے — خواجہ عثمان باشرم و حیا کے واسطے
شہ شریف زندنی با اتقیا کے واسطے — خواجہ مودود چشتی پارسا کے واسطے
شاہ بویوسف شہ شاہ و گدا کے واسطے — بو محمد محترم شاہ ولا کے واسطے
احمد ابدال چشتی باسخا کے واسطے — شیخ ابواسحٰق شامی خوش ادا کے واسطے
خواجہ ممشاد علوی بوالعلاء کے واسطے — بو قیرہ شاہ بصری پیشوا کے واسطے
شیخ حذیفہ مرعش شاہ صفا کے واسطے — شیخ ابراہیم ادہم بادشاہ کے واسطے
شہ فضیل ابن عیاض اہل دعا کے واسطے — خواجہ عبد الواحد بن زید شاہ کے واسطے

شیخ حسن بصری امام الاولیا کے واسطے
ہادی عالم علی شیر خدا کے واسطے

سرور عالم محمد مصطفیٰ کے واسطے
یا الٰہی اپنی ذاتِ کبریا کے واسطے

آخرت میں کر شفاعت کا وسیلہ انکو تو
مجھ ذلیل وخوار ومسکین وگدا کے واسطے

کر دوئی کو دور اور پُر نور وحدت سے مجھے
تا ہوں سب میرے عمل خالص رضا کے واسطے

کر ذرا اس ہوش سے بیہوش ومستانہ مجھے
باحق اپنے عاشقانہ باوفا کے واسطے

دیکھ مت میرا عمل کر لطف پر اپنی نگاہ
یارب اپنے رحم واحسان وعطا کے واسطے

چار سو ہے فوج غم کر جلد اب مجھ پر کرم
کر رہائی کا سبب اس مبتلا کے واسطے

تیرے در کو چھوڑ کر تو ہی بتا جاؤں کہاں
کون ہے تیرے سوا مجھ بے نوا کے واسطے

ہے عبادت کا سہارا عابدوں کے واسطے
اور تکیہ زہد کا ہے زاہدوں کے واسطے

سجدہ طاعة سہارا ساجدوں کے واسطے
ہے عصائے آہ مجھ بے دست وپا کے واسطے

نہ فقیری چاہتا ہوں نہ امیری کی طلب
دردِ دل پر چاہئے مجھ کو خدا کے واسطے

نعمتیں دنیا کی سب دیں تو نے اے پروردگار
بخش وہ نعمت جو کام آوے سدا کے واسطے

کوئی بھی تحفہ نہیں لائق تیرے دربار کے
جان ودل لایا ہوں بس تجھ پر خدا کے واسطے

کر میری امداد ''اللہ'' وقت ہے امداد کا
اپنے لطف و رحمت بے انتہا کے واسطے

جس نے یہ شجرہ دیا ہو جس نے یہ شجرہ پڑھا
بخش دیجئے سب کو ان اہل صفا کے واسطے

شجرۂ سلوک

متکلم عصر خطیب الاسلام سید العلماء حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہ

جانشین حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب

سابق مہتمم دار العلوم دیوبند و بانی و صدر اول، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

خرقہ خلافت و اجازت ہمہ ارشاد ظاہری و باطنی من جانب رب الجلیل و رب العزۃ و العرش العظیم، جل جلالہٗ وعم نوالہٗ عظیم الشان، قدسیۃ الذات حضرت سید الکونین رسول رب العالمین خواجہ ہر دوسرا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم، بعد ازیں خرقہ خلافت واجازت ہمہ ارشاد ظاہری و باطنی

حضرت امام الاولیاء علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

حضرت خواجہ حسن بصریؒ

حضرت عبدالواحد بن زیدؒ

حضرت فضیل عیاضؒ

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ

حضرت حذیفہ مرعشؒ

حضرت امین الدین ابوبقیرہ

حضرت ممشاد علویؒ

حضرت شیخ ابواسحاق شامیؒ

حضرت ابواحمد اَبدال چشتیؒ

حضرت ابومحمد محترم چشتیؒ

حضرت شاہ ابویوسف چشتیؒ

حضرت مودود چشتیؒ

حضرت شاہ شریف زندنی

حضرت شاہ خواجہ عثمان ہارونیؒ

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر

حضرت خواجہ شیخ علاء الدین صابر کلیریؒ

حضرت خواجہ شیخ شمس الدین ترک پانی پتیؒ

حضرت خواجہ شیخ جلال الدین پانی پتیؒ

حضرت خواجہ شیخ عبد الحق ردولویؒ

حضرت خواجہ شیخ احمد عارف ردولویؒ

حضرت خواجہ شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ

حضرت خواجہ شیخ جلال الدین تھانیسریؒ

حضرت خواجہ شیخ نظام الدین بلخیؒ

حضرت خواجہ شیخ شاہ ابوسعید گنگوہیؒ

حضرت خواجہ شیخ شاہ محبّ اللہ الہ آبادیؒ

حضرت خواجہ شیخ شاہ محمدیؒ

حضرت خواجہ شیخ محمد مکیؒ

حضرت خواجہ شیخ شاہ عضد الدین امروہویؒ

حضرت خواجہ شیخ عبد الہادی امروہوی

حضرت خواجہ شیخ عبد الباری امروہوی

حضرت خواجہ شیخ حاجی عبد الرحیم شہید صاحبؒ

حضرت خواجہ میانجیو نور محمد جھنجھانویؒ

حضرت خواجہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ قاسمی

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم

حضرت کا یہ شجرہ سلوک وطریقت مختلف کتابوں اور رسائل میں موجود ہے۔حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں دعاء گو ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ ان حضرات کے فیوض وبرکات ہماری طرف متوجہ فرما کر ان سے کما حقہ مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے (آمین)

خلاصۃ القول

بہر حال ذکر اللہ ہی وہ چیز ہے جس سے عالم بھی زندہ رہے گا، ذاکر بھی زندہ رہے گا اور اس کا عمل بھی زندہ رہے گا، پس اگر یہ ساری زندگیاں مطلوب ہیں تو ذکر اللہ پر دوام کیا جائے اور اس کو جزو زندگی بنالیا جائے جو سلف کا طریقہ رہا ہے اور ہر دور میں سچے اور پختہ کار مسلمانوں کا رہا ہے، اس کو چھوڑ کر مسلمان کتنی ہی رسمی ترقیات کرلیں اللہ کے یہاں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عمل عطا فرمائے اور حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین وھو المؤفِق والمستعان وعلیه التکلان[1]

دونوں بزرگوں سے حضرت خطیب الاسلام کو خلافت

جب حضرت حکیم الاسلام نے محسوس کرلیا کہ خطیب الاسلام مذکورہ بالا معمولات پر مکمل کاربند ہو گئے اور ان کو ذکر اللہ سے خاص رغبت اور موانست پیدا ہو گئی تو آپ نے ۱۹۶۷ء میں چاروں سلسلوں میں خلافت سے سرفراز فرمایا، اس سلسلے میں حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کو ابتداء شرف بیعت، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ سے حاصل ہوا ان کی وفات کے بعد حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے رجوع فرمایا اور حضرت حکیم الامت سے خلافت حاصل ہوئی، ٹھیک اس طرح والد ماجد حضرت خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم نے حضرت حکیم الاسلام کے ایماء پر ۱۳۶۷ھ میں حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب

---

[1] مذکورہ بالا عبارت پر حضرت خطیب الاسلام نے ''شجرۂ طیبہ'' رسالہ کا خاتمہ فرمایا اور اخیر میں ایک نوٹ لکھا جو درج ذیل ہے ''نوٹ: اس کتاب میں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے معمولات یومیہ اور دعائیں شامل ہیں، مزید حضرت کے دستخط کے ساتھ تاریخ تحریر بھی درج ہے یعنی ۲۷ شوال ۱۳۷۰ھ

رائپوری قدس سرہ سے شرف بیعت حاصل کیا اور رائے پور میں حضرت کے پاس گاہے گاہے قیام فرمایا (حضرت رائپوری نے حضرت خطیب الاسلام کو خلافت سے نوازا) ان کی وفات کے بعد خود حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کے دست مبارک پر ساؤتھ افریقہ کے سفر کے دوران، بمقام ''روڈی پورٹ'' میں ۱۳۸۲ھ میں شرف بیعت حاصل فرمایا اور ۱۳۸۷ھ میں حضرت حکیم الاسلام نے (میرے) والد ماجد خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب کو تحریراً خلافت مرحمت فرمائی، اس موقع پر اویس وقت حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب کا یہ عرفانی مقولہ قابل ذکر ہے جسے انہوں نے مختلف مجالس میں بار بار حضرت حکیم الاسلام کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:

یعنی حضرت حکیم الاسلام دونوں بزرگوں یعنی حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب اور حکیم لامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے فیوض سے اور حضرت الامام مولانا محمد قاسم قدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند سے خَلقاً اور خُلقاً مستفید ہو کر تمام بزرگانِ جماعت کے علمی استفادے اور روحانی انتساب و جملہ نسبت ہائے مقبولہ کے حامل ہیں'' ٹھیک اسی طرح بحمداللہ والد ماجد خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کے بارے میں حضرت میاں صاحب کے عرفانی قول سے استفادہ کرتے ہوئے بلاخوف تردید کیا جاسکتا ہے کہ حضرت خطیب الاسلام مدظلہ تینوں بزرگوں (حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائپوری، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس اللہ اسرارھم) کے فیوض علمی وعرفانی سے مستفید ہونے کی وجہ سے بحمداللہ جماعت اکابر رحمہم اللہ کی نسبتہائے مقبولہ کے جامع ہیں اور اپنے جداعلی حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ سرہٗ بانی دارالعلوم دیوبند سے خَلقاً و خُلقاً مستفید ہیں۔''[1]

جب کہ آپ سے قبل حضرت رائپوری[2] رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت خطیب الاسلام کو خرقۂ خلافت

---

[1] مولانا محمد سفیان قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند ابن حضرت خطیب الاسلام مدظلہ العالی صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند۔ آستانہ قاسمی۔ ۲۶ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۹ جون ۲۰۰۱ء

[2] حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری۔

سے نوازا، خود راقم الحروف نے چھ سات سال قبل حضرت خطیب الاسلام سے اپنی ایک حاضری کے دوران سوال کیا تھا کہ حضرت رائپوری سے بھی آپ کو خلافت ہے تو آپ نے یہ جواب مرحمت فرمایا تھا کہ: ''حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری سے اولا اور حضرت حکیم الاسلام سے بعد میں مجھے خلافت ملی'' جس کی تصدیق خود عاجز نے خانقاہ رائپور سے بھی کی۔[1]

چنانچہ ۹ ستمبر ۲۰۱۷ء مطابق ۱۸ ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ بروز سنیچر راقم کا سفر محترم جناب بھائی جان حضرت مولانا محمد اویس صدیقی صاحب نانوتوی کی معیت میں خانقاہ رائپور کا ہوا، وہاں پر راقم نے جناب ڈاکٹر شفیق صاحب (جو اس وقت خانقاہ رائپور کے ذمہ دار اور حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب دامت برکاتہم کے جانشین ہیں) سے اس کا تذکرہ کیا تو ڈاکٹر شفیق صاحب نے بھی اس کی تصدیق فرمائی کہ حضرت خطیب الاسلام حضرت رائپوری کے اجل خلفاء میں ہیں، ہاں البتہ کس سن میں خرقۂ خلافت دی اس کو تحریر نہیں فرمایا۔ حضرت خطیب الاسلام حضرت رائپوری سے تقریباً تین سال سے کچھ زیادہ وابستہ رہے اور حضرت رائپوری کا انتقال ۱۹۶۲ء میں ہوا یعنی ۱۹۵۹ء سے کچھ پہلے سے لیکر ۱۹۶۲ء تک کی مدت ہے اور اغلب گمان یہ ہے کہ ۱۹۶۱ء کے اواخر میں خلافت عالیہ سے سرفراز کیا گیا۔

بیعت وارشاد اور حضرت کے خلفاء

ان دونوں بزرگوں کی اجازت کے بعد حضرت خطیب الاسلام کا معمول یہ ہو گیا کہ کسی بھی طالب صادق کو بیعت فرما لیا کرتے اور محروم نہ فرماتے، اس طرح سلسلہ رائپوری اور سلسلہ طیب کی شاخیں حضرت کے واسطے سے ملک کے کونے کونے میں اور بیرون ممالک کے دور دراز علاقوں تک پہنچیں، حضرت خطیب الاسلام کے ذریعہ سلسلے سے مستفید ہونے والوں کی تعدادیوں تو ہزاروں ہے مگر ہندستان میں بعض علاقے ایسے ہیں جہاں کے باشندوں نے آپ سے باطنی فیض خوب خوب حاصل کیا، چنانچہ ان بڑے شہروں میں میرٹھ، ممبئی، ریاست رامپور وجے واڑہ اور رنگ آباد، بھوپال، بہار، دہلی واطراف دہلی، بنگلور، حیدرآباد، کلکتہ، کانپور وغیرہ وغیرہ۔

---

[1] یہ تصدیق اس لئے کی کہ عام طور پر لوگوں کے علم میں یہ ہے کہ حضرت خطیب الاسلام کو حضرت حکیم الاسلام سے خلافت ملی، حضرت رائپوری کے بارے میں معلوم نہیں، اس لئے ان کے اطمینان کے لئے تحقیق ضروری تھی۔

راقم الحروف کی اس بات کی تائید حضرت خطیب الاسلام کے خادم خاص اور ہم سب کے محسن حضرت مولانا محمد شاہد قاسمی[1] مدظلہ العالی کی مندرجہ ذیل تحریر سے بھی ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں:

فہرست خلفاء مجاز

عارف باللہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نوراللہ مرقدہٗ صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند سے فیض باطنی کرنے والے حضرات ملک و بیرون ملک میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں، ذیل میں ان حضرات کے نام لکھے جارہے ہیں، جن کے فیض باطنی کی صلاحیت پر آپ نے اعتماد کیا، اوران کو بیعت کی اجازت دے کر خلافت سے سرفراز فرمایا ہے۔

اسمائے گرامی خلفائے مجاز تا۱۶/جنوری ۲۰۱۸ء

۱۔حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمٰن (ہلال عثمانی) سابق مفتیٔ اعظم، مالیرکوٹلہ، پنجاب

۲۔حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب، مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

۳۔حضرت مولانا مفتی محمد خالد سیف اللہ رحمانی صاحب (جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی آف انڈیا، نئی دہلی) حیدرآباد

۴۔حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق صاحب مہتمم ترجمہ والی مسجد بھوپال (ایم پی)

۵۔مولانا مفتی محمد احسان صاحب قاسمی مفتی دارالعلوم وقف دیوبند

۶۔مولانا محمد اسمٰعیل عبداللہ پٹیل صاحب کاپودروی گجرات

۷۔ڈاکٹر مولانا محمد شکیب قاسمی صاحب ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی/استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

۸۔مفتی محمد عارف صاحب قاسمی، استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

۹۔مولانا مفتی ضیاء اللہ خان صاحب قاسمی شیخ الحدیث فترجمہ والی مسجد بھوپال (ایم پی)

۱۰۔مولانا محمد فہیم الحسن صاحب تھانوی لاہور (پاکستان)

---

[1] حضرت مولانا شاہد قاسمی صاحب ۱۹۸۹ء رمضان شریف میں تشریف لائے اور ایک سال دیوبند میں گل کدہ منزل میں قیام رہا۔ ۱۹۹۰ء میں حضرت خطیب الاسلام کی خدمت میں تشریف لائے اور مکمل سال حضرت کی خدمت میں رہے، یہاں سے شعبان میں چلے گئے تو حضرت نے دوسرے خادم کے ذریعے ان کو بلوایا اور یہ فرمایا کہ بیٹھک میں تم رہو، ۱۹۹۰ء کے رمضان المبارک سے حضرت کی خدمت میں سفر وحضر میں مستقل ساتھ رہے، آپ ضلع مدھوبنی مقام پوسٹ جھورا صوبہ (بہار) کے رہنے والے ہیں۔

۱۱۔مولانا محمد نسیم احمد صاحب شیخ الحدیث مدرسہ نورالاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ (یوپی)
۱۲۔مولانا مبین احمد صاحب قاسمی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ روضۃ العلوم ٹانڈہ رامپور (یوپی)
۱۳۔مولانا محمد حامد حسن صاحب مہتمم مدرسہ فیض الاسلام سیال نگلہ جئی میرٹھ (یوپی)
۱۴۔مولانا مفتی ذوالفقار احمد صاحب بانی ومہتمم جامعہ عثمانیہ دارالعلوم ہلدوانی (گریٹر نوئیڈا)
۱۵۔مولانا مفتی سید احمد صاحب مہتمم مدرسہ نورالاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ (یوپی)
۱۶۔مولانا محمد راشد صاحب (اغوان پوری) الابرار فاؤنڈیشن جامعہ نگر اوکھلا (نئی دہلی)
۱۷۔مولانا محمد شاہد صاحب قاسمی استاذ دارالعلوم وقف دیوبند (خادم خاص حضرت خطیب الاسلامؒ استانۂ قاسمی دیوبند)
۱۸۔مولانا محی الدین محمد امین صاحب قاسمی چاٹگام بنگلہ دیش
۱۹۔مولانا مفتی عبدالحمید صاحب قاسمی امام وخطیب جامع مسجد ستارہ (مہاراشٹر)
۲۰۔مولانا محمد احمد صاحب قاسمی صاحب مہتمم الجامعۃ القاسمیۃ، خیرالعلوم ناپارہ بہرائچ (یوپی)
۲۱۔قاری محمد احمد نوری صاحب استاذ مدرسہ نورالاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ (یوپی)
۲۲۔مولانا محمد سکندر صاحب قاسمی استاذ دارالعلوم وقف دیوبند
۲۳۔قاری عبدالقیوم صاحب استاذ مدرسہ نورالاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ (یوپی)
۲۴۔مولانا مفتی محمد فاروق صاحب قاسمی دارالعلوم لمّی پیٹ وجے واڑہ (اے پی)
۲۵۔مولانا محمد میاں صاحب قاسمی مدرسہ سراج العلوم سنبھل مرادآباد (یوپی)
۲۶۔جناب ایاز احمد خان صاحب خطیب مسجد گھاس والا کمپلکس ممبرا کوسہ ممبئی
۲۷۔مولانا مفتی معین الدین صاحب قاسمی مدرسہ طیب العلوم گیورائی (مہاراشٹر)
۲۸۔مولانا مفتی محمد میاں صاحب مہتمم جامعہ کاشف العلوم بریلی (یوپی)
۲۹۔جناب حافظ اقبال عبدالستار صاحب (چوناوالا) جوگیشوری (ممبئی)
۳۰۔مولانا عرفان احمد صاحب قاسمی استاذ جامعہ افضل المعارف الٰہ آباد (یوپی)
۳۱۔قاری محمد یاسین صاحب سیال نگلہ جئی میرٹھ (یوپی)
۳۲۔مولانا مفتی جمیل الرحمٰن صاحب قاسمیؒ سابق ناظم مدرسہ رحمانیہ ہاپوڑ (یوپی)
۳۳۔مولانا محمد اسامہ صدیقی صاحب نانوتہ سہارنپور (یوپی)

۳۴۔مولانا محمد عظیم الدین صاحب امام وخطیب مسجد ہدیٰ بھیونڈی (مہاراشٹر)
۳۵۔مولانا مفتی انصار احمد صاحب محی السنہ ملاڈ ممبئی (مہاراشٹر)
۳۶۔مولانا مفتی نعمت اللہ صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم ملیا کھگڑیا (بہار)
۳۷۔مولانا ولی غازی صاحب مہتمم جامعہ ریاض الاسلام سرونج ودیشہ (ایم پی)
۳۸۔مولانا محمد الیاس صاحب مہتمم جامعہ زکریا ڈھاکہ مغربی چمپارن (بہار)
۳۹۔جناب سید محمد طیب میاں صاحب محلّہ قلعہ دیوبند (یوپی)
۴۰۔مولانا خان محمد صاحب سلطان پوری (دہلی)
۴۱۔جناب غلام صابر صاحبؒ میرپورخاص (پاکستان)
۴۲۔مولانا ڈاکٹر عطاء اللہ خان صاحب قاسمی انکورنگر کھنڈوا (ایم پی)
۴۳۔مولانا مفتی محمد اسمٰعیل صاحب قاسمی دارالعلوم لبّی پیٹ وجے واڑہ (اے پی)
۴۴۔مولانا محمد عطاء الرحمٰن صاحب قاسمی شیموگہ (کرناٹک)
۴۵۔مولانا ڈاکٹر عبدالقادر صاحب بڑضیاء الحق دیوبند
۴۶۔مولانا محمد طارق بن ثاقب صاحب قاسمی مدرسہ تحفیظ القرآن ارریہ (بہار)
۴۷۔قاری محمد اسامہ بن قاری رفیق احمد صاحب جدّہ (سعودیہ عربیہ)
۴۸۔مولانا مفتی بلال احمد صاحب قاسمی مرادنگر (یوپی)
۴۹۔نسیم احسن صاحب ٹھوکری چک بیگوسرائے (بہار)
۵۰۔مولانا مفتی محمد وسیم اکرم صاحب قاسمی استاذ حدیث مدرسہ شمس العلوم شاہدرہ (دہلی)

میں نے اپنے علم واطلاع کے مطابق تمام خلفائے خطیب الاسلامؒ کی فہرست درج کردی ہے، اگر کوئی نام اس میں رہ گیا ہو تو اس کو سہو شمار کیا جائے۔

ملفوظات کی اہمیت وافادیت

اصلاح نفس کے باب میں اکابرین امت و بزرگان ملت علماء اور صالحین کے فرمودات و ارشادات اوران کےملفوظات کی اہمیت وافادیت ایک ایسی نا قابل انکار حقیقت ہے کہ جس سے کسی بھی ذی شعور انسان کے لئے انکار کی گنجائش نہیں، امت میں ہمیشہ بزرگوں کے ملفوظات کوقلمبند کرنے اوران کے ارشادات عالیہ کومحفوظ کرنے کا سلسلہ جناب رسول اللہ ﷺ ہی کے زمانے سے چلا آرہاہےاوران سے ہرزمانے میں لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔

اکابرین کے ملفوظات کونقل اورمحفوظ کرنے کا سلسلہ اس لئے اہمیت کا حامل ہے کہ ان کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات ایسے پرتاثیرمبنی برحکمت بصیرت افروز اور جامع ہوتے ہیں کہ ان کے قوت تاثیر"از دل خیزد بردل ریزد" ہوتی ہےاوردل سے نکلے ہوئے یہ کلمات اپنی قوت تاثیر میں غیرمعمولی اہمیت کے حامل بن کر فاتح قلوب بن جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہمارے بزرگوں کی علمی واصلاحی مجالس ہوا کرتی تھیں، اور حاضرین مجلس ان کے اقوال، ان کے ملفوظات اوران کی علمی گفتگو کوقلمبند کرکےمحفوظ کرلیتے تاکہ جو اس مجلس میں حاضرنہیں وہ بھی ان مجالس کے افادہ سےمحروم نہ رہ سکیں، ایسی پاکیزہ مجالس اور بزرگوں کی زبان سے اداء ہوئے کلمات کے متعلق حضرت حکیم الاسلام تحریر فرماتے ہیں

"اکابرین دیوبند نے اپنی طرف سے یہ کوئی نیا طریقہ ایجادنہیں فرمایا تھا بلکہ یہ سلسلہ توسرچشمۂ ہدایت سید المرسلین وخاتم النبیین ﷺ کے زمانے سے ہی چلا آرہا ہے، رسول اللہ ﷺ جب تشریف لاتے اورمسجد نبوی میں بیٹھ جاتے یا کبھی نماز بعد بیٹھ جاتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے سامنے مل کر بیٹھتے پھر صحابہ کرامؓ کوآپ دین کی ضروری باتیں بتلاتے، کبھی کبھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم آپ سے سوال کرتے اور کبھی آپ خود صحابہؓ سے سوال کرتے تھے، جب صحابہ کرامؓ جواب نہ دے پاتے تو فرماتے اللہ ورُسولہ اعلم ۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اس کی تشریح فرماتے تھے، آپ کی مجالس حسنہ سےعلوم ومعرفت کا دریا نکلا اورصحابہ کرامؓ کوسیراب

کرتا ہوا پورے عالم میں پھیل گیا۔صحابہ کرامؓ کا حافظہ قوی تھا، وہ حضرات آپ کی ہر بات یاد کرلیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد پھر وہی صحابہ آنے والی امت کے معلم اور مربی بنے، ان کے یہاں بھی مجالس کا سلسلہ جاری رہتا تھا، پھر تبع تابعین، ائمہ، علماء ربانیین اور اولیائے کرام نے بھی اس طریقہ کو اپنایا اور مجالس کا سلسلہ باقی رکھا، حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہما اور دیگر اولیاء کرام کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات واضح طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ ان حضرات کے یہاں مجالس کا بہت اہتمام ہوتا تھا، ان حضرات کے خلفاء ان کے فرمودات اور ان کی مجالس کو پابندی کے ساتھ قلمبند فرماتے تھے، چنانچہ اس سلسلے میں ان اولیاء کرام کے ملفوظات اور فرمودات کی ضخیم ضخیم کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجالس کا سلسلہ رسول مقبول ﷺ کے زمانے ہی سے چلا آ رہا ہے اور ہمیشہ یہ سلسلہ مفید رہا ہے، اس لئے اس کو اسلافِ دیوبند نے اپنایا تھا۔ آج بھی ہمارے اکابر کے جو نمونے رہ گئے ہیں وہ حضرات بھی اس کو اپنائے ہوئے ہیں۔‘‘

اسی طرح امت کے بہی خواہان اور اصلاح کی فکر رکھنے والے حضرات نے حضرت کے استاذ گرامی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے زریں فرمودات کو قلمبند فرمایا اور پھر مسلسل برصغیر میں وہ چھپ رہے ہیں اور امت کی اصلاح کے باب میں شاہ کلید کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت خطیب الاسلام کے ملفوظات بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی ہیں، جو انتہائی مفید ہیں حضرت کے ملفوظات کو ہمارے محترم جناب حضرت مولانا مبین صاحب ٹانڈا ضلع رامپور نے ترتیب دے کر ندائے دارالعلوم وقف دیوبند میں قسط وار الگ الگ شماروں میں شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔ ان میں سے چند ملفوظات کو افادہ عام کے لئے شامل کتاب کیا جا رہا ہے، اسی طرح بعض دیگر ملفوظات بھی اس میں شامل ہیں۔

زریں فرمودات

ملفوظ ۱: انبیاء کو منجانب اللہ علم

درحقیقت تمام انبیاء کو جتنا علم دیا گیا تھا وہ سب اور اس سے بھی زیادہ آپ کو عطا فرمایا گیا تھا اور اسی عطا شدہ علم کے مطابق آپ نے ہزاروں غیب کی باتوں کی خبریں دیں، جن کی سچائی کا ہر عام وخاص نے مشاہدہ کیا، اس کی وجہ سے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ہزاروں لاکھوں غیب کی چیزوں کا علم عطا کیا گیا تھا مگر اس کو اصطلاح قرآن میں علم غیب نہیں کہہ سکتے اور اس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔

ملفوظ ۲: علم محیط اور قدرت مطلقہ باری تعالیٰ کی صفت خاص

قرآن کریم نے اس کو واضح فرمادیا ہے کہ علم محیط جس سے کوئی ذرہ چھپا نہ رہے، اسی طرح قدرت مطلقہ کے ہر نفع ونقصان قبضہ میں ہو یہ صفت خاص ہے حق تعالیٰ کی۔قرآن کریم میں نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اس کا اعلان کریں کہ میں اپنے نفس کے لئے بھی نفع نقصان کا مالک نہیں دوسروں کے نفع نقصان کا کیا ذکر ہے۔اسی طرح یہ بھی اعلان کر دیا کہ میں عالم الغیب نہیں ہوں کہ ہر چیز کا علم ہونا میرے لئے ضروری ہو اور اگر مجھے غیب ہوتا تو میں ہر نفع کی چیز کو ضرور حاصل کرلیا کرتا اور کوئی نفع میرے ہاتھ سے فوت نہ ہوتا اور ہر نقصان مجھے نہ پہنچتا۔

ملفوظ ۳: امت کی رہبری اور غلط فہمی سے حفاظت

درحقیقت ایسے واقعات کے ظاہر کرنے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ لوگوں پر عملاً یہ بات واضح کردی جائے کہ انبیاء کرام اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول اور افضل خلائق ہیں مگر پھر بھی وہ خدائی علم وقدرت کے مالک نہیں تاکہ لوگ اس غلط فہمی کے شکار نہ ہو جائیں جس میں عیسائی اور نصرانی مبتلا ہو گئے اور اپنے رسول کو خدائی صفات کا مالک سمجھ بیٹھے اور اس طرح شرک میں مبتلا ہو گئے۔

ملفوظ۴: علم غیب کا مفہوم

علم غیب کہتے ہیں درحقیقت اس علم کو جو بغیر کسی سبب کے حاصل ہو اور بغیر کسی سبب اور ذریعہ کے جو علم ہے وہ علم صرف اللہ کا ہے۔ حق تعالیٰ اپنے علم کے لئے نہ کسی پیغمبر اور ذریعہ کا محتاج، نہ کسی کتاب، نہ حواس خمسہ کا محتاج۔

برخلاف بندوں کے کہ بندے علم حاصل کرنے کے لئے کبھی استاد، کبھی کتاب، کبھی آنکھ، کبھی کان وغیرہ کے محتاج ہیں، قوت سماعت اور قوت بصارت وبصیرت نہ ہو تو علم حاصل نہیں ہوتا۔

گویا ہم ذریعوں کے محتاج ہیں حتی کہ پیغمبر بھی ذریعہ کے محتاج ہیں، یہ الگ چیز ہے کہ ان کا بہت ہی لطیف قسم کا ذریعہ ہے، جس کا نام ہے وحی۔

ملفوظ۵: عظمت اولیاء کی بنیادی وجہ

حضرات اولیاء کرام کی عظمت صرف اس بنیاد پر کی جاتی ہے کہ وہ شریعت کے احکام پر پوری دلجمعی اور توجہ کے ساتھ عمل کرتے ہیں اور وہ ہر چیز کو چھوڑ کر شریعت پر عمل کرتے ہیں، اس لئے ہمارے دلوں کے اندران کا احترام پیدا ہوتا ہے اور یقیناً ان کا ادب واحترام پورا پورا کرنا چاہئے، ان کی مجالس میں شریک ہونا چاہئے، ان سے ملنا چاہئے، ان کی صحبت میں بیٹھنے سے آدمی کو حق تعالیٰ کی طرف سے توفیق ملتی ہے، ان کی معیت اختیار کرو، اس لئے کہ دل کے اندر جو بات پہنچتی ہے وہ دل سے ہی پہنچتی ہے، ان کے دل سے جو چیز پہنچے گی وہ دین ہوگا۔ ارشاد خداوندی ہے: اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو سچوں کے ساتھ۔

ملفوظ۶: صالحین کی صحبت میں نفع ہی نفع

اللہ والوں سے، نیک لوگوں سے رابطہ قائم رکھنا اور باقی رکھنا اور ان کے پاس جانا اور ان کے پاس بیٹھنا نفع سے خالی نہیں، یہ ضروری نہیں کہ وہ آپ سے باتیں ہی کرے، ان کے پاس بیٹھنا ہی آدمی کے لئے بڑی سعادت ہے اور یہ نیکی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ توفیق خداوندی میسر آتی ہے، فوائد بھی اس کے اندر ہوتے ہیں اور آخرت کا فائدہ تو یقینی ہے لیکن بعض مرتبہ دنیوی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔

ملفوظ ۷: صالحین سے تعلق اور دین ودنیا درست

اللہ والوں سے تعلق پیدا کرنے کے نتیجہ میں آدمی کا دین تو سنورتا ہی ہے، دنیا بھی سنور جاتی ہے۔ آخرت تو بنتی ہی ہے، دنیا بھی بن جاتی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ اہل اللہ سے تعلق رکھنا، آنا جانا، اٹھنا بیٹھنا اس کا دل پر اثر پڑتا ہے۔

ملفوظ ۸: صلاح کا مدار قلب پر

اصل چیز تو آدمی کا قلب ہے، فرمایا گیا کہ تمہارے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، اگر وہ ٹھیک ہے تو تم سارے ٹھیک ہو اور اگر وہ خراب ہے تو تم خراب ہو۔ (الحدیث)

ملفوظ ۹: قلب ودل کا فساد اور دین ودنیا کی خرابی

دل کا راستہ اگر سیدھا ہو جائے اور اللہ کی مرضی پر چلنے کے قابل ہو جائے تو آدمی کا دین دنیا اور آخرت سب بنتے اور درست ہو جاتے ہیں اور اگر دل بگڑ جائے یا شیطان کی طرف مائل ہو جائے یعنی غلط راستہ پر چل پڑے تو دین ودنیا اور آخرت سب خراب۔

ملفوظ ۱۰: قرآن کریم کی رہنمائی اور دل میں نیکی کا جذبہ

دل میں نیکی کا جو راستہ آتا ہے وہ نیک لوگوں کی صحبت ہی سے آتا ہے، اسی لئے ہدایت فرمائی گئی کہ اہل اللہ اور اہل دل سے تعلق رکھو، سچوں کے ساتھ معیت اختیار کرو، صالحین کے ساتھ رابطہ قائم کرو، یہ سب سے بڑا ذریعہ بنتا ہے، دل کے سیدھا ہونے کا۔

ملفوظ ۱۱: بچپن کی بات زندگی بھر کام آتی ہے

قدیم دور کے اندر لوگ اپنے بچوں کو بھی اپنے ساتھ اپنے بزرگوں کے یہاں لے جایا کرتے تھے، وہاں بیٹھنے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ قلب پر اس (بچہ) کے بھی اثر پڑتا کہ نیکی کی طرف اس کا قلب مائل ہو جاتا، فلاں وقت میں نے یہ بات سنی تھی، ظاہر ہے کہ دلوں کے اندر جو چیزیں رچ جاتی ہیں اور بس جاتی ہیں وہ آئندہ پوری زندگی کے اندر کام آتی ہیں۔

ملفوظ۱۲: بزرگوں کی صحبت سے تکبر ختم ہوجاتا ہے

سب سے اہم چیز یہ ہے کہ بزرگوں کی صحبت سے آدمی کے قلب سے تکبر سے نکل جاتا ہے، انسان کوسب سے زیادہ برباد کرنے والی چیز جو ہے وہ ہے تکبر۔ آدمی کوتکبر برباد کردیتا ہے، متکبر اپنی نظروں میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور دنیا کی نگاہوں میں حقیر وذلیل ہوتا ہے اور جوتواضع کرتا ہے وہ اپنے آپ کوحقیر سمجھتا ہے، ذلیل سمجھتا ہے لیکن دنیا کی نگاہوں میں اللہ تعالیٰ اس کوعزت دیتا ہے۔

ملفوظ۱۳: عزت تواضع میں

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے دنیا میں عزت کوتواضع کے اندر رکھا ہے، فرمایا: من تواضع الله رفعه الله اللہ کے لئے جوتواضع کواختیار کرتا ہے اللہ اس کوعزت عطا فرمادیتا ہے۔

ملفوظ۱۴: تواضع کا حصول

بزرگوں کے اندر چوں کہ تواضع ہوتی ہے، خاکساری ہوتی ہے تو ان کے پاس بیٹھنے والوں کو سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا کہ ان پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے، صحبت میں بیٹھنے والوں میں بھی یہ صفت پیدا ہوجاتی ہے۔

ملفوظ۱۵: غروراورتکبر کا زبردست نقصان

غروراورتکبر سے نیکی کا جذبہ نیکی کا داعیہ، نیکی کا ارادہ اوردل کا سیدھا ہونا یہ تمام چیزیں ضائع اورختم ہوجاتی ہیں اوراگراہل اللہ اوراہل دل کی صحبت سے تواضع میسرآ گئی تو آدمی کواللہ کی طرف سے توفیق ملتی ہے اوراس کے قلب میں نیکی کرنے کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے۔

ملفوظ۱۶: مدارس علماء کرام اورصحاب صفہ

مدارس عربیہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کوپھیلانے کے مرکز ہیں، علماء کرام کوانبیاء کا وارث فرمایا گیا ہے، دینی مدارس کے علماء اصحاب صفہ کی سنت کوزندہ رکھے ہوئے ہیں، حضوراکرم ﷺ کےعلوم ومعارف کی تعلیم سے رجال کارتیارکررہے ہیں، اجتماعات اورجلوسوں کے ذریعہ دعوت وتبلیغ کااہم فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

ملفوظ ۱۷: اللہ والوں سے تعلق اور ایمان کی ترقی

اللہ والوں سے تعلق رکھنا اور ان کی صحبت اختیار کرنا، ان کی معیت سے مستفید ہوتے رہنا، اور ترقی روحانیت کرتے رہنا ایمان کو بڑھاتا ہے، یہ سلسلہ صوفیاء کرام کے یہاں سے جاری ہے اور ایمان کی ترقی ہوتی ہے اور انقباض کا علاج ہوتا ہے صوفیاء کرام بھی مریضان نفوس کا علاج کرتے ہیں۔

ملفوظ ۱۸: روحانی قبض اور اذکار

چوں کہ بعض اوقات یہ روحانی قبض پیدا ہو جاتا ہے تو بعض مرتبہ تو یہ رفع ہو جاتا ہے اذکار کی تبدیلی سے اور کیفیتیں بدل جاتی ہیں، بعض اوقات دوسرے طریقے بھی ہوتے ہیں۔

ملفوظ ۱۹: اہل اللہ اور قرب وجوار پر رحمت

امام الدین جو حضرت نانوتویؒ کے خادم خاص تھے انہوں نے حضرت سے سوال کیا کہ حضرت بعض لوگ دنیا میں وصیت کر کے جاتے ہیں دیکھو جب ہم مر جائیں تو فلاں بزرگ کے پاس دفن کرنا ان کے قبرستان میں دفن کرنا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی وہ بزرگ ہیں تو اپنے لیے پھر اس وصیت کا کیا فائدہ، حضرت نے فرمایا اچھی بات ہے آپ کا جواب دیں گے کچھ دیر کے بعد حضرت (نانوتویؒ) نے پوچھا کہ امام الدین یہ پنکھا کس کو جھل رہے ہیں، امام الدین نے کہا کہ حضرت آپ کو جھل رہا ہوں حضرت نے فرمایا کہ ہوا تو سب کو لگ رہی ہے انھوں نے کہا کہ حضرت پنکھا تو آپ ہی کو جھل رہا ہوں، یہ آپ کے طفیل سے ان کو بھی ہوا لگ رہی ہے، حضرت نے فرمایا یہ آپ کے سوال کا جواب ہے، اہل اللہ پر جب رحمت کی ہوا چلے گی تو جو اہل اللہ کے قرب وجوار میں ہوں گے وہ بھی ان کی برکت سے مستفید ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

ملفوظ ۲۰: نئی نسل اور صالحین کی صحبت

ضرورت ہے اس بات کی کہ اپنی نئی نسل کو صحیح علم سے آراستہ کر کے ان کو صالحین کی صحبت میں بھیجنے کی کوشش کریں اس کے بغیر ظاہر بات ہے کہ صلاح کا پیدا ہو جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ملفوظ ۲۱: صالحین کی صحبت سب کو مفید

صالحین کی صحبت میں اگر جاہل مطلق بھی بیٹھ جاتا ہے تب بھی وہاں سے بہت کچھ لے کر نکلتا ہے اہل علم تو لے آتے ہی ہیں، لیکن جاہل بھی محروم نہیں رہتا۔

ملفوظ ۲۲: ملک کے تین اسلامی مکاتب فکر

ملک کے تین اسلامی مکاتب فکر ہیں اولین مکتب فکر ولی اللہی دہلی میں تھا جس نے دین کے مصدر ثانی ''علم حدیث'' کو شرح کتاب اللہ کی حیثیت سے پیش کرنے کا اس دور میں اہم فریضہ اس وقت ادا کیا کہ جب حتمی اور قطعی اور یقینی مرادات کو واضح کرنے والے حدیث رسول اللہ ﷺ سے کتاب اللہ کو علماء سوء یکسر منقطع کر کے اور کتاب اللہ کو اپنی زرطلبی اور جاہ طلبی کی حقیر وذلیل اغراض فاسدہ کے لیے ایسا قوی وسیلہ بنا رکھا تھا کہ اس کے برخلاف آواز اٹھانا دعوت مبارزت کے مترادف بنا ہوا تھا، دوسری جانب لکھنؤ فقہ اور اصول فقہ کا ملک گیر مکتب فکر تھا فقہی ذوق رکھنے والے فضلاء لکھنو سے مستفید ہوتے تھے، اور تیسرا منطق وفلسفہ کا معقولی مکتب فکر ''خیر آباد'' تھا اس لیے معقولات سے مناسبت رکھنے والے خیر آباد کا رخ کرتے تھے۔

ملفوظ ۲۳: حضرت نانوتوی کی فراست ایمانی اور قیام دارالعلوم دیوبند

ان تینوں مکاتب فکر کے ختم ہو جانے کے بعد حضرت نانوتویؒ کا قلب وذہن اس کی امکانی تلافی پر مرکوز تھا جو ایک نئے مرکز علم ودین کی تاثیر کے بغیر ممکن نہیں تھا اور حضرت الامام کا یہ عمل الہام خداوندی سے مؤید تھا اس لیے آپؒ اپنے اس عزم صمیم کو اپنی فراست ایمانی سے اس طرح معرض وجود میں لائے کہ دیوبند جیسی چھوٹی سی بستی میں ایک چوٹی سی مسجد چھتہ کے نام سے معروف ہے اس میں ایک انار کے درخت کے نیچے صرف ایک استاد محمود کے ذریعہ اس عالمگیر مرکز علم ودین کی تاسیس فرمائی۔

ملفوظ ۲۴: حضرت نانوتوی اور فائق ترین امتیاز

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بے شمار امتیازات میں یہ امتیاز سب سے فائق تر قرار دیئے جانے کے مستحق ہے کہ آپ نے اپنے قائم فرمودہ بلند معیار (حدیثی مکتب فکر دارالعلوم دیوبند) میں ملک کے اہم ترین منتشر ومندرس مکاتب کو سرزمین دیوبند پر جمع فرما

کر حسب تقاضائے وقت ایک جامع ترین علمی اور دینی مجموعہ مکاتب فکر ملت اسلامیہ کو عطا فرمایا، اور اس طرح آپ نے نہ صرف عظیم نقصان کی عظیم ترین تلافی ہی فرمادی، بلکہ ہندوستان میں اسلام کا نام تک ختم کردینے کے انگریزی ناپاک عزائم کو بھی ہمیشہ کے لیے خاک میں ملادیا۔

ملفوظ ۲۵: علم وعشق کی باہم آمیزی ضروری

نہ تنہا (علم) مسائل انسانیت کا حل ہے اور نہ تنہا (عشق) کیونکہ یہ امر مشاہد اہل علم کے لیے مسلم حقیقت ہے کہ شرک وکفر نے جب بھی جنم لیا ہے تو وہ علم بے عشق ہی کے بطن سے جنم لیا ہے، اور بدعت جب بھی معرض وجود میں آتی ہے تو ہمیشہ اس کا ذریعہ تخلیق ''عشق بے علم'' ہی بنا ہے، لہٰذا علم وعشق کی باہم آمیزی کے معنی یہ ہیں کہ عشق علم کو تواضع آمیز کر کے صحت وپرتاثیری عطا کرتا ہے اور علم اتباع سنت کی راہ نمائی کے ذریعہ عشق کو وسیلۂ قرب ومعرفت بناتا ہے اور ماضی کی طرح آج بھی ملت اسلامیہ میں علم بے عشق جو فتنے جگا رہا ہے اور ایسے ہی عشق بے علم کی کوکھ سے جن نو ایجاد بدعات کی روز بروز تولید ہو رہی ہے وہ اظہر من الشّمس ہے۔

ملفوظ ۲۶: فکر قاسمی کا بنیادی نقطۂ امتیاز

جامع ترین اسلامی فکر قاسمی کا وہ بنیادی نقطۂ امتیاز جس کو ہر دور میں وارثین فکر قاسمی کے اکابر و اصاغر نے بقوت سنبھالا ہے وہ ملت اسلامیہ میں مکاتب فکر کی تولید پر چراغ پا نہ ہو کر ان کی اصلاح کی جدوجہد کرنا ہے۔

ملفوظ ۲۷: صبر وتحمل اولوالعزمی کی بات ہے

اس راستہ میں اگر کوئی تم کو برا بھلا کہے تو حق تو تمہیں بھی ہے کہ تم بھی اسی طرح ڈانٹ دو۔

﴿وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به﴾ (سورۃ النحل: ۱۲۵)

ترجمہ: وراگر بدلہ لو تو بدلہ لو اسی قدر جس قدر تم کو تکلیف پہنچائی جائے۔

لیکن قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: اگر تم صبر وتحمل سے کام لو تو یہ اولوالعزمی کی بات ہے۔

ملفوظ ۲۸: انبیاء میں مصائب اور تحمل مضرات

انبیاء علیہم السلام نے بڑی بڑی مصیبتیں جھیلی ہیں، ان کو گالیاں دی گئیں، برے بھلے جملے کہے

گئے، برے برے الفاظ سے ان کو یاد کیا گیا۔ حضرت نبی کریم ﷺ کو ساحر، مجنون کہا گیا اور ایذاء رسانی کے تمام طریقے جمع کئے گئے، اوجھ آپ کے سر مبارک پر ڈالی گئی اور مجبور کیا گیا لیکن آپ ﷺ نے صبر وتحمل فرمایا۔

ملفوظ ۲۹: حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے فرائض منصبی

حضرات انبیاء علیہم السلام کا پہلا فرض منصبی لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا ہے۔ قرآن کریم میں رسول اللہ کی خاص صفت داعی الی اللہ ہونا بیان کی گئی ہے، درحقیقت تعبیر میں کبھی اس لفظ کو دعوت الی اللہ کا عنوان دیا جاتا ہے اور کبھی دعوت الی الخیر کا اور کبھی دعوت الی سبیل اللہ کا۔ حاصل سب کا ایک ہے، کیوں کہ اللہ کی طرف بلانے سے مراد اس کے دین اور صراط مستقیم ہی کی طرف بلانا ہے۔

ملفوظ ۳۰: حضور نبی اکرم ﷺ اور دعوت وتبلیغ میں آپ کا طریق

حضرت نبی اکرم ﷺ دعوت وتبلیغ، وعظ ونصیحت میں اس کا غیر معمولی لحاظ رہتا تھا کہ مخاطب پر بار نہ ہونے پائے۔ حضرات صحابہ کرامؓ جیسے عشاق رسول جن سے کسی وقت بھی اس کا احتمال نہ تھا کہ وہ آپ کی باتیں سننے سے اکتا جائیں گے ان کے لئے بھی آپ کی عادت یہ تھی کہ وعظ ونصیحت روزانہ نہیں بلکہ ہفتہ کے بعض دنوں میں فرماتے تھے تاکہ لوگوں کے کاروبار کا حرج اور ان کی طبیعت پر بار نہ ہو۔

ملفوظ ۳۱: فضلائے مدارس اور بقدر کفاف وسیلۂ معاش

مدارس اسلامیہ میں دینی احکام وہدایات ربانی کے تحت فضلاء چوں کہ ابتداء ہی سے مخلصانہ خدمت دین پر آخرت کی دائمی راحتوں کا ذریعہ ہونے کا یقین لئے ہوئے ہوتے ہیں، اس لئے معاش کے بارے میں اس عقیدے کے تحت کہ رازق مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہ خدمت دین کے ذریعہ حاصل ہوجانے والے بقدر کفاف وسیلۂ معاش پر الحمدللہ پورے طور پر مطمئن رہتے ہیں۔

ملفوظ ۳۲: تعلیم اور میدان علم بقدر صلاحیت

ہر تعلیم اپنا میدان عمل بقدر صلاحیت خود بناتی ہے۔ ہمارے فضلاء کا بھی اس طبعی اصول کے تحت میدان عمل ان کی صلاحیت کار کے بقدر ہی ہوتا ہے، وہ تدریس وافتاء، تقریر وخطابت، تصنیف

وتالیف، تحقیق، سیاست، وارثت، صنعت وتجارت اور حرفت وزراعت وغیرہ کے ہر میدان میں دیانت وامانت کے ساتھ کامیاب ہیں۔

ملفوظ ۳۳: انبیاء کرام اوران کومن جانب اللہ علم

درحقیقت قرآن کریم نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ انبیاء نہ قادر مطلق ہوتے ہیں نہ عالم الغیب بلکہ ان کو علم وقدرت کا اتنا ہی حصہ حاصل ہوتا ہے جتنا من جانب اللہ ان کو دیدیا جائے۔ ہاں اس میں شک وشبہ نہیں کہ جو حصہ ان کو عطا ہوتا ہے وہ ساری مخلوقات سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ خصوصاً نبی کریم ﷺ کو اولین وآخرین کا علم عطا فرمایا گیا تھا۔

ملفوظ ۳۴: داعیانِ حق کے لئے ایک اہم ہدایت

درحقیقت قرآن کریم میں داعیانِ حق کے لئے ایک اور اہم ہدایت ہے وہ یہ کہ بعض اوقات ایسے سخت دل جاہلوں سے سابقہ پڑتا ہے کہ ان کو کتنی ہی نرمی اور خیر خواہی سے بات سمجھائی جائے وہ اس پر بھی مشتعل ہوجاتے ہیں، زبان درازی کرکے ایذاء پہنچاتے ہیں اور بعض اوقات اس سے بھی تجاوز کرکے ان کو جسمانی تکلیف پہنچانے بلکہ قتل تک سے بھی گریز نہیں کرتے۔

ملفوظ ۳۵: قانونی حق ہے مگر صبر کرنا بہتر ہے

ایسے حالات میں ان دعوت حق دینے والوں کو کیا کرنا چاہئے۔ اس کے لئے وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ الخ میں ایک تو ان حضرات کو قانونی حق دیا گیا کہ جو آپ پر ظلم کرے، آپ کو بھی اس سے اپنا بدلہ لینا جائز ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ بدلہ لینے میں مقدار ظلم سے تجاوز نہ ہو، جتنا ظلم اس نے کیا ہے اتنا ہی بدلہ لیا جائے، اس میں زیادتی نہ ہونے پائے۔ اور یہ مشورہ بھی دیا کہ اگرچہ آپ کو انتقام لینے کا حق بھی ہے لیکن صبر کریں اور انتقام نہ لیں تو بہتر ہے۔

ملفوظ ۳۶: معلمیت کیا ہے؟

اسلام کی بنیاد حقائق وبراہین پر ہے، معلمین کو چاہئے کہ وہ طلبہ کو سوال کی آزادی دیں کیوں کہ یہ علمی ترقی کی ابتداء ہے اگر استاذ طالب علم کو سوال سے روکے تو یہ اپنے مذہب سے بد دیانتی ہوگی، طلبہ درجہ میں آزاد ہوتے ہیں، سوال کے لئے اور اساتذۂ کرام پابند ہوتے ہیں جواب دینے کے لئے۔

اساتذۂ کرام کے اوپر ایک تکمیل مسلم کی ذمہ داری ہے درجات کے اندر اور ایک تکمیل ادب و ذکر کی ذمہ داری ہے درجہ سے باہر اور مدرسہ کے ماحول کے اندر رہتے ہوئے ان دونوں ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا نام درحقیقت معلمیت ہے۔

ملفوظ ۳۷: دارالعلوم امانتِ الٰہی

دارالعلوم ایک امانت الٰہی ہے، اس کی تعمیر تقویٰ کی اینٹوں سے ہوئی ہے، اس کا سنگ بنیاد رکھنے والے امراء اور اغنیاء نہ تھے بلکہ اس کی بنیاد ڈالنے والے چند مقدس نفوس فقراء اور اہل اللہ تھے، اس لئے اس کی حفاظت ان ہی کے اصول اور نقشِ قدم پر ہونی چاہئے اور سب ہی کو مل کر اس کی حفاظت کرنی چاہئے۔

ملفوظ ۳۸: حجت تشریعیہ اور حجت تفریعیہ

اجماع اور قیاس حجت تفریعیہ ہیں اور اللہ اور سنت رسول اللہ حجت تشریعیہ ہیں۔

حجت تشریعیہ وہ کہلائے گی جو اپنی حجت کے اندر غیر کی محتاج نہ ہو اور حجت تفریعیہ وہ کہلائے گی جو اپنی حجت کے اعتبار سے کسی دوسرے کی محتاج ہو تو اجماع اور قیاس اپنی حجت کے اندر دوسرے کے محتاج ہیں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ محتاج نہیں۔

ملفوظ ۳۹: شکرگزار ہمیشہ راحتوں میں

اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرما دیا ہے کہ اگر تم نے میری نعمتوں کا شکر ادا کیا کہ ان کو میری نافرمانیوں اور ناجائز کاموں میں خرچ نہ کیا اور اپنے اعمال وافعال کو میری مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش کی تو میں ان نعمتوں کو اور زیادہ کر دوں گا۔ یہ زیادتی نعمتوں کی تعداد میں بھی ہے اور ان کی بقاء ودوام میں بھی۔ رسول کریمؐ نے فرمایا کہ جس شخص کو شکر ادا کرنے کی توفیق ہوگئی وہ کبھی نعمتوں میں برکت اور زیادت سے محروم نہ ہوگا اور فرمایا کہ اگر تم نے میری نعمتوں کی ناشکری کی تو میرا عذاب بھی سخت ہے۔

ملفوظ ۴۰: تجدید دین کا مفوم

حق تعالیٰ اس امت کے لئے ہر سو سال کے بعد مجدد دین بھیجے گا جو اس دین کی تجدید فرمائیں گے، دین کی تجدید کے یہ معنی نہیں کہ وہ کوئی نیا دین پیش کر دیں گے بلکہ مراد اس کے اندر یہ کہ وہ دین

قدیم کو بدلائل جدید دنیا کے سامنے پیش کریں گے اس لئے جدت پسندی کی رعایت بھی کرنی ہے تو دلائل کے ذریعہ سے ہوگی دین کے اندر نہیں ہوگی، دین قدیم ہوگا دلائل جدید ہوں گے اس کے اندر تو دین قدیم کو دلائل جدیدہ سے پیش کریں گے۔

ملفوظ ۴۱: دین اور حفاظت دین کی صلاحیت

دین کے لئے اللہ تعالیٰ نے فقط شخصیات ہی کو منتخب نہیں کیا اس لئے کہ دین دائمی تھا اور شخصیات دائمی نہیں ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے دین کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت خود دین کے اندر مہیا فرمادی، کوئی بھی حفاظت کرنے والا نہ ہو تو یہ دین اپنا محافظ خود ہے، اس لئے کہ یہ حجتوں کا دین ہے، یہ دلائل کا دین ہے، یہ براہین کا دین ہے اور حجت و براہین کی طاقت وہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو چیلنج نہیں کرسکتی۔

ملفوظ ۴۲: دلائل شرعیہ

کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ، اجماع اور قیاس یہ چار دلائل ہیں لیکن ان چار دلائل میں اصل دلیل جو ہے وہ درحقیقت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ ہے کہ یہ بنیادی دلائل ہیں اور ان کو کہا جائے گا بنیادی دلائل ان کو اپنی حجیت کے اندر کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں، کسی دوسرے کی تائید کی ضرورت نہیں، کتاب اللہ بذات خود حجت ہے، سنت رسول اللہؐ بذات خود حجت ہے بخلاف اجماع اور قیاس کے۔

اجماع اس وقت میں حجت ہے جب کہ اس کی تائید کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ہو جائے۔ اگر تائید ہوتی ہے تو اجماع ''اجماع معتبر'' ہے اور اگر تائید نہیں ہوتی تو اجماع دیوار پر مار دینے کے لائق ہوگا۔

ٹھیک اسی طریقہ پر قیاس ہے، قیاس وہ معتبر ہے جس کی بقا کتاب اللہ، سنت رسول اللہ میں موجود ہوں۔ اگر موجود ہے تو قیاس معتبر ہے اور اگر نہیں تو وہ دیوار پر مار دینے کے لائق ہے۔

ملفوظ ۴۳: کتاب اللہ کا مقام عظمت اور صاحب نبوت کا امین ہونا

کتاب اللہ درحقیقت اپنے مقام عظمت کے اعتبار سے اتنا اونچا کلام ہے کہ اس کی عظمت بھی اللہ تعالیٰ نے ہی بیان فرمائی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ پر نزول وحی ہوتا ہے، آپ جلدی جلدی یاد کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حضرت جبرئیل امین سناتے۔ ارشاد فرمایا:

﴿لَا تُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهٖ، اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْآنَهٗ﴾

(سورہ القیامۃ: ۱۶،۱۷)

آپ قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اس کو جلدی جلدی لیں، ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کردینا اور پڑھوا دینا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ صاحب نبوت الفاظ کے بارے میں بھی امین ہیں اور معنی کے اعتبار سے بھی صاحب نبوت کو اللہ نے امین قرار دیا ہے، نہ الفاظ کے بارے میں اختیار اور نہ معنی کے بارے میں اختیار اس کو دیا گیا۔

ملفوظ ۴۴: نیکی اور گناہ کی نقد جزاء اور سزا

درحقیقت ایک نیکی دوسری نیکی کو دعوت دیتی ہے اور ایک بدی دوسری بدی کو اور گناہ کو ساتھ لے آتی ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے، نیکی کی ایک نقد جزاء یہ ہے کہ اس کے بعد اس کو دوسری نیکی کی توفیق ہوتی ہے۔اسی طرح گناہ کی ایک نقد سزا یہ ہے کہ ایک گناہ کے بعد اس کا دل دوسرے گناہوں کی طرف مائل ہونے لگتا ہے۔

ملفوظ ۴۵: امت محمدیہ اور اہم خصوصیات

حق تعالیٰ نے کچھ خصوصیات سے آپ کو نوازا ہے جس میں آپ سب شامل ہیں بحمداللہ جس میں پہلی خصوصیت یہ سمجھئے کہ آپ جس دین کو لئے ہوئے ہیں یہ دین اللہ کا آخری دین ہے، جس شریعت کے آپ حامل ہیں یہ اللہ کی آخری شریعت ہے، جس کتاب کو آپ سنبھالے ہوئے ہیں یہ اللہ کی آخری کتاب ہے، اور جس ذات مقدس نے لاکر یہ پیغام کامل آپ کے سامنے پیش فرمایا وہ ذات نبوت کے اعتبار سے آخری پیغمبر ہیں۔اس کے معنی یہ کہ ان سب چیزوں کے آخریت نے آپ کو بھی آخری بنادیا۔آپ آخری امت ہیں، اس کے بعد دنیا کے اندر کوئی امت آنے والی نہیں، اب جو امت ہے وہ امت محمد رسول اللہ ہے۔

نبوت ایک عالی شان محل کی طرح ہے جس کے ارکان انبیا علیہم السلام ہیں۔آنحضرت ﷺ سے پہلے یہ محل بالکل تیار ہو چکا تھا اور اس میں صرف ایک اینٹ کے سوا کسی اور قسم کی گنجائش تعمیر میں باقی نہیں تھی۔ نبی کریم ﷺ نے اس جگہ کو پر کر کے قصر نبوت کی تکمیل فرمادی۔اب اس میں نہ کسی

نبوت کی گنجائش ہے نہ رسالت کی ، اگر نبوت یا رسالت کی کچھ اقسام مان لی جائیں تو اب ان میں سے کسی قسم کی گنجائش قصر نبوت میں نہیں ہے۔

ملفوظ ۴۶: حق گوئی ختم ہوتے ہی قیامت قائم

قیامت قائم ہوجائے گی ’’لاتقوم الساعة حتی یقال فی الارض اللّٰہ اللّٰہ‘‘ اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک دنیا کے اندر ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہو۔

جس کے معنی یہ کہ حق گوئی کی زبان جب تک زندہ ہے اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی، دنیا باقی ہے اور جب وہ ختم ہوجائے گی تو کائنات پر موت طاری کردی جائے گی، اس کا نام قیامت ہے ۔حق کے ذریعہ یہ دنیا قائم ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ انبیاء پہلے بھی آئے اور آنے کے بعد وہ رخصت بھی ہوتے گئے لیکن سوال یہ کہ ان کے جانے کے بعد قیامت قائم نہیں ہوئی وجہ اس کے اندر یہ کہ انبیاء کرام رخصت ہوئے، ان کی شریعت رخصت ہوئی لیکن حق رخصت نہیں ہوا۔

اس لئے کہ سلسلۂ نبوت قائم تھا اور سلسلۂ نبوت یوں قائم تھا کہ دعوت باقی تھی اللہ کی جانب سے۔

اس سے ظاہر ہے کہ قیامت قائم ہونے کا کوئی سوال نہیں تھا لاکھوں پیغمبر آئے دنیا کے اندر لیکن ظاہر ہے کہ حق باقی رہا، اس لئے کہ ایک کے بعد دوسرا، دوسرے کے بعد تیسرا آتا رہا، لیکن آپ ﷺ کے بعد درحقیقت یہ خصوصیت پیدا ہوجاتی ہے کہ آپ کے اندر سب چیزیں آخری ہیں ، اب کوئی نبوت آنے والی نہیں ہے، یہ آخری طور پر آچکا ہے دنیا کے اندر، جس کا نام ہے اسلام، اب کوئی دعوت آنے والی نہیں ہے حق تعالیٰ کی طرف سے، اور انبیاء کرام کا سلسلہ ہوگیا ہے ختم۔

ملفوظ ۴۷: ناشکری کرنے والا مایوس نہ ہو

حق تعالیٰ شانہ نے شکر گزاروں کے لئے تو یہ اجر وثواب اور نعمت کی زیادتی کا وعدہ اور وہ بھی بلفظ تاکید وعدہ فرمایا ہے لَأَزِيدَنَّكُمْ لیکن اس کے بالمقابل ناشکری کرنے والوں کے لئے یہ نہیں فرمایا کہ لَأُعَذِّبَنَّكُمْ یعنی میں تمہیں ضرور عذاب دوں گا، جبکہ صرف اتنا فرما کر ڈرایا ہے کہ میرا عذاب بھی جس کو پہونچے وہ بہت سخت ہوتا ہے، اس خاص تعبیر میں اشارہ ہے کہ ناشکرے کا گرفتار عذاب ہونا کچھ ضروری نہیں معافی کا بھی امکان ہے۔

ملفوظ ۴۸: تہجد کا وقت اور حق تعالیٰ کی عطاء

هَلْ مِنْ مّستغفر کوئی مغفرت کا مانگنے والا ہے؟

هل مِنْ مستَرزق کوئی رزق کا مانگنے والا ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مغفرت کا مانگنے والا، رزق مانگنے والا ہو، جس کے ہاتھ اٹھے ہوئے ہوتے ہیں، مغفرت اور رزق مانگتے ہوئے تو حق تعالیٰ فرشتوں کو گواہ بناتے ہیں کہ اے میرے فرشتو! میرا بندہ مغفرت اور رزق مانگ رہا ہے، تم گواہ رہو میں نے ان کی مغفرت کر دی، میں نے اس کو عطا فرمایا۔

گویا نعمتوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو جو نعمتیں انسان مانگے گا حق تعالیٰ اس کو عطا فرمائے گا۔ بہرحال اس وقت (تہجد کے وقت) عطاء کی بارش ہوتی ہے، یہ وقت آپ کو روزانہ دیا جا رہا ہے، گویا آپ کی مدد کی گئی، زبان کے ذریعہ بھی اور مکان کے ذریعہ بھی۔ یہی درحقیقت عبدیت ہے، بندگی ہے، عاجزی ہے۔

ملفوظ ۴۹: طبیعت کے خلاف مرغوب چیزیں اور انسان کی آزمائش

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ (سورة آل عمران: ۱۸۵)

ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔

درحقیقت قرآن کریم نے اس کی وضاحت کی ہے کہ ہم شر اور خیر دونوں کے ذریعہ انسان کی آزمائش کرتے ہیں۔ شر سے مراد ہر خلاف طبع چیز ہے جیسے بیماری، رنج وغم، فقر وفاقہ اور خیر سے مراد اس کے مقابل ہر مرغوب طبع چیز ہے جیسے صحت وعافیت، خوشی وراحت، غذا واسباب عیش وغیرہ۔

یہ دونوں طرح کی چیزیں اس دنیا میں انسان کی آزمائش کے لئے آتی ہیں کہ شر یعنی خلاف طبع امور پر صبر کر کے اس کا حق ادا کرنا ہے اور خیر یعنی مرغوب خاطر چیزوں پر شکر کر کے اس کا حق ادا کرنا ہے۔ آزمائش یہ ہے کہ کون اس پر ثابت قدم رہتا ہے کون نہیں رہتا؟

ملفوظ ۵۰: موت اور مشیت باری عز وجل

ایک عجیب حکمت تو یہ ہے کہ جانے والے دنیا سے جاتے ہیں تو حق تعالیٰ کی مشیت آنے والوں سے کام لینے کے لئے راہیں ہموار کرتی ہے اور بنیاد درحقیقت یہ ہوتی ہے کہ ہر دور کا ایک تقاضہ ہوتا

ہے، ہر دور کی ایک ضرورت ہوتی ہے۔اس دور کے اندر اسی قسم کے افراد کو اللہ تعالیٰ پیدا فرما دیتے ہیں اور جب تقاضے دور کے بدل جاتے ہیں، ضرورتیں تبدیل ہو جاتی ہیں تو افراد کو بھی اللہ تعالیٰ تبدیل فرما دیتے ہیں، نئی نسل کو جو صلاحیتیں ودیعت کی جاتی ہیں ان کے ظہور کا وقت آتا ہے کہ وہ اپنے پچھلوں کے خلف بنیں۔

ملفوظ ۵۱: علم وذکر اور دل ودماغ کی غذا

انسانیت کا امتیاز درحقیقت یہ ہے کہ آپ سوزِ عشق بھی لے کر آئے ہیں اور کیف علم بھی لے کر آئے، اسی لئے سینہ کے اندر دھڑکتا ہوا دل لے کر آئے اور سر کے اندر پھڑکتا ہوا دماغ بھی لے کر آئے ہیں۔ دونوں کی غذا اپنی اپنی جگہ پر الگ الگ ہے۔

دماغ اپنی غذا مانگتا ہے اور قلب اپنی غذا مانگتا ہے، پیٹ اپنی غذا مانگتا ہے، آپ اس پیٹ کو گیہوں دیتے ہیں، چنا دیتے ہیں، چاول دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اسی طریقے پر یہ دو بھوکے اور بھی ہیں، ایک یہ دل بھوکا ہے اور ایک دماغ بھوکا ہے اور دونوں کی غذا جداگانہ ہے۔ دماغ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، درحقیقت اس کی غذا ہے قلب اور دل کی غذا ہے درحقیقت ذکر خوانی۔

ملفوظ ۵۲: اکابر اور عظیم ترین احسان (قیام مدارس)

ہمارے اکابر نے ہمارے اوپر لاتعداد احسانات کئے، ان میں ایک عظیم ترین احسان یہ ہے کہ مدرسوں کا قائم کرنا سکھلایا اور قائم کرنا سکھلانے کے یہ معنی کہ ان اسلاف نے جو مدرسے قائم کئے ان درسگاہوں کے اندر عشق کو زندہ کیا اور ماحول مدرسہ کے اندر فکر کو زندہ فرمایا، جسکے معنی یہ کہ درسگاہ کے اندر تو صورت یہ رکھی کہ استاد پابند ہے اور شاگرد آزاد ہے۔ آزادی کا مطلب یہ ہے کہ شاگرد جس انداز فکر پر جو سوال کرے استاذ کا فرض ہے کہ اس صورت کے اندر اس کو جواب دے کر مطمئن کرے۔

ملفوظ ۵۳: تعلیم وتبلیغ کا موضوع اور مفہوم

تعلیم کہتے ہیں کتاب وسنت کی مرادات اور مقاصد کو مع دلائل کے سمجھنا اور تبلیغ کا موضوع نفس دین پہنچانا ہے کہ بھائی دین پر قائم رہو، تعلیم کا موضوع خصوصی ہے کہ اس کے دلائل کیا ہیں، اس کے وجوہ کیا ہیں؟ اور کتاب وسنت سے یہ باتیں کس طرح نکلتی ہیں، ہر مسئلہ کو سمجھایا جائے، عقائد کو بھی اور

مسائل کو بھی، یہ موضوع ہے تعلیم کا اور تبلیغ کا موضوع عمومی ہے، صرف احکام شریعت عوام تک پہنچائے جائیں اوران کے سامنے یہ رکھا جائے کہ فرائض وواجبات پر عمل کرو۔

ملفوظ۵۴: عالم دین اور داعی حق کا مستقبل

علم دین اور دعوت حق میں اشتغال رکھنے والا یا تو اصول صحیحہ کے تابع اور مہلک خطرات سے مجتنب رہ کر سعادت ابدی حاصل کرلیتا ہے یا پھراس مقام سے گرتا ہے تو شقاوت ابدی کی طرف جاتا ہے، اس کا درمیان میں رہنا بہت مستبعد ہے کیوں کہ جو علم نافع نہ ہووہ عذاب بھی ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''اشدّ الناسِ عذاباً یوم القیامة لَمْ یَنفعه اللّٰه بعلمهٖ.'' سب سے زیادہ سخت عذاب میں قیامت کے دن وہ عالم ہوگا جس کے علم سے اللہ تعالیٰ نے اس کو نفع کی دولت نہ بخشی ہو۔

ملفوظ۵۵: تعلیم وتبلیغ دونوں ضروری

انہوں (تبلیغ ودعوت والوں) نے فضائل بیان کرکے دین پر چلنے کے لئے آمادہ کردیا، اب آگے ضرورت پڑے گی تعلیم کی تو تبلیغ ودعوت سے جذبہ تو پیدا ہوگیا دین پر چلنے کا مگر طریقہ معلوم نہیں کہ کس طرح چلیں تو تبلیغ کے بعد ضرورت ہے تعلیم کی خواہ اردو میں ہو یا عربی میں ہو، صورت جو بھی ہو مگر تعلیم ضروری ہے۔

ملفوظ۵۶: اہل اللہ کی صحبت اور حقیقت علم

دین جو آتا ہے وہ درحقیقت نیک لوگوں ہی کے طفیل سے آتا ہے، کتابیں پڑھنے سے الفاظ کا علم آتا ہے لیکن علم کی اصل حقیقت جو آتی ہے وہ اللہ والوں کی صحبت اور معیت سے آتی ہے۔ مشہور شاعر اکبرالہ آبادی نے اس کو یوں کہا ہے:

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اللہ والوں کی نظر پڑجائے تو آدمی کا دین، دنیا اور آخرت سب بن جائیں گے، سب سے اہم چیز یہ ہے کہ بزرگوں کی صحبت سے آدمی کے قلب سے تکبر نکل جاتا ہے، انسان کو سب سے برباد کرنے والی چیز جو ہے وہ تکبر ہے، متکبر اپنی نظروں میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے لیکن دنیا کی نگاہوں

میں حقیر و ذلیل ہوتا ہے، برباد کرنے والی چیز جو ہے وہ تکبر ہے اور جو تواضع کرتا ہے وہ اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے، ذلیل سمجھتا ہے، لیکن دنیا کی نگاہوں میں اللہ تعالیٰ اس کو عزت دیتا ہے۔

ملفوظ ۵۷: تواضع اور حصولِ عزت

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے دنیا میں عزت کو تواضع کے اندر رکھا ہے، تکبر کے اندر نہیں رکھا۔ فرمایا: ''من تواضع لِللّٰه رفعه اللّٰه'' جو تواضع کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے سر کو بلند کرتا ہے، جو سر جھکاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو عزت عطا فرماتا ہے۔

ملفوظ ۵۸: متواضعین کی صحبت کا اثر ہم نشینوں پر

بزرگوں کے اندر چوں کہ تواضع ہوتی ہے، خاکساری ہوتی ہے، ان کے پاس بیٹھنے والوں کو سب سے بڑا فائدہ جو ہوتا ہے کہ ان پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے، صحبت میں آنے والوں پر گہرا اثر پڑتا ہے اور ان میں بھی یہ صفت پیدا ہو جاتی ہے۔

ملفوظ ۵۹: درحقیقت عبادت اخلاص واتباع کا نام ہے

اللہ کو راضی کرنے والے جتنے کام ہوتے ہیں ان کو تلاش کرنے میں انسان کے قلب میں اس کا جذبہ اور شوق بڑھتا چلا جاتا ہے، اس لئے فرمایا کہ عبادت نام ہے ہر اس کام کا کہ آدمی درحقیقت اللہ کو راضی کرنے کا ارادہ کر لے اور رسول اکرم ﷺ کے طریقہ کی اتباع کرے، گویا اخلاص اور اتباع جس طاعت کے اندر یہ دونوں چیزیں (اخلاص اور اتباع) پیدا ہو جائیں تو عبادت ہے اور جس میں یہ پیدا نہ ہوں تو وہ منہ پر ماردی جائیں گی۔

ملفوظ ۶۰: حضور ﷺ اور مخاطب کی رعایت

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو دعوت واصلاح کے کام میں اس کا بھی بڑا اہتمام تھا کہ مخاطب کی سبکی یا رسوائی نہ ہو، اسی لئے جب کسی شخص کو دیکھتے کہ کسی غلط اور برے کام میں مبتلا ہے تو اس کو براہِ راست خطاب کرنے کے بجائے مجمع عام کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ''مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَفْعَلُوْنَ کَذَا'' لوگوں کو کیا ہو گیا کہ ایسا کام کرتے ہیں اس عام خطاب میں جس کو سنانا اصل مقصود ہوتا وہ بھی سن لیتا اور دل میں شرمندہ ہو کر اس کے چھوڑنے کی فکر میں لگ جاتا۔

ملفوظ ۶۱: دوسرے کی اصلاح کا بہترین طریقہ

درحقیقت حضرات انبیاء کرام کی عام عادت یہی تھی کہ مخاطب کو شرمندگی سے بچاتے تھے اسی لئے بعض اوقات جو کام مخاطب سے سرزد ہوا اس کو اپنی طرف منسوب کر کے اصلاح کی کوشش فرماتے۔قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:﴿وَمَالِیَ لاَ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ﴾ (سورۃ یٰس: ۲۲) سمجھ گیا ہوگیا کہ میں اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت نہ کروں۔ظاہر ہے یہ قاصد رسول تو ہر وقت عبادت میں مشغول تھے، سنانا اس مخاطب کو تھا جو مشغول عبادت نہیں مگر اس کام کو اپنی طرف منسوب فرمایا

ملفوظ ۶۲: تعلیم وتبلیغ کا موضوع اور باہم مربوط

تعلیم کا دوسرا موضوع کتاب وسنت سے مسائل کا نکال کر یہ بتانا ہے کہ اس کی غرض وغایت کیا ہے، غرض وغایت بتا کر پہلے تو عمل کرانا اور اس کے بعد جذبہ پیدا کرنا کہ اس چیز کو دوسروں تک پہنچاؤ یعنی دعوت الی اللہ کرو اور دعوت الی اللہ کا موضوع کہ دین پر آؤ اور پھر تعلیم پاؤ۔معلوم ہوا کہ دونوں ایک دوسرے سے مربوط ہیں، تعلیم کے لئے تبلیغ ضروری ہے اور تبلیغ کے لئے تعلیم ضروری ہے۔تعلیم کا تقاضہ یہ ہے کہ تبلیغ کی طرف لاؤ اور تبلیغ کا تقاضہ یہ ہے کہ تعلیم کی طرف لاؤ۔

ملفوظ ۶۳: حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور مقصد تبلیغ

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے اس کام کو اٹھایا، مقصد اس دعوت وتبلیغ سے یہ ہے کہ لوگ اس کے بعد تعلیم کی ضرورت محسوس کریں تاکہ معلمین کے پاس جا کر وہ علم دین سیکھیں اور مشائخ کے پاس جا کر اپنے اخلاق کی درستگی کرائیں کہ ہم نے تو صرف یہ جذبہ پیدا کر دیا کہ اپنے اخلاق درست کرو۔حضرت نے دیکھا کہ زمانے کے حالات کے پیش نظر سب سے پہلی چیز اس زمانے میں عمومیت اور اجتماعیت اور جمہوریت ہے، اسی لئے حضرت مولاناؒ نے یہ طریق اختیار فرمایا۔

ملفوظ ۶۴: داعی کے لئے ضروری صفات

کتاب وسنت میں داعی کی کچھ صفات بیان کی گئیں ہیں، پہلی صفت یہ ہے کہ وہ صابر ہو، دوسری صفت یہ ہے کہ اس میں لین یعنی نرمی ہو، یہ نہ ہو کہ ذرا ذرا سی بات پر آپے سے باہر ہو جائے۔اگر آپے سے باہر ہوگیا تو لوگ نصیحت نہیں سنیں گے، لوگوں کو پیار ومحبت سے سمجھایا جائے، ڈانٹ ڈپٹ

کا طریقہ نہ ہو کیوں کہ اس سے چڑ پیدا ہو جاتی ہے، نصیحت کی زینت ہے، لینت (نرم ہونا، نرمی) خوب یاد رکھا جائے کہ سخت گیری اور سخت کلامی نہ ہوتا کہ نصیحت موثر بن سکے۔

ملفوظ ۶۵: عبادت کا مفہوم

عبادت ہر اس عمل کا نام ہے کہ جس میں آدمی اللہ کو راضی کرنے کا ارادہ کرے اور رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی اتباع کرے، گویا یہ دونوں چیزیں سچی یعنی اخلاص اور اتباع جس طاعت کے اندر پیدا ہو جائیں تو عبادت ہے اور جس (طاعت) میں یہ دونوں چیزیں پیدا نہ ہوں تو وہ منھ پر ماردی جائیں گی۔

ملفوظ ۶۶: سنت کا مفہوم

سنت نام ہے اس طریقہ کار کا جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے کسی بھی کام کے کرنے کا ارشاد فرمایا۔ ہر عمل کو عبادت بنانے والی دو چیزیں ہیں ایک اخلاص اور ایک اتباع۔ اخلاص کے معنی اللہ کو راضی کرنے کے لئے کرنا اور اتباع کے معنی ہیں حضرت محمد رسول اللہؐ کے طریقہ کے مطابق کرنا۔

ملفوظ ۶۷: انبیاء کرام کا موضوع قلب

قلب کی روحانی طاعت اتنی عظیم ہے کہ اس کی عالم آخرت تک رسائی ہوتی ہے اس لئے مدارس کے اندر علم سکھلایا جاتا ہے اور خانقاہوں کے اندر اخلاق سکھلایا جاتا ہے اور دونوں کا تعلق قلب انسانی سے ہوتا ہے۔قلب براہِ راست دونوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے علم کی طرف اور اخلاق کی طرف۔اسی لئے انبیاء اپنا موضوع قلب انسانی کو قرار دیتے ہیں عقل انسانی کو قرار نہیں دیتے۔

ملفوظ ۶۸: انسان کی فلاح وکامیابی کا انحصار

سورہ عصر میں بیان فرمودہ صرف یہ چار کام ہیں جن میں انسان کی فلاح وکامیابی مضمر ہے۔جس نے ان کو چھوڑا وہ خسارہ میں پڑا۔ دو چیزیں تو وہ بتائی گئی ہیں جو اپنے نفس سے متعلق ہیں یعنی ایمان اور عمل صالح یعنی کسی کا ایمان کسی کے کام نہیں آئے گا اور کسی کا عمل کسی دوسرے کے لئے باعث نجات نہیں بنے گا۔اس کے بعد دوسرا درجہ وصیت کا ہے کہ جو ایمان اور عمل صالح آپ کے پاس ہے اسے دوسروں تک پہنچائیں، حق کی وصیت کریں تو حق میں دونوں چیزیں داخل ہیں یعنی ایمان بھی اور عمل صالح بھی

اوراس راستہ میں جو مصیبت پیش آئے ان کے جھیلنے کے لئے صبر کرنے کی ضرورت پڑے گی تو فرمایا وَتَوَاصَوْ بِالصَّبْرِ.

ملفوظ ۶۹: حکمت، موعظت، مجادلت باعتبار مخاطبین

حکمت، موعظت حسنہ، مجادلہ، قرآن کریم نے یہ تین چیزیں مخاطبین کی تین قسموں کی بناء پر ذکر کی ہیں، دعوت بالحکمۃ اہل علم وفہم کے لئے، دعوت بالموعظۃ عوام کے لئے، مجادلہ ان لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں شکوک وشبہات ہوں یا جو عناداور ہٹ دھرمی کے سبب بات ماننے سے منکر ہوں۔

ملفوظ ۷۰: مجادلہ شرط کے ساتھ مشروط

حکمت وموعظت جن سے کوئی دعوت خالی نہ ہونا چاہئے خواہ مجمع علماء وخواص کا ہو یا عوام الناس کا البتہ دعوت میں کسی وقت ایسے لوگوں سے بھی سابقہ پڑتا ہے جو شکوک واوہام میں مبتلا ہیں اور داعی کے ساتھ بحث ومباحثہ پر آمادہ ہوجاتے ہیں تو ایسی حالت میں مجادلہ کی تعلیم دی گئی مگر اس کے ساتھ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَن کی قید لگا کر بتلا دیا کہ جو مجادلہ اس شرط سے خالی ہو اس کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں۔

ملفوظ ۷۱: دعوت الی اللہ: منصب انبیاء وعلماء امت

دعوت الی اللہ درحقیقت انبیاء کا منصب ہے، امت کے علماء اس منصب کو ان کا نائب ہونے کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں تو ضروری ہے کہ ان کے آداب اور طریقے بھی انہیں سے سیکھیں جو دعوت ان طریقوں پر نہ رہی وہ دعوت کے بجائے عداوت ودشمنی کا موجب اور سبب ہوجاتی ہے۔

ملفوظ ۷۲: دارالعلوم وقف دیوبند اور عناصر اربعہ

عنصر اول: حضرت مجددؒ کی مآل اندیشی

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی فراست ایمانی پر مبنی مآل اندیشی ہے جس پر حضرت موصوف نے اکبر بادشاہ کے مشرکانہ دین الٰہی کے متقابل تحفظ دین توحید پر مشتمل تاریخ ساز خدمات انجام دیں ہیں جو اس عنصر پر شاہد عدل ہیں۔

عنصر دوم، شاہ صاحب کی دینی حکمت آفرینی

مسند ہند حضرت اقدس شاہ ولی اللہؒ کی وہ دینی حکمت آفرینی ہے کہ جس نے ارباب اقتدار کی تائید و ہمنوائی سے علماء سوء کے پیدا کردہ ذوق بدعات کے بالمقابل کتاب وسنت سے مستفاد دین صحیح کی صداقتوں کو عامۃ المسلمین کے لیے مؤثر بنانے میں تاریخی کردار ادا کیا ہے جب کہ اس دور کے علماء مسلمات دین کو بھی عام مسلمانوں کے قلوب میں متزلزل اور نا قابل یقین بنا چکے تھے۔

اس لیے بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی یہ ہی حکمت آفرینی بدرجہ اسباب مسلمانوں کے قلوب میں دین صحیح کی آبیاری و برقراری کے ساتھ علمی ذوق وشوق کا باعث بنی ہے۔

عنصر سوم: حضرت نانوتویؒ کی عالمینی فکر اسلامی

بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا عالمی فکر اسلامی ہے؛ کیوں کہ کتاب وسنت کے علم کی مخاطب پوری کائنات انسانی ہے لہٰذا دین کے مؤیدین کے درمیان طلب صواب میں طبعی اختلاف خطا وصواب اور مکاتب فکر کی تولید کا باعث بنا اور مخالفین حق کے بالمقابل باطل مطالب کی وجود پذیری کا سبب بنا۔ اس نقطۂ فکر کے تحت حضرت الامام النانوتویؒ کی إنما المؤمنون إخوة (تمام مسلمان بھائی ہیں) سے مستفاد ایمانی اخوت پر مبنی نظر وسیع میں ملت اسلامیہ کے درمیان خطا وصواب کا اختلاف نہ ادنی درجہ میں موجب بعد ہے اور نہ ذریعہ تفریق ہے۔ ایسے ہی ''اشهد ان الناس كلهم اخوة'' سے حاصل شدہ انسانی اخوت کے تحت انسانیت ان کی نگاہ میں قطعاً قابل تقسیم نہیں ہے۔

عنصر چہارم

دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اول حضرت بانی دارالعلوم کے رفیق لبیب فقیہ الاسلام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا وصف امتیازی اتباع سنت رسول اللہ ہے جس نے جماعت اہل حق میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ایمانی مآل اندیشی حضرت شاہ ولی اللہؒ کی حکمت آفرینی اور بانی دارالعلوم حضرت الامام النانوتویؒ کے عالمی فکر اسلامی کے ساتھ حضرت گنگوہی کی اتباع سنت رسول اللہ کے امتیازی وصف نے دارالعلوم دیوبند کی معنویت کو درجہ کمال عطا فرمایا۔

ملفوظ ۷۳: تعلیم دین اور دعوت دین

تعلیم دین نظام حیات کی اس علمی ترجمانی کا نام ہے کہ جو عالم شاہد اور عالم غیب سے انسانی زندگی کے ارتباط کے بلا استثاء تمام پہلوؤں پر فکر انسانی کو علماً عملاً مطمئن کرنے والے معقول دلائل کے ساتھ محیط ہو۔

اور دعوت دین اس نظام حیات کی عالم غیب وشاہد سے متعلق تمام عملی صورتوں کی پیشکش سے عبارت ہے۔

ملفوظ ۷۴: انسانیت پر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا احسان عظیم

انسانیت محمد رسول اللہ ﷺ کے احسان کا شکر ادا نہیں کرسکتی کہ آپ نے ہی کثرت اسباب پر بھروسہ کرنے کی بے یقین قوتوں سے نکال کر مسبب الاسباب کی ذات بابرکات پر اعتماد وتوکل کے ذریعہ ترک اسباب کی بے مثال یقینی قوت انسانیت کو عطا فرمائی اور کثرت ارباب کے لایعنی تخیل پر بہت سے خود ساختہ خداؤں کے سامنے جھکنے والے سروں کو تمام صفات کمال کی جامع بے مثل و بے مثال ایک اللہ رب العالمین کی ذات بابرکات کے سامنے جھکنے کی فطری تعلیم دے کر ترک اسباب سے انسانیت کو عزت مند اور سرفراز فرمایا۔

ملفوظ ۷۵: مادیت وسیلہ ہے مقصد نہیں

آج پھر مادیت زدہ تمدن اور تہذیب جدید کے بے بنیاد تخیل نے مادیت کو وسیلہ کے بجائے مقصد کا درجہ دے دیا ہے، جس نے ملی فکر ونظر کو بجا طور پر کسی انقلاب کا ضرورتمند بنا دیا ہے۔

ملفوظ ۷۶: دعوت وتبلیغ میں تاثیر کب؟

حضرت رسول اکرم ﷺ کے اعمال وکردار میں اور دعوت وتبلیغ میں یہ تاثیر کیوں نہ پیدا ہوتی کہ آپ ﷺ حق تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تھے اور ان مقاصد عالیہ کے لیے بھیجے گئے تھے، آپ ﷺ کو امی ہونے کے باوجود مکارم الاخلاق کا پیکر بنایا گیا تھا۔

اس لیے آپ ﷺ کے ہر قول میں تاثیر، عمل میں تاثیر، ہر نگاہ میں تاثیر، ہر حرکت میں ابدی اور سرمدی تاثیر رکھی گئی آپ کو خلق عظیم کا پیکر بنایا گیا، فرمایا گیا ﴿وإنک لعلی خلق عظیم﴾

کہ یقیناً آپ اخلاق کے اعلیٰ معیار پر تخلیق فرمائے گئے ہیں قرآن کریم جو گنجینہ ہدایت ہے علم و اخلاق اور ایمان وعمل کا سرچشمہ ہے اس کتاب حق کی تفسیر وتشریح آپ ﷺ کی مقدس زندگی تھی آپ ﷺ کا پاکیزہ اخلاق وکردار تھا۔

ملفوظ ۷۷: ﴿وَ إِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ (سورۃ القلم: ۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خلق عظیم سے مراد دین اسلام ہے کہ اللہ کے نزدیک اس دین اسلام سے زیادہ کوئی محبوب دین نہیں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کا خلق خود قرآن ہے یعنی قرآن کریم جن اعلیٰ اخلاق واعمال کی تعلیم دیتا ہے آپ ﷺ ان سب کا عملی نمونہ ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ خلق عظیم سے مراد آداب القرآن ہیں یعنی وہ آداب جو قرآن نے سکھلائے ہیں حاصل سب کا تقریباً ایک ہی ہے رسول اللہ ﷺ کے وجود باجود میں حق تعالیٰ نے تمام ہی اخلاق فاضلہ بدرجہ کمال جمع فرمادئے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''بعثت لاتمم مکارم الاخلاق' 'یعنی مجھے اس کام کے لیے بھیجا گیا ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دوں۔

ملفوظ ۷۸: انوار نبوت اور رسول برحق کی برکتیں

چشم فلک نے رسول پاک کی صحبت بابرکت کی تاثیر ہمہ گیر کا منظر دیکھا انوار نبوت نے اپنی جلوہ سامانیوں سے معمورۂ عرب کو توحید وہدایت تہذیب واخلاق ایمان وکردار کا منور ومرکز بنایا۔

کعبۃ اللہ جو ایک مدت سے شرک وجہالت کی گندگیوں سے آلودہ تھا اس کی تطہیر فرمائی معبودان باطل سے پاک کیا اور ایمان ویقین کے نقوش تابندہ وجاوداں فرمائے، نفوس کا تزکیہ فرمایا، قلوب کو معرفت وقناعت سے سرشار کیا۔

یہ اس رسول برحق نبی امی کی برکتیں تھیں جو چار دانگ عالم میں پھیلیں اور کفر وشرک کی ظلمتوں کو مٹانے اور نور توحید کو پھیلانے میں اہم تاریخی کردار ادا کرگئیں۔

ملفوظ ۷۹: آپ کا اخلاق وسیرت قرآن کریم ہے

''کان خلقه القرآن'' آپ کا اخلاق آپ کا کردار آپ کی سیرت قرآن کریم ہے قرآن کریم

کی شان کلام کو دیکھو اس کے الفاظ کی تلاوت کرو تو یہ قرآن ہے کلام الٰہی ہے، اس کلام کی شان عمل ملاحظہ کرو تو وہ ذات محمد رسول اللہ ﷺ ہے، وہ اخلاق محمد رسول اللہ ﷺ ہے، وہ کردار محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔

ملفوظ ۸۰: حضور ﷺ اور اخلاق وسیرت

خلاصہ یہ نکلا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کا اخلاق عالی، سیرت مثالی، ان کا عمل ارفع واعلیٰ ان کا علم نہایت لائق فائق، تمام کائنات کے اسرار ان پر آشکارا، اولین وآخرین کے علوم ومعارف عطا فرمائے گئے کیوں کہ آپ کو کرۂ ارضی پر پھیلے ہوئے تمام انسانوں کی رشد وہدایت کے لیے کام کرنا تھا تمام اقطار و امصار میں نور نبوت پھیلانا تھا۔

ملفوظ ۸۱: حضور اکرم ﷺ اور رحمۃ للعالمین

اس لیے برملا یہ کہا جائے گا کہ نبی کریم ﷺ پوری دنیا کے لیے رحمت بن کر آئے پوری دنیا کو خدا پرستی اور انسانیت دوستی کی تعلیم دینے کے لیے آئے پوری انسانیت کو اخلاق عالیہ کا درس دینے کے لیے آئے۔

بندگان خدا سے محبت کمزور، ناداروں کی دردمندی کا درس دینے اور محبت ومساوات کا پیغام عام کرنے کے لیے آئے آپ سے پہلے جو پیغمبر آئے وہ کسی خاص قوم کے لیے آئے خاص خطۂ زمین کے لیے آئے لیکن رسول اللہ ﷺ پوری دنیا کے لیے پوری کائنات کے لیے اور تمام اقوام عالم کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے۔

ملفوظ ۸۲: ہر کونپل اللہ کے ایک ہونے کی گواہی دیتی ہے

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے ایک کونپل نکلتی ہے اور پتا اس کا اتنا باریک اور نرم ونازک ہوتا ہے کہ ظاہر ہے کہ ایک ہوا کا جھونکا بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ اتنی نحیف اور کمزور ہوتی ہے لیکن کون ہے اس کو یہ قوت اور طاقت دینے والا اتنی کمزور اور معمولی سی پتی کو کہ جو زمین کی منوں مٹی کے بوجھ کو ہٹا کر اس کو باہر نکال دیتا ہے۔ ظاہر ہے اس مٹی کے وزن کو ہٹا کر باہر نکالنا کوئی طاقت دینے والا طاقت دے رہا ہے تب ہی تو وہ باہر نکلی ہے۔

ہر گیاہ کہ از زمین روید
وحدہ لا شریک لہ گوید

ہر کونپل ہر پتی زمین سے اپنا سر باہر نکالتی ہے وہ اللہ کے ایک ہونے کی گواہی دیتی ہے بشرطیکہ آدمی کی نظر ہو آدمی کو سمجھ ہو آدمی میں بصیرت ہو آدمی میں طلب ہو، وہ ایک پتی کو دیکھ کر خدا کو پہچان لیتا ہے۔

ملفوظ ۸۳: عقل مند کون؟

دو باتیں جس کے اندر پائی جاتی ہوں وہ عقل مند ہے وہ دانا ہے وہ اولوالالباب ہے ایک وہ جس کے اندر ذکر موجود ہو اور دوسرے اس کے اندر فکر موجود ہو۔

﴿الـذيـن يذكرون الله قياماً وقعوداً وعلىٰ جنوبهم ويتفكرون في خلق السمٰوٰت والارض ربنا ماخلقت هذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار﴾ (آل عمران : ۱۹۱)

وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں، کہتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ عبث نہیں بنایا تو پاک ہے سب عیبوں سے، سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے۔ عقلمند وہ ہے کہ جن کا دل کسی حال میں اللہ کے ذکر سے غافل نہیں رہتا۔ ذکر کے معنی یہ نہیں متعین کئے گئے کہ ہر وقت تسبیحات ہی پڑھتا رہے، ذکر کے معنی یہ ہیں کہ آدمی کا قلب کسی وقت اس سے غفلت میں نہ آئے کہ مجھے اپنے ہر قال کا، ہر حال کا، ہر فعل کا، ہر کلام کا، کل اللہ کے یہاں جواب دینا ہے۔

ملفوظ ۸۴: اللہ والے اور اولیاء کرام اپنے ایمان میں اضافہ کرتے رہتے ہیں

جنہیں آپ اولیاء اللہ اور بزرگان دین کہتے ہیں ان میں اور ہم جیسے لوگوں میں فرق یہی تو ہوتا ہے، ان کی زندگی کا ہر عمل تدبر اور تفکر پر مبنی ہوتا ہے اور ہر آن وہ اپنے ایمان میں اضافہ کرتے ہیں ۔کسی چیز پر نگاہ پڑی، کسی چیز کو دیکھا، کسی چیز کو چکھا، کسی چیز کو چھوا، ظاہر ہے کہ ہر چیز پر غور کرنے کے بعد چوں کہ ہر چیز میں حکمتیں موجود ہیں اور ہر چیز میں لطائف موجود ہیں، ان کی حکمتوں کے ذریعوں سے اپنے ایمان کے اندر اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں زمین کو، آسمان کو، چاند کو، سورج کو، پہاڑ کو، دریا کو، ہم کچھ خیال ہی نہیں کرتے۔

ملفوظ ۸۵: اللہ کی معرفت اور روح کی طاقت

اس بدن کے اندر وہ روح ہے کہ جس سے بدن کا ادراک ہے، جس سے آپ کے اندر شعور ہے، جس سے آپ اللہ کو پہچان سکتے ہیں، جس سے آپ اللہ تک پہونچ سکتے ہیں، یہ طاقت روح کے اندر رکھی گئی ہے۔ کائنات کے اندر انسان جتنی مادی چیزوں کی ایجادات کرتا ہے، ان سب کا فائدہ انسان کے بدن کو پہنچتا ہے۔ تو جن لوگوں نے اسی کو اپنا مقصد زندگی بنایا اور عجائبات پیدا کئے جب ان کی آنکھیں بند ہوتی ہیں تو ایک چیز بھی ان میں سے ان کے ساتھ نہیں جاتی۔ تو اگر انہوں نے صرف اپنی عقل سے صرف ہر کام کئے اور آگے چل کر کام آنے والی چیزوں کو نظر انداز کیا تو ظاہر ہے ان کو عقلمند نہیں کہا جائے گا۔ انہوں نے ایک جزو کو باقی رکھا اور دوسرے جزو کو مفقود کر دیا۔

ملفوظ ۸۶: عقل منداور غلامان محمد کی شان

غلامان محمد رسول اللہ ﷺ پر نگاہیں ڈالیں آپ کو اندازہ ہوگا کہ دانا وہ تھے، عقل مند وہ تھے، جن کی شان یہ فرمائی کہ وہ صحابہ تھے، جن کی تربیت فرمائی رسول اللہ ﷺ نے اور پھر ان کی یہ نشانی بیان فرمائی: **ھم باللیل رھبان. وبالنھار فرسان** ان کی شان یہ تھی کہ ان کو دنوں کے اندر دیکھئے کہ وہ گھوڑے کی پشت پر سوار اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے پیغام کو گھر گھر دنیا میں پہونچا رہے ہیں، یہ کام کرتے ہیں دن میں گھوڑے کی پشت پر سوار ہوکر، رات میں مصلی کی پشت پر بیٹھ کر اپنے ایمانوں میں اضافہ کرتے ہیں، تو اس کے معنی یہ کہ راتوں میں وہ ذکر کو زندہ کرتے ہیں اور دنوں میں وہ اپنے فکر کو زندہ کرتے ہیں۔

ملفوظ ۸۷: قلوب صحابہ کرامؓ اور تقویٰ

درحقیقت جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا ہے، یعنی ان کے قلوب میں تقویٰ کے خلاف کوئی چیز آتی ہی نہیں، مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس خاص معاملہ میں یہ حضرات کمال تقویٰ کے ساتھ متصف ہیں۔

ملفوظ ۸۸: دین در حقیقت ماننے کا نام ہے

دین نام ہے درحقیقت کہنا ماننے کا، آدمی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر جھکائے اور کہنا مانے۔ اگر کہیں نماز پڑھو پانچ وقت کے اندر تو پانچ وقت میں نماز پڑھنا فرض ہے، وہاں یہ اطاعت ہے۔ اور اگر تین وقت کے اندر کہیں کہ خبردار اگر نماز پڑھی، طلوع آفتاب کے بعد، غروب آفتاب کے وقت، زوال کے وقت۔ ان تین وقتوں میں آپ کو نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا، اس میں نماز پڑھے گا تو نافرمان اور پانچ وقت کی نماز نہ پڑھے گا تو نافرمان۔ معلوم ہوا کہ کہنا مان لینا عبادت ہے ، روزہ ہے فرمایا کہ رمضان آئے تو روزہ رکھو، تمہارے ذمہ فرض ہے۔

﴿**یا ایها الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون**﴾(سورة البقرة: ۱۸۳)

اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے کہ فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔ روزہ فرض قرار دے دیا گیا لیکن فرمایا کہ اگر عید کا دن آئے یا ایام تشریق آئیں تو خبردار اگر اس کے اندر روزہ رکھا۔ یہاں رمضان میں اگر روزہ نہیں رکھے گا تو گنہ گار، اور اگر وہاں عیدین وغیرہ میں روزہ رکھے گا تو گنہ گار، معلوم ہوا کہ کہنا ماننا عبادت ہے۔

ملفوظ ۸۹: نبوت کا پہلا درس

نبوت یہ نہیں کہتی کہ ضروریات کو پورا نہ کیا جائے بلکہ نبوت بھی ضروریات کو پورا کرنے کی تعلیم دیتی ہے؛ بلکہ وہ تو اسے فرض قرار دیتی ہے؛ لیکن فرق یہ ہو جاتا ہے کہ پہلے انہیں ضروریات کو پورا کیا جاتا تھا طبیعت کو خوش کرنے کے لیے، عقل کو راضی کرنے کے لیے؛ لیکن نبوت کا پہلا درس یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ کرو اللہ کو راضی کرنے کے لیے کرو۔

”**من اعطى لله ومنع لله و أحب لله وأبغض لله فقد استكمل الايمان**“(رواہ ابوداؤد)

جس نے کسی کو کچھ دیا تو اللہ کے لیے اور دینے سے ہاتھ روک لیا وہ بھی اللہ کے لیے، کسی سے محبت کی تو اللہ کے لیے، کسی سے دشمنی کی تو اللہ کے لیے اور نکاح کیا تو اللہ ہی کے لیے، تو اس نے اپنا ایمان کامل کرلیا۔

ملفوظ۹۰: ایمانی زندگی کا تقاضہ

ایمانی زندگی کا مطالبہ اور تقاضہ یہ ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے سچے اور آخری رسول حضور اکرم ﷺ نے جس طرح زندگی گزارنے کا طریقہ بتایا ہے اس کو پورے طور پر اپنایا جائے اور جو کام بھی کیا جائے اس میں اللہ کی رضا پیش نظر ہو، پہلے آدمی صرف پیٹ بھرنے کے لیے کھاتا تھا؛ لیکن جب ایمانی زندگی آئے گی تو یہ بھی سوچے گا کہ کیا کھاؤں اور کس طرح کھاؤں کہ صرف پیٹ ہی نہ بھرے بلکہ میرا خدا بھی مجھ سے راضی رہے، ایسے ہی آدمی جب کپڑا پہنے گا تو یہ سوچے گا کہ کپڑا ایسا ہو جو خدا کی منشاء اور اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔

ملفوظ۹۱: اوّلین مسلمانہ فریضہ

اس عنوان کو اختیار کرنے کی صورت میں سب سے پہلے ہمارا مسلمانہ فریضہ ہے کہ ہم اسلام کو اصل قرار دے کر مسائل وقت کے حل کی تلاش کے بارے میں وہی راہ اختیار کریں کہ جو کائنات انسانی کے لیے رحمت کبریٰ کی صورت میں اللہ کا آخری پیغام لانے والی ذات مقدسہ نے بتلائی یا اختیار فرمائی جس کو آج نا قابل التفات اور غیر مؤثر سمجھ لیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الآخِرَ، وَ مَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ (سورة الممتحنة: ٦)

البتہ تم کو بھلی چال چلنی چاہیے ان کی جو کوئی امید رکھتا ہے اللہ کی اور پچھلے دن کی اور جو کوئی منھ پھیرے تو اللہ وہی ہے بے پرواہ سب تعریفوں والا۔

ملفوظ۹۲: مشکلات کے حل کے لیے اہم اصول

اسلامی بنیاد پر مشکلات کے حل کے لیے طریق نبوی کے تحت کامیابی و ناکامی کو اللہ کی مشیت و مرضی پر کر کے یقین کے ساتھ چھوڑ دیا جائے اور دینی نقطہ نظر سے بصورت کامیابی فریضہ شکر ادا کیا جائے اور بصورت ناکامی پیش آنے والے غم کو تعلیمات نبوی کی روشنی میں کفارہ سیأت کا یقینی ذریعہ باور کیا جائے۔

ملفوظ۹۳: فطری رہنمائی

مزید رہنمائی یہ بھی فرمائی گئی کہ جدوجہد میں ناکامی پر یہ کلمہ ہرگز زبان پر نہیں آنا چاہیے کہ ہم

اگر ایسا کر لیتے تو ایسا ہو جاتا؛ کیوں کہ یہ احتمالی کلمہ (اگر) مشیت ربانی پر سے بالیقین اعتماد اٹھا دیتا ہے دشمن ایمان شیطان کے لیے راستہ کھول کر مؤمن بالیقین کو دائمی قلبی اور بے اطمینانی سے دو چار کر دیتا ہے۔

ملفوظ ۹۴: رجوع الی اللہ کی رہنمائی

ملت اسلام کو اس بات کی تدابیر کے ساتھ اعتراف عجز و بندگی کے ساتھ بہ خلوص قلب، مسبب الاسباب اس اللہ رب العزت کی جانب رجوع کی رہنمائی پوری قوت اور پورے اہتمام کے ساتھ کی جائے تاکہ دنیوی اسباب کامیابی و ناکامی کے دونوں احتمالوں کے باوجود ملت اسلام ایمانی کامیابی کے یقین سے کسی بھی وقت محروم نہ ہو۔

ملفوظ ۹۵: ایک عظیم ذریعہ کامیابی

خواص ملت وعوام ملت کو اسوہ نبوی ﷺ کے مطابق باصرار یہ رہنمائی دیں کہ ہر نماز کے بعد قلبی یقین کے ساتھ عظیم ذریعہ کامیابی مخلصانہ دعاؤں سے ہرگز غفلت نہ برتیں جس کا قدرتی تجربہ نتیجہ عقائد، اعمال اور اخلاق میں پرتاثیری کو یقینی بنا دیتا ہے۔

ملفوظ ۹۶: ایک اہم رہنمائی

یہ رہنمائی نبوت بھی پیش نظر رکھنے کی ہدایت دینا ضروری سمجھا جانا چاہیے کہ ہمیں مقصد اور مراد میں کامیاب بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے اسی کے ساتھ اس اعتقادی حقیقت کو بھی پورے اہتمام سے پیش نظر رکھنا ضروری ہے اگر تمام دنیا کے انسان تمہیں نفع یا نقصان پہچانے پر اتفاق بھی کر لیں تب بھی وہ اس سے زیادہ نفع یا نقصان نہیں پہنچائیں گے جتنا کہ علم الٰہی میں تمہارے لیے مقدر ہو چکا ہے۔

ملفوظ ۹۷: تربیت ملت اور اعمال کا جائزہ

ایک اور رہنما اصول اسلامی یہ ہے کہ جس پر تربیت ملت کا مدار ہونا چاہیے کہ دنیا کی زندگی کے بارے میں پانچ سوالات کے صحیح جوابات پر آخرت کی کامیابی کا دارومدار ہے اس لیے ان سوالات کے صحیح جوابات کے لیے وقتاً فوقتاً اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہنے کو عادت میں شامل کرنا لازم ہے۔

ملفوظ ۹۸: آخرت کے پانچ اہم سوالات

دنیا میں عمر کن کاموں میں گذاری، جوانی کی قوتیں کہاں خرچ کیں، مال کہاں سے کمایا، مال کہاں خرچ کیا، اپنے دین کہ جس کی دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور ارکان پر عمل جو کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے ملا (حاصل ہوا) کیا ہے اور اس پر عمل کہاں تک کیا ہے؟

ملفوظ ۹۹: حقیقی عالم وولی کون؟

عالم صحیح معنی میں وہ کہلائے گا جس کے اوپر علم کا غلبہ ہو اور اس کا قلب عشق سے خالی نہ ہو تب تو وہ عالم کہلائے گا اگر عشق سے خالی قلب ہے فقط زبانی علم ہے تو ظاہر ہے کہ وہ قطعاً عالم نہیں ہے اور اسی طریقہ سے جو مدعی ولایت ہو اور ولی ہو بلکہ تاریخی ولی وہ ہوگا جس کے اوپر رنگ معرفت اور رنگ ولایت کا غلبہ ہو، لیکن اگر اس کا دماغ علم نبوی سے خالی ہو تو ظاہر ہے اس کے اندر ولایت کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

ملفوظ ۱۰۰: بدعت مذموم کیوں؟

بدعت اس لیے مذموم ومردود ہے کہ اس سے التزام مالا یلزم لازم آتا ہے، شریعت پر زیادتی لازم آتی ہے اپنی طرف سے، گویا انسان یہ تصور کر رہا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ نعوذ باللہ دین ابھی مکمل نہیں ہے اس کی تکمیل میں کر رہا ہوں۔

حالاں کہ چودہ سو سال پہلے ہی جناب محمد رسول اللہ نے مکمل دین مکمل شریعت کو پیش کر دیا ہے یہ ہمارے لیے قیامت تک کے لیے کافی ہے جس کا اعلان حق تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں فرمایا ہے:

﴿اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا﴾ (سورۃ المائدۃ: ۳)

آج میں پورا کر چکا ہوں تمہارے لیے تمہارا دین اور پورا کیا میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔

حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ کے یہ چند علمی اور دعوتی واصلاحی ملفوظات شامل کتاب کر دیئے گئے ہیں، مزید ملفوظات کے لئے رجوع کریں ندائے دارالعلوم سلسلے وار شمارے اور مجالس حضرت خطیب الاسلام۔ کیونکہ مولانا مبین صاحب ٹانڈ نڈہ نے بھی حضرت کے ملفوظات لکھنے کا اور انتخاب کرنے کا آغاز مجالس خطیب الاسلام نامی کتاب ہی سے کیا ہے۔

حضرت خطیب الاسلام اور خوابوں کی تعبیر کا علم

حضرت خطیب الاسلام کو اللہ نے ان علوم وفنون سے نوازا تھا جو ایک معبر کے لئے ضروری ہیں، حضرت خوابوں کی بڑی عمدہ تعبیر دیا کرتے تھے، حضرت کے برادر خرد متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی بھی فن تعبیر الرویاء میں مہارت رکھتے تھے، بڑی عمدہ تعبیر دیتے تھے، اسی طرح حضرت کے والد محترم حضرت حکیم الاسلام تعبیر رؤیاء میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور ہمارے خاندان میں یہ مشہور تھا کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب بڑے سچے خواب دیکھتے اور بڑی عمدہ تعبیر دیتے تھے، یہی حال حضرت خطیب الاسلام کے دادا، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا تھا وہ خواب کی تعبیر بڑی عمدہ دیتے، اور سرخیل جماعت حضرت حجۃ الاسلام کے بارے میں تو مشہور ہی ہے کہ وہ ماہر تعبیر رؤیا تھے۔ خوابوں کی تعبیر کے تعلق سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ بیان کردوں، واقعہ یہ ہے کہ

''ایک آدمی نے خواب دیکھا اور خواب آکر بیان کیا کہ فجر کا وقت ہے میں مسجد کی طرف گیا، جب میں مسجد کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ مسجد کے باہر کے دروازہ پر ایک بھینسا ہے، جو جوان ہے، نہایت مضبوط وہ ایک دم میرے اوپر حملہ آور ہوا، میں بھی جوان تھا، طاقتور تھا، میں نے سینگھ پکڑ لئے اب وہ طاقت لگا کر مجھے پیچھے ڈھکیلتا ہے۔ کبھی میں اس کو ڈھکیلتا ہوں، کبھی وہ مجھ کو ڈھکیلتا ہے، مجھ سے اس طریقہ سے مقابلہ ہورہا ہے، نہ میں نے چھوڑا نہ اس نے مجھے چھورا، کئی بار ایسا ہی ہوا ہم آگے پیچھے ہوئے اس نے زور لگا کر سینگ چھڑا لیا۔ سینگ چھڑانے کے بعد جب اس نے حملہ کیا تو اس کا سینگ میری بائیں ران میں لگا، اس کی ذرا سی نوک چبھی تو ایک خون کا قطرہ نکلا۔

حضرت نے برجستہ خواب کی تعبیر دی کہ تمہارے چچازاد بہن بھائیوں میں کوئی کم عمر بچی ہے اس کا انتقال ہوگیا یا ہونے والا ہے۔ یہ وہیں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بچہ آیا اور اس نے آکر اطلاع دی کہ آپ کے فلاں رشتہ داران کی بچی جو کہ تین سال کی تھی اس کا انتقال ہوگیا۔ یہ

اٹھے اور چلے گئے، اس کی تجہیز وتکفین کی اس سے فارغ ہوکر پھر آئے اور کہا کہ تعبیر کس طرح آپ نے نکالی، کہ ہاتھوں ہاتھ پوری ہوگئی۔

حضرت نانوتوی نے اس کی وضاحت فرمائی کہ تم نے خواب میں دیکھا کہ ایک بھینسا ہے اس قسم کی شکل نفس موت کی ذکر کی گئی ہے احادیث میں، ملک الموت کی نہیں بلکہ نفس ایک ایسے جانور کی شکل ذکر کی گئی ہے تو اس سے میں سمجھا کہ یہ موت ہے، لیکن تم مقابلہ کررہے ہو اور تم نے اس کے سینگ پکڑ لئے تم تو محفوظ ہوگئے، اس نے سینگ چھڑالیا اور سینگ مارا تو بائیں ران میں لگا تو بائیں جانب سے مراد عورت ہے اور خون کا قطرہ ٹپکا، اس سے مراد چھوٹی بچی ہے، یعنی وہ بچی مرگئی ہوگی تو میں نے اس کی تعبیر نکالی۔''[۱]

بہر حال حضرت حجۃ الاسلام کو اس فن میں بڑی مہارت تھی اور فن نسلا بعد نسل خاندانی طور پر حضرت خطیب الاسلام میں بطور علمی وراثت منتقل ہورہا تھا۔

تعبیر رؤیا مستقل ایک فن ہے

مجالس خطیب الاسلام میں حضرت فرماتے ہیں:

''تعبیر رؤیاء مستقل ایک فن ہے' اور اس میں بعض حضرات لکھتے ہیں کہ بیس بائیس فنون جب تک نظر میں نہ ہوں اس وقت تک تعبیر نہیں دی جاسکتی اور اس کے ساتھ ساتھ حسن نیت بھی ضروری ہے، کہ امت کے اندر ایسے لوگ بھی رہے ہیں جیسا کہ حضرت امام محمد بن سیرین جن کے بارے میں مشہور ہے اور ''تعبیر الرؤیاء'' کے نام سے ان کی ایک کتاب بھی ہے۔ تعبیر خواب میں علم اور موسم اور اعداد وشمار کو بھی بڑا دخل ہے۔''[۲]

خواب اور اس کی قسمیں

حضرت خطیب الاسلام فرماتے ہیں کہ:

''اصل میں خواب کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ رویاء صادقہ یہ انبیاء علیہم السلام کو نبوت سے پہلے کچھ حقائق دکھائے جاتے تھے اور بعد میں

---

[۱] سوانح قاسمی، مجالس خطیب الاسلام صفحہ ۱۹۱ تا ۱۹۲۔

[۲] مجالس خطیب الاسلام صفحہ ۱۹۲

بالکل اسی طرح ظاہر ہوتا تھا اس کو رؤیاء صادقہ کہا جاتا ہے۔
۲۔ رؤیاء صالحہ نیک خواب نیک چیز کو کوئی بھی دیکھ سکتا ہے، یہ منقطع نہیں ہوئے ہیں، بلکہ یہ متبعین سنن کو بھی نظر آسکتے ہیں
۳۔ اب آگے جتنا ہے وہ کثرت غم کی بناء پر بھی آدمی دیکھتا ہے کبھی کثرت خوشی کی بنیاد پر بھی دیکھتا ہے یہ ناقابل تعبیر ہیں نہ ان کا کوئی مقصود ہوتا ہے اور نہ کوئی مطلب۔"[1]

حضرت خطیب الاسلام کا ایک خواب اور حکیم الاسلام کی تعبیر

حضرت خطیب الاسلام فرماتے ہیں:
"میں ابتدائی زمانہ میں جب پڑھتا تھا خواب دیکھا کہ میں ریل سے کہیں جانے والا ہوں، میں داخل ہوا ریل میں وہاں ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے، بہت مکلّف لباس (کلف والا لباس) صاف ستھرا بڑے مزین قسم کے آدمی ہیں، ایک سیب پلیٹ میں ان کے سامنے رکھا ہوا ہے اور چاقو رکھا ہوا ہے انہوں نے سیب کاٹا، میں نے ان کو سلام کیا، میں نے ان سے بڑھ کر ملاقات کی۔ پھر میں نے کہا کہ حضرت آپ سے مل کر خوشی ہو رہی ہے۔
اس کے بعد میں نے کہا کہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں، انہوں نے چاقو بیگ میں رکھ دیا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگے پہچانا نہیں؟ میں بیہقی ہوں "محدث ہیں جلیل القدر" میں نے عرض کیا، حضرت مجھے اس کا موقع دیجئے کہ میں آپ سے معانقہ کرلوں، ہنسے اور کھڑے ہوئے، میں نے معالقہ کیا اور غالبا میں نے پہل کی، چنانچہ وہ بیٹھے اور ان کے چہرے پر بہت بشاشت تھی، پھر سیب مجھ کو دیا اس کو میں نے کھایا۔
میں نے اس خواب کا تذکرہ حضرت والد ماجد سے کیا۔ تو والد صاحب نے فرمایا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ حدیث پڑھانے کی من جانب اللہ توفیق ہوگی انشاء اللہ۔ اللہ کی مدد شامل حال ہوگی اور اس میں محدثین کی توجہات بھی شامل ہوں گی، برکت بھی رہے گی، ابتدائی دور میں اس کا خیال بھی نہیں تھا کہ حدیث پڑھانے کی نوبت آئے گی، اللہ کی مدد شامل حال ہوئی اور میرے پاس بخاری شریف آئی۔"[2]

---

[1] مجالس خطیب الاسلام صفحہ ۱۵۹ تا ۱۶۰۔
[2] مجالس خطیب الاسلام صفحہ ۱۹۳ تا ۱۹۴

بہر حال ''تعبیر رؤیاء'' کا فن حضرت کو خاندانی طور ورثہ میں ملا تھا۔ آپ حضرت حجۃ الاسلام کی طرح خواب کے ایک ایک جز کی الگ الگ تشریح فرماتے اور تعبیر دیتے تا کہ کسی طرح کی تشنگی باقی نہ رہے۔

والدہ محترمہ کے ایک خواب کی تعبیر

میری والدہ محترمہ نے کافی سال قبل ایک خواب دیکھا، کہ:

''جیسے ایک بہت بڑا میدان ہے اور وہاں ایک ٹیلہ نما ایک پہاڑی ہے جس کے ایک طرف میدان ہے اور دوسری طرف تا حد نظر دریا ہے، اس ٹیلہ پر میری والدہ محترمہ، والد محترم اور میرے نانے ابا ہیں، اور ایک گھوڑا ہے یہ سب حضرات ٹیلہ نما پہاڑ پر ہیں اور ایک عجیب سی گھبراہٹ ہے اور گھبراہٹ شور وشغب کی ہے کہ جیسے اس میدان سے بلوائی آرہے ہیں اور وہ حملہ آور ہوں گے، والدہ اور والد صاحب نے اس گھوڑے کو رام کرنے کی کوشش کی، مگر وہ گھوڑا ہٹ دھرمی کرنے لگا اور بڑی کوشش کی مگر وہ وہاں سے ہلنے کا نام نہیں لے رہا، ادھر گھبراہٹ بڑھتی جارہی ہے کہ بلوائی پیچھے سے حملہ نہ کر دیں، اسی کشمکش کے عالم میں ہیں کہ اتنے میں اس دریا سے ایک روشنی نمودار ہوئی، جو تیزی سے ہماری طرف آرہی ہے، قریب آتے آتے وہ روشنی ایک حسین ترین نورانی چہرے والے شخص کی شکل میں مبدل ومجسم ہوگئی۔ وہ اس قدر حسین وجمیل انسان کہ ان کے حسن کو میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتی، وہ حسین نورانی چہرہ والے شخص اس ٹیلے پر تشریف لے آئے اور کوئی کہہ رہا ہے کہ یہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ نے اس سرکش گھوڑے کی پیٹھ پر اپنا دست مبارک پھیرا بس وہ تو سیدھا ہوگیا اور والدین کو اپنی کمر پر بٹھایا اور ایک جست لگائی کہ دریا سے پار تھے۔ اس کے بعد میری والدہ کی آنکھ کھل گئی۔''

اس خواب کی تعبیر والدہ نے حضرت خطیب الاسلام سے لی، حضرت نے خواب کو سنا اور تعبیر دیتے ہوئے میری نانی اماں سے فرمایا

''خواب بہت مبارک ہے، ماشاءاللہ دل کا راستہ بالکل صاف ہے، ہاں البتہ گھوڑا چونکہ جہاد کی علامت ہے، اس لئے اس بچی کی زندگی بڑی مجاہدانہ گزرے گی مگر انجام کار ہر اعتبار سے خیر ہوگا۔''

یہ حضرت نے تعبیر دی اور میں نے محسوس کیا کہ اس خواب کی تعبیر لفظ بلفظ میری والدہ کی زندگی پر صادق آئی، انتہائی مجاہدانہ زندگی گزاری اور مستقل ابھی بھی مجاہدے میں ہیں، اور کچھ نہیں تو حاسدین ہی پریشان کرتے ہیں، مگر ہر جگہ اللہ اپنی مدد کر دیتا ہے اور ظالموں اور حاسدوں سے آخر کار حفاظت فرما لیتا ہے۔

اسی طرح اس عاجز نے بھی بہت سے خواب دیکھے جن کی تعبیر تحریری طور پر حضرت نے مجھے دی، ان ہی میں سے ایک خواب اور اس کی تعبیر کو بطور نمونہ نقل کر رہا ہوں۔ اس خواب کو میں نے ایک پرچہ پر لکھا جس کا مضمون درج ذیل ہے۔

''بخدمت اقدس حضرت سید العلماء حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم

محترم ماموں جان دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے ۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ بروز چہار شنبہ شب میں خواب میں دیکھا کہ آپ تشریف فرما ہیں آپ کی پیرانہ سالی ہے نہایت وقار اور عمر بھی موجودہ عمر سے زیادہ ہے (اللہ آپ کے سایہ عاطفت کو ہم سب کے سروں پر صحت و عافیت کے ساتھ قائم و دائم رکھے آمین) اور خواب میں یہ محسوس ہو رہا ہے کہ آپ کا چہرہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے چہرہ سے مشابہت رکھتا ہے، مزید برآں آپ کا چہرہ اس قدر منور ہے کہ گویا کہ نور کی شعاعیں پھوٹ پڑیں۔ اس کے بعد میں آپ کی خدمت میں ہوں اور کوئی نہیں، مسجد کون سی ہے یہ معلوم نہیں، آپ نے مجھ کو حدیث شریف کا درس دینا شروع کیا اور ایک گھنٹہ سے زائد حدیث کا درس دیا، جب فارغ ہوئے تو مزید چند اور طلباء بھی ہیں، چہرہ اس قدر منور ہے کہ چہرہ پر سے نظر اٹھانے کو طبیعت نہیں چاہ رہی ہے، کافی دیر تک چہرہ پر نظریں جمائے رکھیں۔ درس حدیث کے بعد میں نے آپ سے عرض کیا کہ ماموں جان اگر آپ مجھ کو بیعت فرما لیں تو مجھ کو حقیقت میں نسبت قاسمی حاصل ہو جائے گی، آپ نے میرے ہاتھوں کو اپنے دست مبارک میں لیا اور بیعت کے کلمات تلقین فرمائے، جو کلمات مجھ کو یاد نہیں رہے، اس کے بعد میں نے اوراد اور اپنے معمولات کے بارے میں معلوم کیا، اس پر آپ نے غالباً تیسرا کلمہ اور کچھ مزید وظائف کے پڑھنے کے بارے میں فرمایا، جو آپ نے فرمایا مجھ کو یاد نہیں، اس کے بعد آپ نے مجھے ایک دوات نما ڈبیہ

دی جس کا رنگ سبز ہے جس میں جواہرات جڑے ہیں، جو نہایت حسین وجمیل ہے اور ایک قلم مرحمت فرمایا جس کو میں نے سامنے جیب میں لگا لیا، اس کے بعد آپ نے کئی مرتبہ تاکیداً فرمایا: اس کی (یعنی دوات نما ڈبیہ کی) بڑی حفاظت کرنا، میری طبیعت میں خواب ہی میں کافی دیر تک نہایت سرور اور انشراح رہا، اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔''

محمد اسامہ صدیقی نانوتوی

۱۵ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

اس خواب کی تعبیر حضرت خطیب الاسلام نے تحریراً مرحمت فرمائی، تعبیر درج ذیل ہے:

نحمده و نصلی

''عزیزم محمد اسامہ سلمہ اللہ

سلام مسنون دعائے فراواں مقرون

تمہارے خواب کو میں تمہارے ساتھ اپنے لئے منجملہ سعادت سمجھتا ہوں اور میرے لئے اس سعادت کے حصول وقبول کا ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بنادیا۔ میری عمر میں زیادتی کا دیکھنا، اس طرف ایما ہے کہ علائق دنیا سے انسان بذریعہ ذکر وطاعت، بے نیاز ہو جائے، یہ عرفانی ترقی کے ذریعہ ہوتی ہے، اور دوسرے یہ کہ زیادتی عمر کے سبب انسان میں لذات کی خواہش وطلب طبعی طور پر گھٹ جاتی ہے، پہلی صورت تو ارباب معرفت کی ہوتی ہے اور دوسری مجھ جیسے بے عمل انسانوں کی بھی ہو جاتی ہے، جو کسی کمال کی طرف مشیر نہیں ہے، لیکن اللہ رب العزت اسے اپنے فضل سے کسی کے لئے وسیلہ معرفت بنادے، تو اس کے لئے یہ کرم فرمائی کوئی دشوار بھی نہیں ہے، میں نے حضرت علامہ انور شاہ کو اتنی کم عمری میں دیکھا ہے کہ مجھے ان کی شکل و صورت محفوظ نہیں ہے، مگر صالحین سے یہ غیر اختیاری مشابہت بھی منجملہ سعادت ہے، احقر کے چہرے کو پُر نور دیکھنا یہ تمہارے پُر محبت حسن اخلاص کا نور ہے، ورنہ اپنے اعمال وافعال کے اعتبار سے اس لائق نہیں ہوں، اور اس میں اگر معنوی خوبی مستور ہے تو تمہارے بااخلاص تعلق کا نور ہے، مسجد میں موجودگی اور ملاقات سے یہ ایماء مترشح ہوتا ہے کہ احقر کی بے عملی کے باوجود 'دین' دینی اعمال اور دینی مراکز سے انشاء اللہ میرا اور تمہارا قلبی علاقہ تعلق ہمیشہ برقرار رہے گا۔ اور درس حدیث یہ توفیق ذکر اللہ ہے، چہرہ کو منور دیکھنا اور اس پر سے نظر ہٹانے کو دل

نہ چاہنا، یہ تمہارا بفضل اللہ مستقبل میں نور معرفت سے موانست اور امکان حصول پر شاھد ہے، جس پر معیت کی خواہش مزید قوت کی دلیل ہے انشاء اللہ العزیز۔ اور جواہرات سے مرصع دوات نما ڈبیہ، تم سے بتوفیق اللہ کسی بڑی دینی ایسی خدمت لینے پر مشیر ہے کہ جس سے مسلمان تا دیر مستفید ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالی ان تمام امکانات کو تمہارے لئے اور تمہاری بدولت راقم الحروف کے لئے امر واقعہ بنا دے، آمین یا رب العالمین۔''

محمد سالم قاسمی

از دیوبند ۲۳-۳-۱۸ھ ۱۲-۱۱-۲ء

اس تعبیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کو فن تعبیر رؤیا پر بڑی مہارت تھی، حضرت نے خواب کے اجزاء کئے پھر ہر جز کی الگ تعبیر دی، عموماً حضرت خواب کے اجزاء کر کے الگ الگ ہر جز کی تعبیر دیتے پھر پورے خواب کا خلاصہ فرما دیتے۔

حضرت نے اور بھی کئی خوابوں کی تعبیر دی ہے، جو اس عاجز کے پاس محفوظ ہیں۔

بہر حال حضرت کو اس فن سے طبعی مناسبت رہی ہے اور جب کوئی اپنا خواب لکھ کر حضرت سے دریافت کرتا تو حضرت بڑے اہتمام سے اس کی تعبیر تحریراً ہی فرما دیتے، زبانی طور پر بھی بیان فرما دیتے مگر عموماً تحریراً ہی جواب مرحمت فرماتے۔

حضرت خطیب الاسلام کا عکس تحریر

ب

عزیز مکرم محمد سالم سلمہ اللہ

سلام مسنون دعائے عزت و سرفرازی

حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں صاحب کو بیرانہ سالی میں باعزم رہتے دیکھنا
ہر معنوی طور پر ان کی رفعت و عروج کی علامات کا تسلسل ہے، اور ان کا عزم رہنے اور ترقی
و استفادہ کا طالبانہ طلب ہے ہم سبھی شکر آپکی سعادت اور آپ پر خدا کا انعام ہے جسم کا
کمزور ہونا اور کمر کا جھکنا عمر کا تقاضا ہے مراحل سفری میں نشیب و فراز اور رفعت و نزول کے
مرحلے ہوتے ہیں ان کو مشکل کا اشارہ سمجھا جاتا ہے۔ (اس مسافر) کو دنیا جہاں کی ہر راہ ہموار کرتے
آپ رحمت سے رہیں نفس کے شافی ہیں، اس کی قضا کو معلوم ہے ماہ اکثر لوگوں کے لئے دشوار
گزار ہوتا ہے۔ آپ کی محبت جو تعمیر کا سلسلہ آپ نے پایا ہے اس سے امید ہے کہ برکت و رشد
جو توفیق الٰہی آپ کے ساتھ آسانیاں سامنے آئینگی۔

دیگر ضروریات کا بیان بھی ضروری ہے۔ جس میں ادا نہ کرنے کی وجہ سے متعلقہ کا رنج
محسوس ہوتا ہے، ان ضرورتوں کے لئے اخراجات سفر وغیرہ کیا کیا تشویش ہیں لیکن ضرورت
ضرور ہے۔ آپ کو معلوم ہے سب کے لئے فکر کرنا علماء کی حیثیت سے ہو سکتی ہے لیکن
مصروف شخص کے لئے جس کا وقت محدود ہو، اور جو آپس میں آمد و رفت بھی کم رکھتے
کی اور ضرورت ہی سے ملاقات کرتے ہیں، ایک بڑا مجاہدہ ہے جس میں آپ نے بصد خلوص
اس راہ میں سعادت حاصل کر لی صحیح معنی میں آپ مستحق ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمت و عزیمت میں قوت و برکت عطا فرمائے، اور مقام مراد
تک پہنچنے میں اپنی مدد شامل رکھے، اور شیطانی وساوس سے محفوظ
فرماتا رہے۔ آمین یا رب العالمین

[signature]

احقر محمد اسماعیل دیوبند
۵ شعبان ۱۴۲۳ھ / ۱۳ / ۸ / ۲۰۰۲ء یوم جمعہ

حجۃ الاسلام اکیڈمی
دارالعلوم وقف دیوبند

اسلام نے اپنی تاریخ میں ہر آن اور ہر لمحہ یہ ثبوت پیش کیا ہے کہ اس کا چمن ہر موسم میں نئے نئے پھول کھلاسکتا ہے۔ عقل وادراک کے کارواں نے سے نقل ووحی کی روشنی میں سفر شروع کیا ہے، اس کے سامنے علم وحکمت، فکر وبصیرت اور فضل وکمال کی ایک وسیع الآفاق کائنات بے نقاب ہوتی چلی گئی۔ عقل ونقل کے اس حیرت زدہ ارتباط، اور روایت ودرایت کے اس محیر العقول اتفاق نے ابتدائے اسلام میں رجالِ دین کا ایک کہکشانی افق دریافت کیا، جس کو کرۂ ارضی پر ''اصحابِ رسول'' (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے جانا گیا، اور اس پاکیزہ گروہِ انسانی کے پایۂ استناد کو الم نشرح کرنے کے لیے ربِّ کائنات نے ''رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ'' کی شہادتِ افتخار اور سندِ اعزاز سے سرفراز فرمایا۔

اسلام کے اس عہدِ زریں کے بعد پھر ہر دور میں سیدنا الامام الاعظم ابوحنیفہؒ، سیدنا الامام مالک بن انسؒ، سیدنا الاما الشافعیؒ اور امام غزالیؒ اجیسی شخصیات وجود میں آئیں۔ تیرہویں صدی کے موسم اور دینی احوال کے مناسب حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتوی علیہ الرحمہ کو وجود بخشا۔ حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ اس بزم میں گو آخر میں آئے؛ لیکن پیچھے نہیں بیٹھے۔ انہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور حیرت انگیز علم وحکمت کی بلندیوں سے ہر دور کے اساطینِ علم اور رجالِ معرفت کی تصویر پیش کی۔

دارالعلوم دیوبند کی تاسیس کے انقلابی کارنامے اور برِّصغیر میں دین کی وقیع اور رفیع خدمات کے حوالے سے وہ کون شخص ہے، جو ان کے بارِ احسان سے زیر بار، اور ان کے دینی وتعلیمی کارناموں کا منت کش نہیں ہے۔ ضرورت تھی کہ حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ کے علوم ومعارف اور افکار کو سہل زبان میں پیش کیا جائے، ان کی شخصیت اور انقلابی کارناموں سے دنیا کو متعارف کرایا جائے۔ یہ ایک ایسا اہم اور گراں قدر کام تھا کہ جس کی انجام دہی حلقۂ دارالعلوم دیوبند، قاسمی برادری اور فکرِ دیوبند کے ہر علمبردار کے کاندھوں پر فرض اور قرض کے درجے سے کم نہ تھی۔

حجۃ الاسلام اکیڈمی کا قیام بھی اسی سلسلہ کی ایک مفید کڑی ہے، حجۃ الاسلام اکیڈمی، دارالعلوم وقف دیوبند کو اس قلیل مدت کے اندر اربابِ علم ودانش کے حلقوں میں جو مقام حاصل ہوا ہے وہ خالص نصرتِ الٰہی ہی ہے، خدا تعالیٰ کے فضلِ عمیم اور احسانِ عظیم کا نتیجہ ہے۔

احیاء تراث السلف
مجمع حجة الإسلام
للبحث والتحقيق

Ḥujjat al-Islām Academy
Al-jamia al-Islamia Darululoom Waqf, Deoband
Eidgah Road, P.O. Deoband-247554, Distt: Saharanpur U.P. India
Tel : + 91-1336-222352, Mob: + 91-9897076726
Website: www.dud.edu.in
Email: hujjatulislamacademy@dud.edu.in, hujjatulislamacademy2013@gmail.com

www.dud.edu.in
ISBN 9789384775094
00700
9 789384 775094
ḤUJJAT AL-ISLĀM ACADEMY